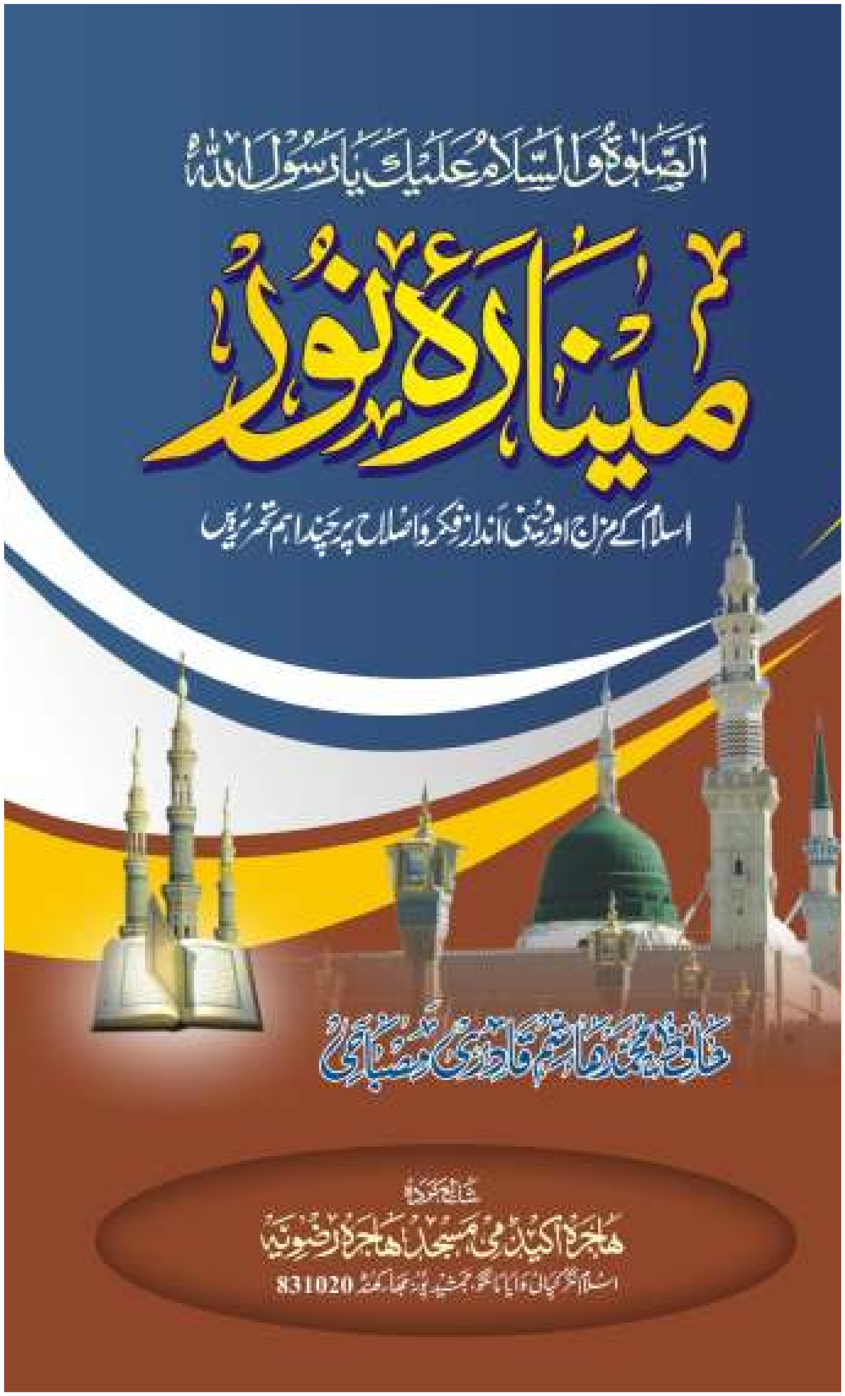

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
مینارۂ نور
اسلام کے مزاج اور مثبت انداز فکر و اصلاح پر چند اہم تحریریں
حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی
ناشر
ہاجرہ اکیڈمی مسجد ہاجرہ رضویہ
اسلام نگر کپالی وایا مانگو جمشید پور جھارکھنڈ 831020

کتاب اور صاحب کتاب

الحاج حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی ملک وملت کے ایک نامور قلم کار ہیں، دینی امور ہوں یا ملک وملت کے سلگتے ہوئے مسائل ،ہر ایک پر بے باکی کے ساتھ قلم اٹھاتے ہیں اور بروقت اٹھاتے ہیں، زبان وبیان سادہ، سلیس اور پر تاثیر ہے،تحریر قاری کے ذہن ودماغ کو اپیل کرتی ہے،یہی وجہ ہے کہ آپ کے مضامین ومقالات ملک کے تقریباً سبھی مشہور ومعروف اخبارات ورسائل اور ویب سائٹس کی زینت بنتے ہیں۔

۲۵۰ ؍صفحات پر مشتمل ''مینارۂ نور'' وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے انھیں مضامین ومقالات کا ایک دل آویز مجموعہ ہے،اسلامی مزاج اور دینی فکر واصلاح سے مملو یہ حسین گلدستہ اصلاح اعمال اور قلبی تطہیر کے لئے یقیناً ''مینارۂ نور'' ہے،اس مجموعے میں شامل ہر مضمون دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والا ہے''محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نظام عدل ومساوات، محسن کائنات اور حقوق حیوانات،روحی فداہ کا انداز تکلم،اسلام میں تربیت اولاد کی اہمیت ، دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں ،عورتوں کا وقار پردے میں ہے،بیماری ،علاج اور عیادت کے فضائل،اسلام میں لباس اور شرم وحیا کا تصور،وعدے کی اہمیت اور وعدہ خلافی پر وعیدیں، فضائل اہل بیت اور حادثہ کرب وبلا ،رحمت عالم کی شان عفو ودرگزر'' جیسے مضامین تو بار بار پڑھے جانے کے لائق ہیں،غرض کہ اس کے جملہ عنوانات ہر ایک قاری کے لئے اہمیت وافادیت سے پُر ہیں۔

اس سے پیشتر آپ کے مضامین ومقالات کا خوبصورت مجموعہ ''سیرت طیبہ کے چند درخشاں پہلو'' شائع ہوکر شائقین سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ ''مینارۂ نور'' کے ساتھ ساتھ ''صدائے اسلام، ضیائے اسلام اور صدائے حق'' بھی سابقہ مجموعے کی طرح مقبول خاص وعام ہوں گے۔

مولائے کریم اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے الحاج حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی صاحب کی مذکورہ کاوشیں قبول فرمائے اور قارئین کرام کے لئے انھیں نفع بخش بنائے ،آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

احقر محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا ،درگاہ اعلیٰ حضرت ،بریلی شریف

Publisher
HAJRA RAZVIA EDUCATIONAL & WELFARE TRUST
Islam Nagar, Kapali, P.O. Pardih, Mango
Jamshedpur-831020 (Jharkhand)
09386379632 09431332338 09279996221
E-mail.: hhmhashim786@gmail.com
₹ 55/-

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

مینارۂ نور

اسلام کے مزاج اور دینی اندازِ فکر و اصلاح پر چند اہم تحریریں

حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی

ناشر
مسجدِ ہاجرہ
جمشید پور، جھارکھنڈ

شائع کردہ
ہاجرہ اکیڈمی مسجد ہاجرہ رضویہ
اسلام نگر کپالی وایا مانگو، جمشید پور جھارکھنڈ 831020

نام کتاب : مینارۂ نور
مصنف : حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی
تصحیح ونظر ثانی : مولانا صادق رضا مصباحی
ناشر : مسجد ہاجرہ، جمشید پور (جھارکھنڈ)
سنہ اشاعت : ۲۰۲۰ء
تعداد اشاعت : ۱۰۰۰
صفحات : ۲۵۰
قیمت : آپ کا مطالعہ اور دعا برائے صحت وعافیت وخاتمہ بالخیر
خرچ اشاعت ایک کتاب -/40 ₹

کتاب ملنے کے پتے

- حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی، ہاشمی منزل، نزد مسجد قبا، روڈ نمبر ۱۳۔A جواہر نگر، آزاد نگر، جمشید پور، جھارکھنڈ، پن کورڈ 832110
- مسجد ہاجرہ رضویہ، اسلام نگر، کپالی وایا، مانگو، جمشید پور، جھارکھنڈ 831020
- ایم یا یس چیپ اٹیچی ہاؤس اینڈ براق فون، دوکان نمبر ٹی ڈی 2 ٹینک روڈ، سا کچی، جمشید پور، جھارکھنڈ 831001

09386379632 09431332338 09279996221
E-mail:hhmhashim786@gmail.com
https//:www.facebook.com/hafiz.hashim.359778

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَا ۔ نَحۡنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَا

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ سب تعریفیں اللہ عزوجل کے لئے ہیں جو تمام جہان والوں کا پالنے والا ہے۔ نبی رحمت ﷺ پر بے شمار درود وسلام

شرفِ انتساب

ان بزرگ ہستیوں کے نام جنھوں نے دین اسلام کی خدمت میں انگنت دشواریاں برداشت کیں اور دین کی حفاظت کے لیے خلوص کے ساتھ اپنا خون پسینہ بہایا۔

والدین کریمین کے نام: والد گرامی حاجی عبدالحفیظ صدیقی (مرحوم) جنھوں نے میری پرورش فرمائی، تعلیم کی روشنی سے روشناس کرایا، توجہ کے ساتھ سخت تربیت پر ہمیشہ گامزن رکھا۔ والدہ ماجدہ ''امّی جان'' ہاجرہ بی بی (رضویہ) جنھوں نے انتہائی مشقت اور محبت سے اپنا خون جگر پلایا اور تعلیم وسچائی کے راستے پر ہمیشہ گامزن رہنے کی تلقین فرمائی۔

پیرومرشد کا فیضانِ کرم: تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری علیہ الرحمۃ والرضوان جن کے فیضان کرم سے ناچیز نہال وسرشار ہے۔

اساتذہ کرام: جنھوں نے تعلیم کے ساتھ تربیت اور حق وسچ کی طرف راہنمائی فرمائی اور علم سے سرفراز فرمایا۔ اللہ سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں ہمیشہ حق وسچ پر چلنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے آمین۔

پہلی کتاب: (۱) سیرتِ طیبہ کے چند درخشاں پہلو (۲) صدائے حق (۳) صدائے اسلام (۴) مینارۂ نور (۵) ضیائے اسلام اور تین سو سے زیادہ دینی، سماجی، اصلاحی، سائنسی، اخلاقی مضامین سب کے سب شرف انتساب ہیں ان ہستیوں کے ساتھ ساتھ اپنی فیملی کو بھی نذر کرتا

ہوں جنھوں نے قدم قدم پر میری ہر طرح کی مدد فرمائی خاص کر اہلیہ محترمہ شاہ جہاں بانو حجن صاحبہ، پیاری پیاری بیٹیاں نور جہاں شیرازی، ہاشمی نور العین، مبینہ ہاشمی، عزیز از جان بیٹا مصطفےٰ رضا ہاشمی، برادرِ مکرم حاجی محمد قاسم صدیقی اور برادر اصغر محمد عبدالکریم وتمام وتمام اہلِ علم، دوست احباب کے نام نذر ہے۔ نہایت ہی پر خلوص گزارش کے ساتھ کہ ایک بار کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

''گر قبول افتد زہے عز وشرف''

طالب دعا

(حافظ) محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا پرچم توحید مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہ نے بلند کیا

اللہ رب العزت نے ہر زمانے میں انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا اور تمام انبیاے کرام دعوت توحید کو لے کر آئے، اور اپنی قوم سے یوں مخاطب ہوئے:

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (سورۂ بقر: آیت ۱۶۳)

ترجمہ: تم سب کا ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت رحم کر نے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاے کرام و رسل علیہم السلام لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے، سب کی ایک ہی دعوت تھی کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانو اور ایک اللہ کی عبادت کرو جیسا کی قرآن مجید میں رب العالمین کا فرمان ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ۔
(سورۂ نحل: آیت ۳۶)

ترجمہ: اور ہم نے ہر امت کی طرف ایک رسول اس پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ لوگو! اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (شیطان، غیر اللہ) کی عبادت سے بچتے رہو۔

دنیا کی سب سے بڑی گواہی یعنی توحید کی گواہی خود اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے دی:

شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔(سورۂ آل عمران: آیت ۱۸)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، اور فرشتے واہل علم بھی گواہی دیتے ہیں، وہ عدل پر قائم ہے اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

آپ ﷺ نے سب سے پہلے مشرکین مکہ کو دعوت توحید دی اور کہا:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہ دو اللہ ایک ہے، کامیاب ہو جاؤ گے۔ (الصحیح المسند: ۵۱۶)

موحد (خدا کو ایک ماننے والا سچا مسلمان) مومن کا ٹھکانہ جنت ہے جب کہ مشرک کا ٹھکانا جہنم ہے۔ آپ ﷺ نے عقیدۂ توحید کو ایمان کا محور و مرکز بنایا ہے۔

توحید کی تعریف:

شریعت میں اس کا معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی پختہ یقین کے ساتھ اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ ایک ہے۔ ہر شئے کا مالک رب ہے، وہ سب کو اکیلا ہی پیدا کرنے والا ہے، ساری کائنات میں اکیلا ہی تدبیر ARRANGEMENT کرنے والا ہے، ساری عبادتوں کے لائق وہی پاکیزہ ذات ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے علاوہ تمام معبود (جس کی عبادت کی جائے) باطل ہیں، وہ ہر کمال و اعلیٰ صفت سے متصف ہے اور تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

عقیدۂ توحید کے فوائد:

توحید پر ایمان رکھنے والا کبھی شکستہ دل اور مایوس نہیں ہوتا کیوں کہ وہ خدا پر یقین رکھتا ہے، جو زمین وآسمان تمام خزانوں کا مالک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا:

تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس جا رہے ہو۔ اس لیے سب سے پہلے اس کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں (اور میری رسالت کو مانیں) جب وہ اسے سمجھ لیں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ نے ایک دن اور رات ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے

لگیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے امیروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں کو لوٹا دی جائے گی۔ جب وہ اس کا بھی اقرار کرلیں تو ان سے زکوٰۃ لینا اور لوگوں کے عمدہ مال لینے سے پرہیز کرنا۔

(بخاری شریف: باب رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینا، حدیث نمبر ۷۳۷۲)

توحید کی دعوت وتبلیغ میں بے پناہ پریشانیاں اور نبی رحمت ﷺ کا صبر:

دین اسلام کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے۔ کوئی انسان جب اسلام قبول کرتا ہے تو وہ شہادت یعنی گواہی دیتا ہے اور اقرار کرتا ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُه۔

کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد الرسول اللہ (ﷺ) اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

اس نے اس بات کو دل سے کہا ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی کی بھی عبادت نہیں کروں گا اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراؤں گا اور عبادت کے جو طریقے محمد الرسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں، اسی طرح عبادت کروں گا۔ جن کو خود اللہ نے ہمارے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا اسی رب نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (سورۃ الحجر: آیت ۹۴)

ترجمہ: پس آپ وہ (باتیں) اعلانیہ کہہ ڈالیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور آپ مشرکوں سے منھ پھیر لیجیے۔

اسلام کا اعلان آپ نے سب سے پہلے اپنے دولت کدے پر خاندان بنو ہاشم کو دعوت طعام کے ساتھ کیا۔ دعوت طعام میں چالیس (۴۰) افراد شریک تھے۔ طعام کھانے کے بعد آپ نے کچھ کہنا چاہا مگر ابولہب کے طنز ومذاق اور بیہودہ باتوں نے محفل کو بدمزہ کر

دیا۔ نبی رحمت ﷺ نے ایسے میں کوئی سنجیدہ بات پیش کرنا خلاف مصلحت سمجھا، اور خاموش رہے پھر آپ ﷺ نے دوسری شب ضیافت (کھانا کھلانا) کی اور ارشاد فرمایا:

''میں خدا کی طرف سے وہ چیز لایا ہوں جو دین و دنیا کی جامع ہے۔ اس سے بہتر دنیا و آخرت میں کوئی چیز نہیں۔ مجھے پروردگار عالم نے حکم دیا ہے کہ آپ سب اور سارے انسانوں کو اس ہدایت کی جانب بلاؤں۔ فرمایئے! یہ اہم ذمہ داری نبھانے میں آپ حضرات میں کون میرا تعاون کرے گا؟''

محفل میں سناٹا چھا گیا، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنے میں اس محفل میں سب سے کم عمر حضرت علی بن ابی طالب نے کہا:

''یارسول اللہ! اگر چہ مجھے آشوب چشم ہے، اگر چہ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں سب سے کم عمر ہوں، مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا۔''

یہ سننا تھا کہ مخالفین مذاق اڑانے لگے اور طنز و تمسخر (ٹھٹھول، مسخرہ پن، کھلی اڑانا) کے نوکیلے تیروں سے پیغمبر امن و سلامتی پیغمبر رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کرتے ہوئے چلے گئے، لیکن آپ نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ صبر فرمایا، پھر اللہ رب العزت نے یہ حکم نازل فرمایا:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ، وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ، وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ، وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۔ (سورۃ الشعراء: آیت ۲۱۷ سے ۲۱۳)

ترجمہ: پس (اے بندے!) تو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پوجا کرو ورنہ تو عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا، اور (اے حبیب مکرم!) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرایئے، اور آپ اپنے بازوے (رحمت و شفقت) ان مومنوں کے لیے بچھا دیجیے جنھوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجیے کہ میں ان اعمال (بد) سے بیزار ہوں جو تم انجام دے رہے ہو۔ اور بڑے غالب (رب) پر بھروسہ رکھیے۔

جبل صفا سے دعوت اسلام کا آغاز

ان آیات کریمہ اور سورۂ حجر کی آیات مبارکہ کے نزول کے بعد آپ ﷺ جبل صفا (پہاڑ) پر تشریف لے گئے اور قریش کے تمام قبائل کو نام بنام آواز دے کر بلایا اور لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

''اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ (کوہ صفا) کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے، کیا تم لوگ میری بات کا یقین کرو گے؟۔

انھوں نے جوب دیا: نَعَمْ تَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا۔ ہاں، آپ ہمیشہ ہمارے تجربے میں سچے ثابت ہوئے ہیں۔

اس پر آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں تم میں نذیر (ڈر سنانے والا) ہوں کہ تمھارے لیے سخت عذاب ہے۔ اگر اسی طرح تم اپنے کفر پر قائم رہے۔

یہ سن کر ابولہب کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور غصہ سے چلایا: تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا۔ تیرے سارے دن موجب ہلاکت و بربادی ہوں، کیا تو نے ہمیں اسی واسطے جمع کیا تھا۔

اس کے بعد کفر وشرک کے سبھی علم بردار نبی رحمت ﷺ کو لعن طعن کرتے ہوئے چلے گئے۔
(طبقات ابن سعد: ج اول، ص ۲۰۰، بحوالہ اسلام اور امن عالم: ص ۲۱۱)

ابولہب کی بات ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی کی قہر الٰہی کی بجلی چمکی، قہر خداوندی کی دھمک سے پہاڑ کا کلیجہ دہل گیا، ہیبت سے حرم کی سرزمین کانپ اٹھی۔ اتنے میں روح الامین حضرت جبرائیل کے پروں کی آواز آئی۔ سرکار دو جہاں ﷺ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ پر سمیٹے قہر و جلال میں ڈوبی یہ آیتیں حضور کو سنا رہے تھے:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ، مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ، سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ، وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔ (سورۂ لہب: آیت ۵ سے ۱)

ترجمہ: ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور اس کا ناس لگ جائے تو عذاب الٰہی سے چھٹکارا پانے کے لیے نہ اس کا مال کام آئے گا، نہ اس کی کمائی ہوئی دولت، وہ اور اس کی بیوی جو لکڑیوں کا گٹھرا اٹھائے پھرتی ہے۔ دونوں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔''

محبوب کو اذیت پہنچانے والے ایک فقرے پر قہر الٰہی کے چڑھتے ہوئے دریا کا تلاطم تو دیکھیے! ایک لمحے میں ابولہب کی دنیا اور آخرت کا فیصلہ سنا دیا۔ ان آیتوں میں خاص طور سے جو چیز قابل غور ہے، وہ یہ کہ محبوب خاموش ہے، صبر کر رہا ہے اور دشمن کے لعن وطعن اور گستاخی کا جواب رب ذوالجلال دے رہا ہے۔ اس سے عظمت رسول ﷺ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ گستاخ الوہیت کی توبہ قبول ہے مگر گستاخ نبوت کی توبہ قبول نہیں۔ یعنی سزا کی رو سے اسے ہر صورت سزائے قتل دی جائے گی۔ اگر چہ وہ توبہ کرتا پھرے۔ یہ اس کی آخرت کا معاملہ ہے، قبول کرے نہ کرے مگر حد نافذ کی جائے گی اور وہ قتل ہے۔ درمختار میں ہے:

نبی کی گستاخ کا فر یا مرتد قرار پائے وہ حد کے طور پر قتل کیا جائے گا۔ اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں یعنی خواہ یہ غلطی اس کے اقرار سے معلوم ہوئی ہو یا گواہوں سے ثابت ہوئی ہو اور اگر خدا کی شان میں گستاخی کی تو اس کی توبہ قبول ہے کہ یہ حق خدا ہے اور اول حق عبد ہے تو توبہ سے زائل نہ ہوگا اور جو گستاخ نبی کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے۔

(درمختار: طبع مطبع احمدی، ص ٣٦٦، بحوالہ محمد الرسول اللہ قرآن میں: ص ٢٣، مصنف علامہ ارشد القادری، مکتبہ جام نور دہلی)

دعوت اسلام کے دینے پر تمام قبائل وخاندان جنھیں معزز کہا جاتا تھا وہ سب مخالف ہوگئے اور جو دولت مند تھے وہ دشمنی پر کمر بستہ ہوگئے اور طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ (جن کی فہرست طویل ہے، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں مطالعہ فرمائیں) آپ ﷺ کو انتہائی تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑا۔ دشمنان اسلام اتنے آگے بڑھ گئے کہ حضور ﷺ کی معاشرتی ناکہ بندی SOCIAL BOYCOTT کر دی،

تحریک اسلام کو کمزور بنانے اور حضور ﷺ کی ناکہ بندی کا یہ ہولناک پروگرام ہر سنجیدہ آدمی کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کی نبی رحمت ﷺ پر کیسے کیسے ظلم کیے گئے۔ آپ نے زندگی میں بڑی سے بڑی تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ آپ ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں:

وَاُذِیْتُ فِی اللّٰهِ مَا لَمْ یُؤْذَ اَحَدٌ

ترجمہ: مجھے اللہ کی راہ اتنی اذیتیں دی گئیں جتنی کسی کو بھی نہ دی گئیں۔

یہ اس رسول گرامی کے ساتھ کیا گیا جو سارے جہان کے لیے رحمت اللعالمین بن کر آیا۔ دشمنان رسول و اسلام آپ کی دشمنی پر اس قدر کمر بستہ ہوئے کہ ان پر لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب مظالم پر صبر وضبط کا دامن نہ چھوڑا۔

ہولناک منصوبہ:

تمام قبائل کے لوگوں نے باتفاق ہولناک منصوبہ مرتب کیا۔ بعیض بن عامر بن ہاشم نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھا۔ محرم کی چاند رات ۶۱۵ عیسوی کو خانہ کعبہ کی اندرون دیوار پر اسے آویزاں کر دیا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس منحوس تحریر کے کاتب کو رسول کریم ﷺ کے دل کی آہ لگ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل (بیکار) ہو گئے۔ ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ منصور بن عکرمہ نے لکھا تھا اور یہ واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا۔ وہ لولا (اپاہج) INVALID ہو گیا۔ اس معاہدے کی چند بڑی باتیں مطالعہ فرمائیں:

(۱) اگر بنی ہاشم محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے نہیں کرتے تو ان کا مکمل معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے۔

(۲) ان سب کے ساتھ رشتے ناطے کے تعلقات کاٹ لیے جائیں۔

(۳) ان کو نہ کچھ بیچا جائے نہ ہی ان سے کچھ خریدا جائے اور نہ ہی ان سے کسی چیز کا لین دین کیا جائے۔

(۴) ان کو کھانے پینے کی چیزیں نہ دی جائیں اور آنے کا ہر راستہ بند کر دیا جائے۔

(۵) انھیں اس پہاڑی گھاٹی میں قید رکھا جائے، گلی بازار میں گھومنے پھرنے نہ دیا

جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

رحمت عالم ﷺ اور آپ کے اہل بیت وصحابہ کرام اور چاہنے والوں کے لیے یہ مقاطعہ (ناکہ بندی BOYCATT) انتہائی دشوار اور صبر آزما تھا۔ اس اسیری اور محبوسی کا زمانہ اتنا سخت تھا کہ محصورین پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ کئی کئی دن سارے کے سارے لوگ بھوکے رہتے۔ کبھی کبھی کسی کے دل میں جذبۂ ہمدردی بیدار ہوتا تو ڈھکے چھپے غلہ یا کھانے کا سامان چھپا کر پہنچا دیتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بہن کے لڑکے حکم بن حزام بن خویلد ایک بار گیہوں کی ایک گٹھری ایک لڑکے کے سر پر اٹھوا کر گھاٹی پہنچے، ابوجہل نے دیکھ لیا اور دوڑ کر جھپٹا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے، میں مکہ والوں کو خبر کرتا ہوں اور تمھیں رسوا (بدنام) کروں گا۔ ابو البختر ی نے سنا تو کہا اس کی پھوپھی کا یہ غلہ ہے، میں نے بھیجا ہے، یہ میرے پاس رکھا تھا۔ اسے لے جانے دو مگر وہ نہیں مانا اور جھگڑا کرنے لگا۔ ابوالبختر ی نے غصے میں آ کر اونٹ کی ہڈی سے زبردست پٹائی کی اور پیروں سے روند روند کر ابوجہل کو ادھ مرا کر دیا اور غلہ پہنچا دیا۔

تنگ دستی اور بھوک پیاس سے محصورین بے تاب ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ کے پاس کچھ بھی نہ تھا، ابوطالب کے ہاتھ خالی ہو گئے تھے۔ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ اور صحابۂ کرام بھی تنگ دست ہو چکے تھے۔ بھوک سے بچوں کے رونے بلکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ بھوک اور کمزوری سے لوگ ایک دوسرے سے بات نہیں کر پا رہے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

وحیِ ربانی سے خوش خبری:

ایسے میں وحیِ ربانی نے ساری مصیبتوں کے دور ہونے کی بشارت خوش خبری سنائی۔ قریشی ظلم وتشدد کا جو عہد نامہ (AGREEMENT) دیوار کعبہ سے لٹکا ہوا تھا، اس پر اللہ نے دیمک مقرر کر دی تھی جس نے ساری تحریروں کو چاٹ ڈالا، صرف ذکر اللہ، اللہ رب ا لعزت کا نام باقی رہا، حیّ وقیوم خدا کا نام۔ جو لافانی اور لایموت ہے وہی باقی رہا۔ حضور ﷺ نے ابوطالب کو بتایا۔ ابوطالب دوڑ کر قریش مکہ کے پاس گئے اور چیلنج CHALLENGE کر دیا کہ میرے بھتیجے نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تحریر (اگریمنٹ) مٹ گئی، ختم ہو گئی اور یقینا

میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے تم لوگ جانتے ہو۔ اگر یہ بات سچ نکلی تو تم لوگ باز آ جاؤ۔ اور اگر غلط ثابت ہوئی تو میں اسے تمھارے سپرد کر دوں گا۔ اس پر کفار خوش ہو کر بولے کہ اب تم نے انصاف کی بات کی ہے۔ زبردست بھیڑ نے کعبے میں داخل ہو کر دیکھا تو فرمان رسول کے مطابق صرف اللہ کا نام باقی تھا اور کفار وقریش کی ساری تحریر کو دیمک نے کھالیا تھا۔ تمام دشمنوں نے شرم وندامت سے اپنی گردنیں جھکالیں۔ قبائل قریش آپس ہی میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زعمہ بن اسود، ابوالبختری بن ہشام اور زہر بن امیہ وغیرہ ایک ساتھ ہتھیار لگائے شعب ابی طالب میں آئے اور تمام محصورین (گھرے ہوئے) کو اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لیے کہا۔

(سیرت ابن ہشام: ج ۲،ص ۳، ۱۷، ۱۹ /ابن سعد: ج ۱،ص ۲۰۸ سے ۲۲۱ / البدایہ والنہایہ: ج ۲،ص، ۹۷، ۹۵، ۹۰

بحوالہ اسلام اور امن عالم: ۲۶۴ سے ۲۶۳ ،مصنف حضرت مولانا بدر عالم بدر القادری مقیم حال امسٹرڈم ہالینڈ)

ظلم وجبر کا یہ تین سالہ دور بھی آپ ﷺ کو دعوت توحید واسلام کی تبلیغ کے لیے نہ روک سکا۔ پھر اس سے بھی زیادہ دردناک اور سخت ترین مصائب کا دور سفر طائف کا آیا۔ رسول کریم ﷺ نے جب دعوت اسلام پیش فرمائی تو انتہائی اذیت ناک دور سے آپ کو گزرنا پڑا، جو تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے مکہ کے ہی ایک شہر طائف کے باشندوں تک اسلام کا پیغام پہچانے کا کام شروع فرمایا۔ آپ نے سرداران طائف عبد یالیل، سعود اور حبیب فرزندان عمرو سے گفتگو کی اور اسلام کی دعوت پیش فرمائی۔ آپ کی دعوت پر غور فکر اور عمل کرنے کے بجائے ان لوگوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور انتہائی حقارت آمیز جملوں سے آپ کو تکلیف پہنچائی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ سرداروں نے اوباش (آوارہ، کمینے، بدماش، غنڈوں، لوفر) لڑکوں کو جمع کر کے آپ کے پیچھے لگا دیا جنھوں ہلہ بول کر آپ کو مارنا شروع کر دیا۔ کنکر، پتھر اور گالی گلوج کی بارش کر دی اور مارتے مارتے شہر کے کنارے تک چلے گئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا۔ خون مبارک بہہ

کر نعلین مبارک تک آ گیا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر میں اس موقع پر جو تکلیفیں آئیں اور قلب اطہر جس قدر مجروح ہوا، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس متعلق فرماتے ہیں:

''میری زندگی کا سب سے سخت ترین دن تھا۔''

ایک جگہ یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جنگ احد سے زیادہ سخت دن قرار دیا ہے۔'' (سیرت النبی، سیرت احمد مجتبیٰ)

طائف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو نارواسلوک ہوا اللہ نے اس کے بدلے میں آپ کو بہت عطا فرمایا۔ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ معراج کا سفر انہی دکھوں کا مداوا تھا کیوں کہ حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ ''ہر آنے والا دن گزرنے والے دن سے بہتر نتائج والا ہوگا۔'' (القرآن)

اسلام آج دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہ سب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ کاش! ہم تمام مسلمان آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ توحید و اسلام کو پھیلانے کی سنت پر عمل کرتے اور پیغام اسلام کو برادران وطن و دوسرے مذاہب تک پہنچاتے تو اسوۂ رسول اللہ پر عمل کرنے کا ثواب اور فوائد سے بھی مالا مال ہوتے۔ آج اسلام کی تعلیم کو اپنے اپنے عقائد و نظریات کی تبلیغ کا ذریعہ بنا کر روز روز نت نئے فتنوں کو جنم دے رہے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ رب کریم ہم سب کو اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کی توفیق اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

●●●

محمد عربی ﷺ کا عدالتی نظام ومساوات

آقائے نعمت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔رسالت کا سلسلہ آپ کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔سارے عالم کے مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو اس عقیدے سے منحرف ہو یا اس پر ایمان نہ رکھتا ہو۔

ہر سال ساری دنیا میں بڑے جوش وعقیدت ومحبت کے ساتھ ماہ ربیع الاول میں عید میلادُ النبی ﷺ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔اہل ایمان جشن آمد رسول ﷺ کا اہتمام کرتے ہیں۔سیرت النبی ﷺ کو سننے اور سنانے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔بڑے پیمانے پر جلوس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ہر خوش عقیدہ مسلمان اپنی سمجھ بوجھ اور حیثیت کے مطابق نبی کریم ﷺ سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔مصطفی جان رحمت ﷺ سے عشق ومحبت کا اظہار یقیناً جذبۂ ایمانی کی نشانی ہے اور مسلمان ہونے کا فطری تقاضا بھی ہے۔لیکن اس حقیقت کو جاننے اور عام کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر خالق کائنات نے انبیا علیھم السلام کو کیوں مبعوث فرمایا؟ انبیا علیھم السلام نے دنیا میں کیا کام انجام دیے؟ انبیا علیھم السلام کے بعد مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟ خدائی نمائندے یعنی رسولانِ عظام اور پیغمبران حق جن مقاصد کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ان میں اہم ترین مقصد قیام عدل بھی تھا اور ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب

عدل کی ترازو اُتاری کہ وہ لوگوں میں انصاف قائم کریں۔

(سورۂ حدید: آیت نمبر ۲۵) (ترجمہ کنزالایمان)

عدل کا لغوی مفہوم کے متعلق حضرت امام راغب اصفہانی (جن کا اصل نام ابوالقاسم الحسین بن محمد بن فضل ہے) اپنی شہرۂ آفاق کتاب المفردات میں لکھتے ہیں: ''سب کے ساتھ برابر کا معاملہ کرنا''۔ قران میں سورۂ رحمٰن آیت نمبر ۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور قیام عدل کے لیے میزان (ترازو) رکھا کہ ترازو (انصاف میں) بے ایمانی نہ کرو۔ (کنزالایمان)

اس آیت پر غور کریں تو یہ بات بہ خوبی واضح ہوجاتی ہے کہ رسولوں کی آمد کا مقصد دنیا میں عدل ومساوات برابری کو قائم کرنا، ظلم وزیادتی اور استحصال کو ختم کرنا، دنیا سے ناانصافی کا خاتمہ کرنا، تمام انسانوں کو حق اور انصاف کے تحت زندگی گزارنے کا طریقہ بتانا، ظلم و استحصال، جبر وتشدد کے خاتمے کے لیے اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کی حکمتوں کو نافذ کرنا ہے۔

دنیا میں امن وسکون محض خواہش اور تمنا سے قائم نہیں ہوسکتا۔ دنیا سے ظلم واستحصال اور جبر وتشدد کا خاتمہ انسانی عقل ودماغ کی بنیاد پر بھی نہیں ہوسکتا۔ انسانوں کے بنائے ہوئے اصول وضوابط اور انسانوں کے سوچے بنائے منصوبے دنیا میں امن وسکون کی فضا قائم نہیں کر سکتے۔ اگر انسان چاہتا ہے کہ اُسے سکون وامن وچین میسر آئے اور ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہو اور نا برابری دور ہو تو پھر اس کا ایک ہی حل ہے وہ یہ ہے کہ خالق کائنات کی ہدایت پر کامل پیروی کی جائے تو حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت پر عمل کیا جائے رب کریم کا حکم ہے سورۂ صف آیت نمبر 9/ (ترجمہ کنزالایمان) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت اور دین حق دے کر اس فرض کے لیے بھیجا ہے کہ وہ ہر دین کے معاملے میں اسے غالب کرے۔ اس آیت میں مزید واضح انداز میں اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ روحی فداہُ ﷺ کی بعثت (بھیجنے) کا مقصد دین حق کا قیام، عدل (انصاف کا) کا نظام قائم کرنا۔

رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں عدل وانصاف مساوات کی مثالوں کا نظارہ کر نے کے لیے رسول پاک ﷺ کی سیرت کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیے۔ یہاں سیرت کے

خزانے سے بڑا پیارا واقعہ حاضر خدمت کرتا ہوں۔
غزوۂ بدر کے موقع پر رسول پاک ہاشمی وقار ﷺ صحابہ کی صفیں درست کر رہے ہیں۔ آپ کے دست مبارک میں لکڑی کی ایک چھڑی ہے۔ ایک صحابی صف میں برابر نہ تھے، آپ نے اُنہیں چھڑی سے بغل میں کچوکا لگایا تا کہ وہ برابر ہو جائیں۔ وہ معلم عدل وانصاف جب بیمار ہوئے تو آپ نے اعلان عام کیا کہ اگر کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے۔ وہ صحابی جن کو حضور ﷺ نے صف سیدھی کرنے کے لیے کچوکا لگایا تھا، آئے اور کہا یا رسول اللہ (ﷺ)! بدر کے روز آپ نے مجھے لکڑی سے کچوکا لگایا تھا جس سے مجھے تکلیف ہوئی تھی، میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حاضر ہوں، بدلہ لے لو۔ صحابی نے کہا جس وقت آپ نے مجھے کچوکا لگایا تھا میرے جسم پر کرتا نہیں تھا، میں آپ سے اسی انداز میں بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حضور ﷺ نے کُرتا اُٹھا کر پہلو اور پشت (پیٹھ) مبارک اس پر پیش کی۔ اس صحابی نے بے تابانہ بڑھ کر پشت مبارک اور مہر نبوت شریف کو بوسہ دیا اور کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ تمنا یہ تھی کہ زندگی میں ایک بار آپ کی مہر نبوت شریف کو بوسہ دے کر سامان آخرت کروں۔

اس عاشق رسول کی تمنا تو کچھ اور تھی مگر قربان جائیے عدل ومساوات کے معلم حقیقی محمد ﷺ کی تعلیم اور ان کے نمونۂ عمل پر کہ حالت علالت میں ایک شخص کو اس کا حق دینے کے لیے جسد مبارک کو پیش فرما دیتے ہیں۔ عدل اسلامی ومساوات حقیقی کی اس عملی تصویر سے ہی اسلامی اصولوں کی ترتیب ہے۔ اسلامی عدل کے ترازو میں تمام انسانوں کو مساویانہ حق ہے۔ کسی شریف کی شرافت اور کسی غیر شریف کی رذالت اسے عدل اسلامی سے محروم نہیں کرتی۔ کسی کمزور کی کمزوری اور کسی قوی کی قوت (طاقت) اسلامی عدل پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ آقا ﷺ کا عدل ایسا غیر متعصب ترازو ہے جو اپنے فرائض میں کسی سے غفلت اور کسی کی رعایت نہیں کرتا۔

ممتاز مفسر قرآن علامہ شہاب الدین الوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''تفسیر روح المعانی'' میں آیت عدل (پارہ: ۱۴، سورۂ نحل: آیت نمبر ۹۰) کی نہایت

جامع تفسیر تحریر فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں:

(۱) دل اُمّ الفضائل عمل ہے۔(۲) عدل مساوات (برابری کا) دوسرا پہلو یا نام ہے۔(۳) عدل دراصل ظلم کی ضد ہے یعنی اگر عدل ہو تو ظلم کا خاتمہ یقینی ہے۔

عدل وانصاف کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے آپ مزید فرماتے ہیں کہ:

علما کی بڑی تعداد کا یہ قول ہے کہ اگر قرآن مجید میں صرف یہی آیت نازل ہوتی تو ہدایت کے واسطے کافی ہوتی: اِنَّ اللّٰہ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ... الخ۔ اسی لیے اس آیت کریمہ کی اہمیت کے پیش نظر جب خلیفہ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے خلیفہ عبدالملک نے دریافت کیا کہ عدل کا کیا مفہوم ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ عدل کی چار شکلیں ہیں۔

(۱) فیصلے کے وقت کا عدل۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کرو۔

(۲) گفتگو کے وقت کا عدل۔ جیسا کہ رب کا ارشاد ہے جب تم بات کرو تو عدل کے ساتھ بات کرو۔

(۳) عدل فدیہ کے مفہوم میں۔ جیسا کے ارشاد رب العالمین ہے: اس (انسانی نفس) کے عوض کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۴) عدل فی الشّرک۔ جیسا کہ رب نے فرمایا: منکرین اپنے رب کے برابر ٹہراتے ہیں۔ رب اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

کوئی کیسا ہی دوست یا قریبی کیوں نہ ہو، اہل ایمان کے انصاف کا ترازو اسے اگر مجرم قرار دیتا ہے تو قرار واقعی سزا پائے گا جیسا کہ خیر القرون میں اور اس کے بعد بھی ہوا ہے۔ حضور نبی ﷺ نے مسلمانوں اور یہود کے نزاع (لڑائی) میں یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس فیصلے پر قرآن میں آیت مبارکہ نازل ہوئی:

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ پر اُتری اور جو پہلے کتابیں اُتریں اس کے باوجود چاہتے ہیں کہ فیصلہ

کرانے کے لیے اپنے (مقدمات) شیطان (طاغوت) کے پاس لے جائیں حالانکہ اُنہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کو نہ مانیں اور شیطان تو چاہتا ہی ہے کہ اُنہیں دور بہکا دے اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منھ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔ (سورۂ نساء: آیت نمبر ۵۹۔۶۰، کنز الایمان)

تفسیر نور العرفان: جلد اول، ص ۱۳۸ میں صاحب تفسیر فرماتے ہیں:

بشر نام کے ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو محمد عربی ﷺ کے پاس چل کر فیصلہ کرائیں۔ منافق (نام کا مسلمان) بولا چلو کعب ابن اشرف کے پاس جو یہودی عالم تھا اس سے فیصلہ کرائیں۔ یہودی نے کعب ابن اشرف کو جج (Judge) ماننے سے انکار کر دیا کیوں کہ وہ رشوت خور تھا۔ چنانچہ مقدمہ بارگاہ نبوی میں پیش ہوا۔ حضور ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ بشر نامی منافق اس فیصلے پر راضی نہیں ہوا۔ پھر یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ لائے۔ یہودی عرض کیا کہ بارگاہ نبوی میں میرے حق میں فیصلہ ہو چکا ہے، بشر اس فیصلے پر راضی نہیں ہوا اور آپ کے پاس مقدمہ لایا ہے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور فرمایا جو مصطفیٰ ﷺ کے عدل (فیصلہ) سے راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہ ہے۔ اس پر یہ مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ (۱) منافق کھلے کافروں سے بدتر ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی اپیل کسی اور جگہ نہیں ہو سکتی ہے۔ حضور ﷺ کا فیصلہ رب کا فیصلہ ہے۔ حضور ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہونا کفر ہے اور وہ شخص مرتد و واجب القتل ہے کیوں کہ وہ دکھاوے کا مسلمان تھا، اب مرتد ہو گیا۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کا مقصد ہی بیان فرمایا کہ انصاف کا ترازو دے کر ہم نے محمد عربی ﷺ کو مبعوث فرمایا:

ترجمہ: انصاف کرو وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (سورۂ مائدہ: آیت نمبر ۷، کنز الایمان)

عید میلاد النبی ﷺ کا موقع ہر سال اُمت مسلمہ کو اپنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ

کرتا ہے۔مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنی ذاتی و نجی زندگی میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی مکمل پیروی اختیار کرنی چاہیئے، اپنے اجتماعی معاملات کو مکمل طور پر شریعت کی روشنی میں طے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس طرح دنیا کے سامنے اسلام کے ایک مکمل نظام ہونے کو مدلل انداز میں پیش کرنا چاہیے۔لاکھوں کروڑوں درود وسلام محمد عربی ﷺ پر۔ اللہ ہم سب کو سیرت مصطفی ﷺ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین،ثم آمین۔

●●●

عہد رسالت میں نظامِ عدالت، آپ سے بڑا منصف نہیں ہوا، نہ ہوگا!

اللہ رب العزت نے ہر زمانے میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا اور نبیوں کے بھیجنے کے مقاصد کو آسمانی کتابوں میں بیان فرمایا۔ ان میں سے بنیادی باتوں میں سے یہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول سچ اور حق کی تعلیم دینے آئے ہیں۔ قرآن مجید نے بنیادی باتوں میں عدل وانصاف واحسانات پر بہت زور دیا Focus کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ (سورۂ نحل: آیت ۹۰)

ترجمہ: بیشک اللہ عدل اور احسان اور رشتے داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع فرماتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

مفسرین نے عدل (انصاف، justice) اور احسان کے معنیٰ بیان فرمائے ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے فرمایا کہ عدل یہ ہے کہ آدمی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی دے، فرائض کو ادا کرے اور لوگوں کے ساتھ احسان کرے۔ (عدل واحسان کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر حق دار کو اس کا حق دیا جائے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے) یہ آیت مومنوں کو انسانی معاملات میں انصاف کا ایک عام حکم دیتی ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ انصاف کو بھلائی کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ اس حکم کے تحت لازمی ہے کہ مومنین اپنی ذاتی اور سرکاری دونوں حیثیتوں میں انصاف کریں۔ ممتاز مفسر قرآن علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی رحمۃ

اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''روح المعانی'' میں آیتِ عدل (سورۂ نمل: آیت ۹۰) کی تفسیر نہایت جامع انداز میں تحریر فرمائی ہے:

''(۱) عدل اُمُّ الفضائل عمل ہے۔(۲) عدل، مساوات (برابری کا) دوسرا پہلو (نام) ہے۔(۳) عدل وانصاف دراصل ظلم کی ضد ہے یعنی اگر عدل و انصاف ہوتو ظلم کا خاتمہ یقینی ہے۔(۴) علما کی بڑی تعداد کا یہ قول ہے کہ اگر قرآن مجید میں صرف یہی آیت ''عدل'' نازل ہوتی تو ہدایت کے واسطے کافی ہوتی۔اس آیت کریمہ کی اہمیت کے پیش نظر خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے خلیفہ عبدالمالک نے دریافت کیا کہ عدل کا کیا مفہوم ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ عدل کی چار شکلیں ہیں: (۱) فیصلے کے وقت کا عدل جیسا کہ رب العالمین نے فرمایا کہ جب تم فیصلہ کروتو عدل کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کرو۔(۲) گفتگو کے وقت عدل جیسا کہ رب کا ارشاد ہے جب تم بات کروتو عدل کے ساتھ بات کرو۔(۳) عدل فدیہ کے مفہوم میں ہے جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے: ''انسانی نفس کے عوض کوئی فدیہ قبول نہ کیا جائے گا۔''(۴) عدل فی الشرک جیسا کہ رب نے فرمایا: ''منکرین اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں''۔''رب اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔''

عدالتی نظام کے بنیادی اصول:

قرآن کریم میں بہت سی آیات کریمہ عدالتی نظام، حق اور احسان کے بنیادی اصول بیان کرتی ہیں۔ احادیث کے خزانے میں بھی کثیر احادیث انصاف، حق اور احسان کے بارے میں موجود ہیں۔ انسانوں کے درمیان اختلافات فطری چیز ہے مگر بعض اختلافات حق وصداقت پر مبنی ہوتے ہیں اور بعض جھوٹ اور تعصب پر۔ ایسی صورت میں ایمان والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ صرف ان کی طرف داری کریں جو راہ حق پر ہوں۔ انھیں چاہیے کہ ہر قسم کا دباؤ جو ان کے بس میں ہو، غلط راہ پر چلنے والے گروہ کے خلاف استعمال کریں حتیٰ کہ وہ انصاف پر آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں ہر امت کے لیے ایک حکم پہنچانے والا پیغمبر، رسول، نبی بھیجا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لاَ يُظْلَمُونَ ۔(سورۂ یونس: آیت ۴۷)

ترجمہ: اور ہر امت کے لیے ایک رسول آتا رہا ہے۔ پھر جب ان کا رسول (واضح نشانیوں کے ساتھ) آچکا (اور وہ پھر بھی نہ مانے) تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور (قیامت کے دن بھی اسی طرح ہوگا) ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت کریمہ کے مطابق دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے پاس رسول نہ بھیجا گیا ہو پھر یہ آیت رسول کے فرائض بھی واضح کرتی ہے کہ دنیا میں امن وامان اور لوگوں کے حقوق، جان، عزت اور مال کی حفاظت کے لیے انصاف کو قائم کرنا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کا قیام رسالت کا سب سے اہم منصب ہے کیوں کہ ہر رسول کو لوگوں کے در میان انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر لوگوں کو خاص کر مومنوں کو نہایت واضح اور واشگاف (کھلے، کھلے) الفاظ میں عدل کرنے والے سربراہ یعنی رسول کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اختیارات بیان کرتے ہوئے قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ ہر قیمت پر رسول کریم ﷺ کے فیصلے اور حکم کے خلاف نافرمانی، حکم عدولی، بغاوت، سرکشی نہ کرے۔ اسے جان لینا چاہیے کہ ایسا کر کے وہ اپنے لیے اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہے اور وہ محمد ﷺ کی امت سے بغاوت کرر ہا ہے۔ عہد رسالت کے کئی واقعات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ایک دلچسپ اور عبرت والا فیصلہ قرآن مجید کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً ۔

(سورۂ احزاب: آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ: اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں تو ان کے لیے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نا کرنے کا) کوئی اختیار ہو، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔

آپ ﷺ نے جو نظامِ عدالت قائم فرمایا ان میں جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے مکہ کا قاضی و عامل (Governor/Judge) مقرر فرمایا تھا۔ اس دوران ایک پیچیدہ مقدمہ ان کی عدالت میں دائر ہوا۔ حضرت عتاب بن اسید اسے حل نہ کر سکے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قانونی مشورہ طلب کیا:

''بنو عامر مکہ میں بنو مغیرہ کو طلوع اسلام سے قبل بہت زیادہ سود پر رقم قرض دیتے تھے۔ طلوع اسلام پر بنو مغیرہ ایک بڑے قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے جو ان پر بنو عامر کی طرف سے عائد تھا۔ انھوں نے اپنا سود طلب کیا اور بنو مغیرہ نے اس بنا پر اس کی ادائیگی سے انکار کر دیا کہ اسلام میں اس کی ممانعت آ گئی ہے۔ بنو عامر نے مکہ میں حضرت عتاب بن اسید کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ مقدمہ کی باقاعدہ سماعت اور کارروائی شروع ہوئی۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو اس کا فیصلہ کرنے میں مشکل ہوئی۔ اس کے لیے قانون سازی کی ضرورت تھی جس کے وہ اہل نہیں تھے۔ اس پیچیدگی کے باعث انھوں نے مقدمہ مشورے کے لیے (سب سے بڑے منصف نبی رحمت ﷺ جنھیں اللہ رب العزت نے لوگوں کے انصاف کے لیے مبعوث فرمایا تھا) آپ کے پاس بھیج دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود یہ محسوس کیا کہ ایسے مقدمات سے نپٹنے کے لیے ابھی قانون نازل نہیں ہوا۔ چنانچہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات اس موقع پر نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لاَ تَظْلِمُونَ وَلاَ تُظْلَمُونَ۔ (سورۃ البقرۃ: آیت ۲۷۸۔۲۷۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدق دل سے) ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلان جنگ پر خبردار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے

تمھارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسید بن عتاب کو حکم الٰہی بھیج دیا اور ہدایت کی کہ بنو عامر کو فیصلے سے آگاہ کر دو۔ اگر وہ اسے قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ انھیں جنگ کے لیے تیار ہونے کو کہہ دو۔ (طبری و دیگر تفاسیر مشہورہ)

یہ ہے ایک ناقابلِ تردید ثبوت رسول اللہ ﷺ کے نظام عدالت کا کہ آپ کے فیصلے پر کسی کو انکار کا حق نہیں۔ اس موضوع پر قرآن میں کئی آیات اور بھی موجود ہیں۔

بعثت سے پہلے آپ کا انصاف:

قرآن کریم کی آیتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ انصاف وعدالتی نظام کے قیام کے نفاذ کے لیے آپ ﷺ منصف اعلیٰ ہیں۔ کوئی آپ کے حکم کے خلاف ورزی نہیں کر سکتا ورنہ اس کے ایمان پر حرف آئے گا۔ دنیا کے سب سے بڑے منصب، منصبِ رسالت پر آپ فائز ہیں۔ سچ اور حق یہی ہے کہ عربوں نے رسول اللہ ﷺ کو (ظاہری) اعلان نبوت سے پہلے ہی آپ کو ثالث (وہ جو نزاع، جھگڑا کو سلجھائے، mediator، منصف، judge) مان لیا تھا۔ ۶۰۶ء میں جب آپ کی عمر ۳۵ رسال تھی۔ اس وقت سیلاب نے خانہ کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا دیا تھا، قریش نے اس کی دوبارہ تعمیر کی لیکن جب حجر اسود رکھنے کا معاملہ آیا تو قبائل میں زبردست جھگڑا پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ یہ سعادت اسے ہی نصیب ہو مگر رسول اللہ ﷺ نے اس جھگڑے کو بآسانی سلجھا دیا۔ آپ ﷺ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا اور تمام سردارانِ قریش سے فرمایا کہ وہ چادر کے کونے کو پکڑ کر اُٹھائیں۔ چنانچہ سب نے مل کر چادر کو اٹھایا اور جب چادر اس مقام پر پہنچی جہاں اس کو رکھا جانا تھا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کو دیوار کعبہ میں نصب کر دیا۔ سب نے آپ کے فیصلے کو قبول کیا، سب راضی ہو گئے، ذرہ برابر کسی کو تردد نہ ہوا۔ (بحوالہ: سیرۃ ابن ہشام، ج راول)

آپ کے عدالتی فیصلوں کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ایک یہودی اور نام نہاد مومن کے مقدمے کا فیصلہ بہت صراحت کے ساتھ کتابوں میں درج ہے، یہ مقدمہ مطالعہ کر

نے سے تعلق رکھتا ہے، آپ بھی ضرور مطالعہ فرمائیں۔

عہد رسالت میں نظامِ عدالت کے چند بنیادی نکات:

آپ ﷺ کے نظامِ عدالت کے مباحث سے چند بنیادی نکات پیش کیے جاتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی عدالت ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے ایک ترقی یافتہ، منظم ادارے کی شکل میں اختیار کر چکی تھی۔ اگر اس نظام کا تقابل (comparing) عہد حاضر کے عدالتی نظاموں سے کیا جائے تو جہاں تک اصولوں، نظریات، قواعد وضوابط اور عدالتی طریقۂ کار کا تعلق ہے وہ اسی طرح موجود تھے جس طرح آج کے نظاموں میں ہیں مگر جو بات عہد رسالت کے نظام عدالت کو صحیح سمجھنے کی راہ میں حائل ہے وہ عہد حاضر کی عدالتوں کی عظیم الشان عمارات، وسیع پیمانے پر غیر ضروری اخراجات، مقدمات کو نپٹانے کے لیے عدالتی طریق کار کی پیچیدگیاں جیسے امور ہیں۔ اس طرح کی چیزیں عہد رسالت کے نظام میں مفقود ہیں۔ اگر دور حاضر کے عدالتی نظام کی ترقی کا راز پر شکوہ عمارات، وسیع اخراجات اور مقدمات کی پیچیدگیوں میں مضمر (پوشیدہ، چھپا ہوا) ہے تو اس اعتبار سے یہ نظام عہد رسالت کے نظام سے ترقی یافتہ ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ کوئی بھی صاحبِ عقل ودانش، عمارات، اخراجات اور عدالتی پیچیدگیوں کو ترقی یافتہ نظام کی علامت (پہچان) قرار نہیں دے سکتا کیوں کہ یہ چیزیں نظام، عوام اور معاشرے کے لیے بوجھ ہیں جب کہ نظامِ عدالت کا پہلا اور بنیادی مقصد ملک ومعاشرے اور قوم وملت کے بوجھ کو کم کرنا ہوتا ہے۔ عہد رسالت کے نظامِ عدالت کا یہ بھی بنیادی مقصد تھا کہ انصاف آسان اور سستا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُس عہد میں عمارات، اخراجات اور پیچیدگیوں کے بجائے سادگی، سستا پن، آسانی اور ہر طرح کی سہولت نظامِ عدالت کے نمایاں اوصاف تھے۔

رحمت عالم کا عدالتی نظام رحمت ہی رحمت:

آج جو طریقِ کار رائج ہے، وہ فریقین مقدمہ کی سہولت کے بجائے زحمت کا سبب

ہے۔آسانی کے بجائے تنگی اور محبت کی جگہ نفرت پیدا کرتا ہے۔موجودہ نظام عدالت کا عہد رسالت کے نظام عدالت کے طریق کار سے سے تقابل کیا جائے تو واضح طور پر نظر آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا نظام عدالت اُن اصولوں پر مبنی تھا جو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، حضرت ابن حزم رضی اللہ عنہ اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر کرتے وقت انھیں دیئے تھے۔جن میں آپ نے فرمایا تھا:''انصاف میں آسانی پیدا کرنا، تنگی پیدا نہ کرنا، خوشی کا ماحول پیدا کرنا، نفرت پیدا نہ کرنا۔'' اُس عہد کی تاریخ کو بغور پڑھا جائے تو ان اصولوں کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے۔قاضی اور عدالت کے خلاف تنگی، پیچیدگی اور نفرت و ناانصافی کا ایک بھی واقعہ نہیں ملتا۔اس کے برعکس دنیا کی تمام عدالتوں کی تاریخ کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ حکمراں اور بڑے لوگوں کو سہولت اور آسانی حاصل تھی اور آج بھی ہے۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔

آپ ہی کی عدالت ہے آپ ہی منصف بھی ہیں
یہ تو کہیے آپ کے عیب و ہنر دیکھے گا کون؟

آپ ﷺ کے عہد میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے دور میں لوگوں کو انصاف ملنے میں سہولت اور آسانی حاصل تھی۔خوشی اور اطمینان کا ماحول میسر تھا۔عدل وانصاف کے تقاضے بہت جلد پورے کیے جاتے تھے۔پیشہ ور مقدمہ باز لوگوں کا وجود نہیں تھا۔سہولت اور آسانی کو اس حد تک ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ اگر کسی فریق کو صوبائی یا ضلعی عدالت کے حکم کے خلاف وفاقی (کئی ریاستوں یا صوبوں کو ملا کر ایک حکومت، federation) عدالت (High court) میں اپیل کے لیے ساتھ جانا پڑتا تو عام طور پر اس کو حج کے موقع پر عدالت میں طلب کیا جاتا تھا تاکہ فریقین مقدمے کو غیر ضروری طور پر اخراجات برداشت نہ کرنے پڑیں اور وہ فریضہ حج کی آدائیگی کے دوران عدالت میں بھی حاضری دے لیں۔

رسولوں کی بعثت کا مقصد دنیا میں انصاف قائم ہو:

نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ دنیا میں عدل و انصاف قائم فر

مائیں۔قرآن مجید میں بہت سی آیات کریمہ موجود ہیں۔ایک ارشاد باری تعالیٰ سنیے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۔ (سورۂ حدید: آیت ۲۵)

ترجمہ: بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب عدل کی ترازو اُتاری کہ وہ لوگوں میں انصاف قائم کریں۔(کنزالایمان)

عدل کے لغوی مفہوم کے متعلق حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۳ ہجری اپنی شہرہ آفاق کتاب المفردات میں لکھتے ہیں:

''سب کے ساتھ برابر کا معاملہ کرنا''

مومنوں کو خاص طور پر اللہ رب العزت نے انصاف قائم کرنے کا حکم دیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۔

(سورۂ نساء: آیت ۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے (محض) اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہوجاؤ خواہ (گواہی) خود تمھارے اپنے (یا تمھارے) والدین یا تمھارے رشتہ داروں کے ہی خلاف ہو، اگر چہ (جس کے خلاف گواہی ہو) مال دار یا محتاج، اللہ ان دونوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے۔سو تم خواہش نفس کی پیروی نہ کیا کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ (گے) اور اگر تم (گواہی میں) پیچ دار بات کرو گے یا (حق سے) پہلو تہی کرو گے تو بیشک اللہ ان سب کاموں سے جو تم کر رہے ہو خبر دار ہے۔

قرآن نے انصاف کرنے والے کو صراطِ مستقیم پر چلنے والا بتایا:

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لاَ يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُّ لاَ يَأْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَن يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔(سورۂ نحل: آیت ۷٦)

ترجمہ: اللہ رب العزت نے دو مردوں کی مثال بیان فرمائی، ان میں سے ایک گونگا ہے جو کسی شے پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر (صرف) بوجھ ہے (اس کا آقا) اسے جدھر بھیجتا ہے تو وہ کوئی خیر لے کر نہیں آتا تو کیا وہ اور "دوسرا جو عدل وانصاف کا حکم کرتا ہے وہ سیدھے راستے پر بھی ہے" کیا دونوں برابر ہیں؟۔

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا منصف ہے:

عدل فطری انصاف کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اس نے ہر چیز انصاف اور یگانگت پر بنائی۔ اس کی تخلیق میں کوئی چیز بیکار نہیں۔ مثلاً:

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ.(سورہ الفطار: آیت ۷)

ترجمہ: وہ جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر اعتدال والا کیا۔ اور سچ اور انصاف کے اعتبار سے تیرے رب کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یعنی قرآن پاک مکمل ہے اس کا کوئی پہلو نا تمام نہیں۔ قرآن پاک میں بتائی تمام باتیں حق اور سچائی پر مبنی ہیں۔ جو شرعی احکام قرآن پاک میں ہیں وہ ہر اعتبار سے عدل وانصاف پر مشتمل ہیں۔ قرآن پاک ہمیشہ کے لیے ہر طرح کی تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہے۔ ان آیات میں جو الفاظ ہیں وہ کائنات میں فطری انصاف کے معنیٰ کو ظاہر کرتے ہیں۔ قرآن انصاف کا حکم دیتا ہے اور سارے عالم کو فطری انصاف پر غور کرنے کو کہتا ہے اور ذاتی معاملات میں بھی دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے مثلاً مومن کو ایک وقت میں چار بیویوں کی اجازت دیتے وقت وہ اس کو متوقع ناانصافی سے آگاہ کرتا ہے جو وہ کر سکتا ہے اس لیے اسے صرف ایک بیوی پر قناعت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ وغیرہ۔

امین الکریم ﷺ سب سے اعلیٰ منصف:

اللہ رب العزت نے نبیوں کو مبعوث فرمانے کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا کہ دنیا میں عدل وانصاف قائم ہو۔ او پر سورۂ حدید کی مذکورہ آیت اور اس کے علاوہ بھی متعدد آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔کئی اہم واقعات کا ذکر بھی موجود ہے۔احادیث طیبہ کے ذخیرے میں بھی بہت صراحت کے ساتھ احکامات موجود ہیں، نیز آپ ﷺ کی سیرت میں بہت دلچسپ وسبق آموز واقعات موجود ہیں۔

ان سب روشن دلیلوں کے ساتھ آپ ﷺ کو دنیا کا سب سے اعلیٰ منصف کہنا بالکل سچ اور حق ہے۔جیسے علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو محسن انسانیت بولنا، لکھنا مناسب نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ آپ محسن کائنات ہیں۔علامہ راغب اصفہانی کے ان الفاظ کو اگر سونے سے لکھا جائے تو بھی کم ہے۔ٹھیک اسی طرح (ناچیز راقم کی رائے ہے کہ) آپ ﷺ کو (قاضی القضاۃ فی العالم,chief justice of world) کہنا،لکھنا آپ ﷺ کے شایانِ شان نہیں کیوں کہ قاضی یا chief justice کو دنیا کی حکومتیں یا حاکم انصاف کے لیے مقرر کرتا ہے۔آپ ﷺ کو احکم الحاکمین نے منصف اعلیٰ بنا کر مبعوث فرمایا تو ظاہری بات ہے کہ آپ اللہ کی جانب سے سارے عالم کے لیے منصفِ اعلیٰ ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کا انصاف ہمیشہ سب کے لیے آسان ومفید تھا۔عہد حاضر میں پرشکوہ عمارت کی تعمیر ومرمت، دیکھ بھال، ججوں اور وسیع عدالتی عملہ کی تنخواہوں، کورٹ کی فیسوں، وکیلوں کی فیسوں اور جو دیگر عدالتی اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں، اگر انھیں نظر انداز کر دیا جائے اور صرف اُصولوں، نظریات، قواعد وضوابط اور عدالتی طریقِ کار کا تقابل (موازنہ،compare) کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ عہد رسالت کا ’’نظام عدالت‘‘ آج سے کہیں زیادہ بہتر اور ترقی یافتہ،آسان، اصولوں پر مبنی،قواعد وضوابط اور عدالتی طریقِ کار پر مبنی تھا۔اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ مغربی نظامِ عدالت نے اصولی اور نظریاتی اعتبار سے اسلامی نظام عدالت کی نقل کی مگر اس نقل کا افسوس ناک پہلو یہ

ہے کہ مغرب نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔ یہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے بے انصافی اور بد دیانتی ہے۔

عہد حاضر میں اگر اسلامی نظام عدالت کو پوری طرح اپنایا جائے تو مغرب نے اسلامی نظریات اور عدالتی طریقِ کا پر جو پرشکوہ عمارت کا غلاف چڑھایا ہے ان کا پردہ چاک ہو جائے گا اور آپ ﷺ کے عدل وانصاف و اسلامی عدل وانصاف کے روشن و درخشاں اصول ظاہر ہوں گے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ عہد رسالت کے عدالتی فیصلوں کا مطالعہ کریں اور اسی طرح اپنے سماج میں عمل پیرا ہوں اور ساری دنیا کو بتائیں کہ آپ ﷺ کی سیرت پر عمل پیرا ہوکر ہی دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا جاسکتا ہے اور دنیا کو امن کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے کیوں کہ انصاف، ظلم کی ضد ہے۔ انصاف قائم ہوگا تو ظلم کا خاتمہ ہوگا اور یہ صرف اور صرف اسلام میں اور آقائے نعمت ورحمت ﷺ کی سیرت میں ملے گا اور کہیں نہیں۔

اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا ۔ نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلَّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا :۔

●●●

محسن کائنات ﷺ اور حقوق حیوانات

آج پوری دنیا حقوق انسانیت کے ڈھنڈورے پیٹ رہی ہے اور اس میدان میں ہر مذہب والے اپنے کو سب سے زیادہ حقوق انسانیت کا علم بردار بتا رہے ہیں، لیکن سچائی یہ ہے کہ اس دنیا میں محسن انسانیت بلکہ محسن کائنات ﷺ حضور کی ذات مقدسہ ہے۔ اسی لیے فقہاے کرام نے فرمایا کہ آپ کی ذات والا صفات کو فقط محسن انسانیت بتانا ناانصافی ہے۔ آپ محض محسن انسانیت ہی نہیں بلکہ محسن کائنات ہیں کیوں کہ آپ حقوق حیوانات کے بھی علم بردار ہیں اسی لیے صاحب ضحاک حضرت علامہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خالق عالم نے اس عظیم ہستی کو رحمۃ اللعالمین کا بجا اعزاز (لقب) عطا فرمایا، رحمۃ اللعالمین کے یہ الفاظ اگر سونے یعنی سنہرے حروف سے بھی لکھے جائیں تو بھی ان کا حق ادا نہ ہوگا اور تا قیامت ادا نہیں ہو سکتا۔''

رحمۃ اللعالمین ﷺ کی رحمت محض انسانوں تک محدود نہ تھی بلکہ آپ بے زبان جانوروں، پرندوں کے حق میں بھی فرشتۂ رحمت تھے۔ اگر کسی انسان ناطق پر سختی کی جائے تو وہ اس کا اظہار کر سکتا ہے لیکن بے زبان چرند و پرند ایسا نہیں کر سکتے اس لیے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے صحابہ کو یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم خدا کی اس بے زبان مخلوق پر ظلم اور زیادتی نہ کرو۔ دربار نبوی لگا ہوتھا۔ ایک صحابی مجلس میں آئے۔ انہوں نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا اس میں کیا ہے؟ صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جنگل سے گزر رہا تھا کہ ایک جھاڑی میں سے چڑیا کے بچوں کی آواز آئی

، میں ان کو وہاں سے اُٹھا کر لے آیا ہوں۔رسول مقبول رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔جاؤ، اسی وقت یہ بچے اس جھاڑی میں رکھ آؤ۔ بچوں کی ماں کو سخت تکلیف ہورہی ہوگی۔

رحمت عالم ﷺ جب بھی راستے سے گزرتے اور کسی کو اپنے جانوروں پر ناجائز سختی کرتے ہوئے دیکھتے تو آپ اسے منع فرمادیتے اور منع کرتے کہ ان بے زبان جانوروں پر سختی کرنا اچھا نہیں ہے۔انسان اپنے عزیزوں اور ہم جنسوں کے لیے رحم دل ہوسکتا ہے لیکن غیر جنس اور بے زبان جانوروں کے لیے اتنا سوز وگداز اور پُرشفقت دل رکھنا رحمت دوعالم ﷺ کی شان رحمۃ اللعالمین کا ہی خاصہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

لوگو!ان بے زبان جانوروں، چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔

ایک موقع پر ایک انصاری صحابی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

کیا تو اس چوپائے کے بارے میں خدائے پاک سے نہیں ڈرتا؟ جسے اللہ نے تیری ملکیت میں دے دیا ہے کیوں کہ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے تو اسے بھوکا رکھتا ہے۔واضح رہے کہ اُونٹ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روتے ہوئے یہ شکایت کی تھی۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ ہر جاندار کو کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔ایک بار آپ راستے سے گزر رہے تھے کہ آپ کی نگاہِ رحمت ایک گدھے پر پڑی جس کہ منھ پر مارے جانے کی نشانی نمایاں تھے(یعنی سوجن نمایاں تھی) آپ سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا:

''ملعون ہے وہ شخص جو ان جانوروں کے منھ پر مارتا ہے۔''

ان تاریخ ساز جملوں اور ارشادات کی روشنی میں آپ کو صرف محسن انسانیت کہنا مناسب نہیں، حقیقتاً آپ محسن کائنات رحمۃ اللعالمین ہیں۔ چنانچہ محمد عربی ﷺ کے مندرجات کلمات کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہا نے اس نکتے کو موضوع بحث بنایا ہے کہ حیوانات کس کے ملک میں ہوں، ان کی کفالت کس پر واجب ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ'' مالک پر اپنے حیوانات یعنی جانوروں کا نفقہ دینا واجب ہے''۔مالکی فقہ کے مشہور عالم ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم کی موافقت فرمائی ہے اور

حضرت امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل کا قول ہے کہ ان کی کفالت واجب ہے کیوں کہ جانور بھی ذی روح ہیں، اس کی حفاظت بھی انسان کی طرح واجب ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مروی ہے اور حضرت امام طحاوی اور کمال ابن ہشام نے اس کو ترجیح دی ہے۔

فقہ کی کتابیں حقوق حیوانات سے بھری ہوئیں ہیں چنانچہ حضرت امام مالک، شافعی اور ابو یوسف حدیث کے حوالے سے Quote نقل فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

(۱) اگر مالک اپنے جانوروں، حیوانات پر خرچ کرنے سے انکار کردے تو اس سے کہا جائے گا یا تو ان جانوروں کو چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دو جس سے وہ بقدر ضرورت چر لیں یا ان جانوروں کو مالک بیچ دے، یا اگر حلال جانور ہو تو اسے ذبح کردے (بھوکا نہ رکھے)۔

(۲) فقہائے کرام، مفسرین کرام، علمائے کرام کا یہ ارشاد ہے کہ جانور کا تمام دودھ نکال لینا جب کی اس جانور کا چھوٹا بچہ ہو جائز نہیں، ہاں اگر بچے کی خوراک بھر دودھ چھوڑ کر اضافی دودھ نکال سکتے ہیں۔

(۳) جو لوگ شہد کا کاروبار کرتے ہیں اور اس کے لیے باقاعدہ شہد کی مکھیاں پالتے ہیں تو ان کے لیے بھی اسلامی شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کے چھتے میں کچھ شہد رہنے دیں جو، ان کی خوراک کے بقدر کفایت ہو جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکیں۔

(۴) ریشم کا کپڑا بنانے والے ریشم کے کیڑے کے لیے شہتوت کے پتے کا انتظام کریں تا کہ اس کی غذا کی ضرورت پوری ہو یا پھر اس ریشم کے کیڑے کو شہتوت کے درخت پر پتے کھانے کے لیے چھوڑ دیں تا کہ یہ ہلاکت سے بچا رہے۔

(۵) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کتابوں میں آیا ہے کہ ان کی بخشش ایک مکھی یا ایک چیونٹی کو اپنے قلم کی روشنائی کے پانی سے سیراب یعنی اس کی پیاس بجھانے کی وجہ سے ہوئی۔

(۶) ایک حدیث شریف میں گزشتہ امتوں میں سے ایک عورت کا محض اس وجہ سے

جہنم رسید ہونا فرمایا گیا ہے کہ اس نے ایک بلی کو بھوکا پیاسا رکھا جس سے اس کی موت ہوگئی۔ اس کے برعکس ایک طوائف کو جنت صرف اس لیے ملی کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

(۷) جلیل القدر امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اُونٹوں کو خود پانی پلاتے اور فرماتے یہ میری ملکیت میں ہیں۔خدائے بزرگ برتر ہم سے باز پُرس فرمائے گا۔آپ کا ہی مشہور ارشاد گرامی ہے کہ اگر دریائے فرات کے ساحل پر کوئی کتا اور دوسری روایت میں ہے کوئی بکری بھوک سے مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں باز پُرس اور جواب طلبی ہوگی۔

(۸) تاریخ میں ملتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں ڈرتا ہو کہ میری حکومت میں اگر کوئی خارش زدہ (کھجلی والی) بکری مر جائے تو اللہ کے وہاں جواب دہ ہوں گا۔

جانوروں پر رحمت

اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رحمت عالم محسن کائنات ﷺ جنگل جا رہے تھے تو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صدا (آواز) آئی۔آپ نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک ہرنی بندھی ہوئی ہے اور ایک اعرابی شکاری سو رہا ہے۔آپ سے ہرنی نے فرمایا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس اعرابی نے دھوکے سے شکار کر لیا ہے۔یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے دو چھوٹے بچے ہیں جو اس پہاڑ پر بھوک سے رو رہے ہیں۔یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تھوڑی مہلت مل جائے تو دودھ پلا آؤں۔آپ نے فوراً ہرنی کو چھوڑ دیا۔اتنے میں اعرابی بیدار ہو کر کہنے لگا۔اگر میرا شکار واپس نہ آیا تو اچھا نہ ہوگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ہرنی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ واپس آ گئی۔اعرابی حیران رہ گیا اور آپ کی بے پایاں رحمت دیکھ کر فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور ہرنی کو مع بچوں کے آزاد کر دیا۔ہرنی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ کلمۂ طیبہ پڑھتی ہوئی اور اُچھلتی کودتی چلی گئی۔(شفا شریف: جلد ۶ / صفحہ ۷۶، طبرانی، بیہقی شریف، حجۃ اللہ شریف صفحہ ۴۶۱)

یک اُونٹ نے آپ کو سجدہ کر کے روتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرا مالک مجھ پر بہت بوجھ لادتا ہے اور چارہ یعنی کھانا کم دیتا ہے۔ آپ نے فوراً اس کے مالک کو بلا کر کہا کہ اس پر بوجھ کم لادو اور پیٹ بھر کھانا دیا کرو۔ (حجۃ اللہ شریف: جلد اول، صفحہ ۴۸۵)

آپ ﷺ کی رحمت و شفقت آسمان پر بھی ہے

وہ ہر عالم کے رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کی رحمت سے بہرور ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرئیل! تم کو میری رحمت سے کیا ملا ۔حضرت جبرئیل نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں سارے انبیاے کرام کے پاس وحی لاتا رہا اور زندگی کا ہر لمحہ عبادت الٰہی میں بسر کرتا رہا مگر میں شیطان کا انجام دیکھ کر اپنے خاتمے کے طرف سے مطمئن نہ تھا۔ جب آپ کے حضور وحی لے کر آنے لگا تو رب کریم نے یہ پیغام مسرت سنایا کہ مالک عرش کی طرف سے جبرئیل بارگاہ سبحانی میں صاحب مرتبہ ہیں، مقتدا اور امین ہیں۔ (پارہ ۳۰/رکوع ۶/) یا رسول اللہ ﷺ! اس کے بعد مجھے پورا اطمینان ہو گیا اور میرے نزدیک یہ رحمت ونعمت دوسری رحمتوں ونعمتوں سے افضل واعلیٰ ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کا یہ باب اس قدر وسیع اور حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا ہر پہلو اس قدر وسعت رکھتا ہے کہ انسانی فہم وادراک اس کے صحیح تصور سے قاصر ہیں۔ جس قدر غور کیا جائے اسی قدر اس بحر ناپیدا کنار کی وسعت بڑھتی جاتی ہے۔ قدم قدم پر رحمت وشفقت، محبت والفت اور حسن واحسان کے جلوے دیکھ کر انسانی روح محوِ رقص ہو جاتی ہے، وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور آنکھیں بے اختیار نمناک ہو جاتی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد

●●●

روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز تکلم

ضبط کروں میں کب تک آہ
چل میرے خامہ بسم اللہ

محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد وہی فرماتے تھے جو ان کے رب کریم کی مرضی ہوتی۔ جیسا کہ قرآن پاک میں صاف صاف ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ط اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى۔ (سورۂ نجم: آیت ۳-۴)

ترجمہ: اور وہ کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر جو وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

اس مفہوم کو شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

ہزار ہا ہزار جان سے ہم قربان اس انداز گفتگو پر جس کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لاکھوں لاکھ درود و سلام اس طرز گفتگو پر جس کو اللہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پسند فرمایا۔ اے سیرت کے جاں نثارو! محبوب کبریا فخر موجودات روحی فداک محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز گفتگو جاننا ہو تو قرآن پاک کا مطالعہ کرو جس ذات عالی صفات کی حمد و ثنا میں خود کلام ربانی ناطق ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

ترجمہ: اور بے شک تمہاری خو بڑی شان کی ہے۔ (سورۂ القلم: آیت ۴)

اور جس ہستی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (سورۂ حٰم سجدہ: آیت ۳-۴)

ترجمہ: برائی کو بھلائی سے ٹال۔

دوسری جگہ یوں مخاطب فرمایا:

وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (سورۂ نحل: آیت ۱۲۵)

ترجمہ: اوران سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔ (کنزالایمان)

ایسی پاک اور برگزیدہ ہستی کے انداز گفتگو کو کیسے کماحقہٗ بیان کیا جا سکتا ہے۔

تکلم، انسان کے علم، کردار اور مرتبے کو پوری طرح بے نقاب کر دیتا ہے۔ موضوعات اور الفاظ کا انتخاب، فقروں کی ساخت، آواز کا اتار چڑھاؤ، اسلوب اور بیان کا زور یہ ساری چیزیں واضح کر دیتی ہیں کہ متکلم کس پائے کی شخصیت کا علم بردار ہے۔ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گفتگو میں الفاظ اتنے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے کہ سننے والا آسانی سے یاد کر لیتا بلکہ الفاظ ساتھ ساتھ گنے جا سکتے تھے۔ اُمّ مَعبد نے کیا خوب تعریف بیان کی:

گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی، پروئے ہوئے الفاظ، نہ ضرورت سے زیادہ، نہ کم، نہ کوتاہ سخن، نہ طویل گو، مکروہ اور فحش اور غیر حیادرانہ کلمات سے تنفر تھا۔ گفتگو میں بالعموم مسکراہٹ شامل رہتی۔

عبداللہ ابن حارث کا بیان ہے کہ:

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ بات کرتے ہوئے بار بار آسمان کی طرف دیکھتے۔ گفتگو کے دوران میں کسی بات پر زور دینے کے لیے ٹیک سے اُٹھ کر سیدھے ہو بیٹھتے اور خاص جملوں کو بار بار دہراتے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے محسن کائنات کے انداز گفتگو کو کس قدر حسین اور جامع انداز میں بیان فرمایا:

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

سچ ہے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو فرمایا، اس سے انحراف ممکن نہیں۔ ایسی پاکیزہ و برگزیدہ ہستی کے انداز گفتگو کو کیسے کماحقہٗ بیان کیا جاسکتا ہے۔ حضور کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاق

ترجمہ: بے شک اخلاق کی خوبیاں پوری کرنے کے لیے میری بعثت ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے **جوامع الکلم** کا معجزہ عنایت فرمایا تھا جو عربوں کے دعویٔ فصاحت و بلاغت کا مسکت جواب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں:

اُوْتِيْتُ جَوَامِعُ الْكَلَمْ

ترجمہ: مجھے جوامع الکلم عطا کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختصر بات فرماتے یا کرتے تھے جس کے حروف کم ہوتے لیکن مفہوم اور معانی کثیر ہوا کرتے تھے۔ جو مضامین بڑے بڑے فصحا اور بلغا طول کی وجہ سے جس کی تفہیم سے عاجز آجاتے تھے۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند ہی کلمات میں حل فرماتے اور آپ کا دلکش انداز گفتگو جاہل سے جاہل قوم اور سرکش سے سرکش انسان کے دل کی گہرائیوں میں آپ کا کلام اُتر کر اپنا کام کر جاتا تھا۔ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی پیش کرنے میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مثال آپ تھے اور اسے خصوصی عطیات رب میں شمار کیا جاتا ہے۔

حدیثوں کے ذخیرے سے یہاں ہم چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہو۔

(۲) اَسْلِمْ تَسْلِمْ

تم اسلام لاؤ تو سلامتی پاؤ گے۔ (دعوتی خط بنام ہرقل روم)

(۳) انما الاعمال بالنیات

اعمال نیتوں پر منحصر ہیں۔

(۴) لیس للعامل من عملہ الا ما نواہ

کسی عمل کرنے والے کو اپنے عمل میں سے بجز اس کے کچھ نہیں ملتا ہے جو کچھ کہ اس

نے نیت کی ہے۔

(۵) الولد للفراش وللعاهر للحجر

بیٹا اس کا جس کے بستر پر (گھر میں) ولادت پائے اور زانی کے لیے پتھر۔

(۶) الحرب خدعته

جنگ چالوں سے لڑی جاتی ہے۔

(۷) المجالس بالاما نة

مجالس کے لیے امانت (رازداری) لازم ہے۔

(۸) ترك الشر صدقة

برائی سے باز آنا بھی صدقہ (نیکی) ہے۔

(۹) سید القوم خادمهم

قوم کا سردار وہ ہے جو اس کی خدمت کرے۔

(۱۰) کل ذی نعمة محسودا

ہر نعمت پانے والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

(۱۱) الكلمه الطيبة صدقة

حسن گفتار بھی ایک صدقہ (نیکی) ہے۔

(۱۲) من لا یرحم لا یُرحم

جو مخلوق پر (خصوصاً انسانوں پر) رحم نہیں کرتا اس پر (خدا کی بارگاہ سے) رحم نہ کیا جائے گا۔

احادیث اور سیرت کے ریکارڈ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اجزاے کلام ہیں وہ موتیوں کے سے معانی رکھتے ہیں۔

شمائل ترمذی، باب کیف کان کلام رسول اللہ، میں ہے کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں:

آقا ﷺ گفتگو فرماتے صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر۔ جو بھی خدمت اقدس میں بیٹھتا ،اس کو یاد کر لیتا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین با آسانی یاد کر لیتے تھے۔

حکیمانہ غور وفکر سے بھر پر ارشادت سے پورا پورا فائدہ صحابہ کرام اُٹھاتے تھے۔اسی کو قرآن میں سورۂ آل عمران میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

ترجمہ: تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوا اور اگر تُند مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہوجاتے۔(آیت نمبر ۱۵۹)

جو لوگ عظمت کا راز منھ بسورنے اور تیوری چڑھائے رکھنے میں سمجھتے ہیں، وہ سیرت پاک سے ناواقف اور درحقیقت جاہل ہوتے ہیں۔عظمت تو یہ ہے کہ قدموں میں دنیا کی دولت ہو اور تکبر کا نام ونشاں نہ ہو۔

الحمدللہ! ماہ ربیع الاول آ گیا۔ولادت پاک ۱۲/ربیع الاول دوشنبہ قبل طلوع آفتاب ۲۰/اپریل ۵۷۱ء موسم بہار آ گیا۔ ۱۴۴۲ سالوں سے یہ پیہم آرہا ہے اور تا بہ قیامت آتا رہے گا۔یہ مہینہ مسلمانوں کے لیے خوشیوں کی بہار ہے۔صرف اس لیے کہ اس مہینے میں دنیا کی خزان ضلالت ختم ہوگئی تھی اور کلمۂ حق کا موسم بہار ربیع الاول شروع ہوا تھا۔انسانیت کے سرتاج آقائے دوجہاں محسن کائنات ﷺ کی سیرت پر ہم سبھی مسلمانوں کو عمل کی سخت ضرورت ہے تا کہ دنیا میں امن قائم ہو۔لاکھوں درود وسلام ہوں مصطفی جان رحمت پر۔اللہ ہم تمام مسلمانوں پر کرم فرمائے اور سیرت رسول پر عمل کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

●●●

فتح مکہ: رحمت عالم ﷺ کا اخلاقِ کریمانہ اور شانِ عفو و درگزر

اللہ رب العزت کے لیے ہی تمام تعریف ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔ اسی نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے احکام بتائیں۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ کے دین کی بالادستی قائم ہو اور لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ انہیں پتا نہیں چلا کہ اللہ کی عبادت و فرماں برداری کیسے کی جاتی ہے۔ دنیا میں بہت سے پیغمبر آئے۔ انہوں نے اللہ کے بندوں تک اس کا پیغام پہنچایا اور اپنی زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا مگر کچھ عرصے بعد ان کی تعلیمات ختم ہوگئیں، یا ان میں بہت سی غلط باتوں کی آمیزش ہوگئی اور ان کی زندگی و تعلیمات کو لوگ بھلا بیٹھے۔ لیکن یہ امتیاز و اعجاز صرف رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ کا لایا ہوا پیغام قرآن مجید اسی شکل میں حرف بہ حرف محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اسی طرح آپ کی حیات طیبہ بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر پہلو حتی کہ جزویات تک آپ کی سیرت میں موجود ہے۔

آپ کی سیرت پر اتنی زیادہ کتابیں اور مضامین لکھے گئے ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ قرآن مجید میں آپ کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (سورۃ القلم: آیت ۴)

ترجمہ: اور بے شک تمہاری خو بو (خلق) بڑی شان کی ہے۔ (کنزالایمان)

آپ ﷺ کے طریقے کو اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں ایک بہترین نمونہ ہے

اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔ (کنزالایمان)

اس میں شک نہیں کہ آپ کی زندگی انسانیت کے لیے ایک نمونۂ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی خوبیوں کو قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ بے شمار خوبیوں میں رحمت للعالمین ہونا یہ سبھی کے لیے باعث رحمت و افتخار ہے۔

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رب نے فرمایا:

(ترجمہ) اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ (سورۃ الانبیاء: آیت نمبر ۱۰۷) (کنزالایمان)

صحیح مسلم میں ہے:

ایک موقع پر اصحابِ رسول ﷺ نے عرض کیا کہ آپ ان کافروں کے لیے بددعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت وہدایت ہوں۔''

آپ ﷺ کی نجی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ اپنے متعلقین اور اصحاب کے ساتھ لطف وکرم، محبت ومؤدت اور نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے مزاج میں سختی نام کو نہ تھی۔ یہاں تک کہ آپ اپنے دشمنوں پر شفقت ومحبت سے پیش آتے۔ سیرت رسول میں بہت سے واقعات موجود ہیں۔ بخاری شریف تیسری جلد باب المغازی میں ہے:

حضور ﷺ ایک جنگ سے واپس آئے اور ایک ببول کے درخت کے سائے میں قیلولہ فرمانے لگے۔ اتنے میں ایک اعرابی آیا۔ آپ ﷺ کی آنکھ کھلی تو دیکھا، اعرابی تلوار کھینچے ہوئے سرہانے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے: من یمنعك منی آپ کو ہم سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور حضور ﷺ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا: اب تو بتا کہ تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ پھر وہ کانپنے لگا اور لرزنے لگا، اور حضور ﷺ سے معذرت خواہ ہوا۔ پھر حضور ﷺ

نے اسے چھوڑ دیا اور معاف فرما دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم میں گیا اور کہنے لگا۔ میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس شخص نے آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ اور شان عفو و درگزر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور اسی کے سبب بہت سے افراد نے اسلام قبول کیا۔

سیرت رسول ﷺ میں ایسے انمول واقعات بہت سے ہیں۔ اسلام آپ ﷺ کے اخلاق و عفو و درگزر سے پھیلا ہے، تلوار کے زور سے نہیں۔ آپ ﷺ کی نرم مزاجی عفو و درگزر کو قرآن کریم نے جا بجا بیان کیا ہے اور اس وصف، خوبی (Quality) کو اللہ نے رحمت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ الخ ۔ (سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۱۵۹)

ترجمہ: تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوا اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ۔ (کنزالایمان)

فتح مکہ کون نہیں جانتا کہ اس دن رسول اللہ ﷺ کا عفو و درگزر کتنا اعلیٰ تھا۔ تمام تاریخوں میں اس واقعے کو آپ پائیں گے۔ صحابہ نے فرمایا: آج بدلہ لینے کا دن ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: آج معاف کرنے کا دن ہے اور آپ نے عام معافی کا اعلان فرمایا۔ آپ کے اس معافی کا اثر یہ ہوا کہ کثیر تعداد میں لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو کر کلمۂ توحید پڑھے۔ یہ تھا آپ کا اخلاقِ کریمانہ۔

بیعت رضوان:

فتح مکہ کی بنیاد تو بیعت رضوان یعنی صلح حدیبیہ کے دن ہی پڑ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فتح کی بشارت سنائی:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔

(ترجمہ) اے نبی ﷺ، ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی۔

آگے اور ارشاد باری ہے:

(ترجمہ) بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔ (سورۂ فتح: آیت ۱۸) (کنز الایمان)

صلح حدیبیہ دس سال کے لیے ہوئی تھی مگر ۶۳۰ عیسوی کے بالکل شروع میں مشرکین مکہ کے اتحادی قبیلہ بنوبکر نے مسلمانوں کے اتحادی بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور کئی آدمی قتل (شہید) کر دیے۔ اسی دوران مکہ کے مشرک قریش نے چہروں پر نقاب ڈال کر بنوبکر کی مدد کی مگر یہ بات راز نہ رہ سکی۔ یہ صلح حدیبیہ کا اختتام تھا۔ مسلمان اس وقت تک بہت طاقتور ہو چکے تھے۔ ابوسفیان نے بھانپ لیا تھا کہ اب مسلمان اس بات کا بدلہ لیں گے۔ اس لیے اس نے صلح کو جاری رکھنے کی کوشش کی۔ مدینہ طیبہ کا دورہ کیا۔ ابوسفیان اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر پہنچا، جو اسلام لے آئی تھیں اور حضور ﷺ کی زوجہ تھیں۔ جب اس نے بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت ام حبیبہ نے بستر اور چادر کو لپیٹ دیا اور ابوسفیان کو بیٹھنے نہ دیا۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ بستر کیوں لپیٹا گیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپ مشرک ہیں اور ناپاک ہیں اس لیے میں نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی جگہ بیٹھیں۔ ابوسفیان نے حضور ﷺ سے صلح کی تجدید کے لیے رجوع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی دوران قبیلہ بنوخزاعہ کے لوگوں نے حضور ﷺ سے مدد کی فریاد کی۔ بنوخزاعہ نے حضور ﷺ کے پاس اپنے ایک شاعر عمرو ابن خزاعہ کو بھیجا جس نے دردناک اشعار پڑھے اور بتایا کہ وہ ''وتیرۂ'' کے مقام پر رکوع وسجود میں مشغول تھے تو مشرکین مکہ نے ان پر حملہ کر دیا اور ہمارا قتل عام کیا۔ حضور ﷺ نے کہا ہم تمہاری مدد کریں گے۔

جنگ کی تیاری

حضور ﷺ نے روانگی کا مقصد بتائے بغیر اسلامی فوج کو تیار کیا اور مدینہ وقریبی قبائل

کے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا۔ لوگوں کے خیال میں صلح حدیبیہ ابھی قائم تھی۔ اس لیے کسی کے گمان میں نہ تھا کہ یہ تیاری مکہ جانے کے لیے ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ سے باہر جانے والے تمام راستوں میں نگرانی بٹھا دی تاکہ یہ خبر قریش مکہ کے جاسوس باہر نہ لے جاسکیں۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے خدایا! آنکھوں اور خبروں کو قریش سے پوشیدہ کر دے تاکہ ہم اچانک ان کے سروں پر ٹوٹ پڑیں۔ ۱۰/رمضان، ۸ھ کو روانگی ہوئی۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہاں جانا ہے۔ تیز رفتاری سے ایک ہفتے کے اندر مدینہ سے مکہ کا فاصلہ طے ہو گیا۔ مکہ سے کچھ فاصلے پر ''مرالظہر ان'' کے مقام پر لشکرِ اسلام خیمہ زن ہو گیا۔ لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ مکہ کا ارادہ ہے۔

جنگ

جنگ تو ہوئی نہیں۔ مختصر احوال یوں مطالعہ فرمائیں کہ مرالظہر ان کے مقام پر حضور ﷺ نے تاکید فرمائی۔ لشکر کو بکھیر (پھیلا) دیا جائے اور آگ جلائی جائے تاکہ قریش مکہ یہ سمجھیں کہ لشکر بہت بڑا ہے اور بری طرح ڈر جائیں اور اس طرح شاید بغیر خون ریزی کے مکہ فتح ہو جائے۔ یہ تدبیر کارگر رہی۔ مشرکین کے سردار ابوسفیان نے دور سے لشکر اسلام کو دیکھا۔ اس سے ایک شخص نے کہا کہ شاید یہ بنوخزاعہ کے لوگ ہیں جو بدلہ لینے آئے ہیں۔ ابو سفیان نے کہا نہیں، ان کے پاس اتنے لوگ کہاں۔ ابوسفیان حضور ﷺ سے پناہ لینے کے لے آپ کے چچا حضرت عباس کی پناہ میں چل پڑا۔ کچھ لوگوں نے اسے مارنا چاہا مگر چوں کہ عباس بن مطلب نے پناہ دے رکھی تھی اس لیے باز آئے۔ آقا ﷺ نے کہا کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ایک خدا کو تسلیم کرو اور تم یہ جانو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ اس پر ابوسفیان نے کہا مجھے اس میں تردد ہے کہ آپ رسول ہیں۔ اس کو پناہ دینے والے عباس بن مطلب سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا اگر تو اسلام نہ لایا تو تیری جان کی ضمانت نہیں۔ حضور ﷺ نے پورے لشکر کو اس کے سامنے سے گزارا۔ اس پر ہیبت بیٹھ گئی، مرعوب ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوسفیان لوگوں کو اطمینان دلاسکتا ہے کہ جو کوئی اس کی پناہ میں آجائے، امان پائے گا۔ جو شخص

اپنے ہتھیار رکھ کر اس کے گھر چلا جائے، دروازہ بند کر لے یا مسجد الحرام میں پناہ لے وہ سپاہِ اسلام سے محفوظ رہے گا۔

اس کے بعد ابو سفیان کو رہا کر دیا گیا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے مکہ جا کر اسلامی لشکر کی عظمت بتا کر مکہ والوں کو خوب ڈرایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو چار دستوں میں تقسیم کیا اور مختلف سمتوں سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ جو تم سے لڑے، اس کے علاوہ کسی سے جنگ نہ کرنا۔ چاروں طرف سے شہر گھر گیا اور مشرکین کے پاس ہتھیار ڈالنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ بچا۔ صرف ایک چھوٹے سے گروہ نے لڑائی کی جس میں صفوان بن امیہ بن ابی خلف اور عکرمہ بن ابی جہل شامل تھے۔ ان کا ٹکراؤ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت والے دستے سے ہوا۔ مشرکین کے ۲۸ر آدمی انتہائی ذلت سے مارے گئے۔ لشکر اسلام انتہائی فاتحانہ طریقے سے شہر مکہ میں داخل ہوا، جہاں سے آٹھ سال پہلے حضور ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی تھی۔ کچھ آرام کے بعد حضور ﷺ مجاہدین کے ہمراہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کعبہ پر نظر پڑتے ہی گھوڑے پر سواری کی ہی حالت میں حجر اسود کو بوسہ دیا۔ آپ ﷺ تکبیر بلند کرتے تھے اور لشکر اسلام آپ ﷺ کے جواب میں تکبیر بلند کرتا۔ کعبہ میں داخل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تمام تصاویر کو نکال دیا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر بھی شامل تھی اور تمام بتوں کو توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنے مبارک کاندھوں پر سوار کیا اور بتوں کو توڑنے کا حکم دیا اور اپنے ہاتھوں سے بھی توڑتے رہے۔ یہاں تک کہ کعبہ کو شرک کی تمام غلاظتوں سے پاک کر دیا۔ فتح مکہ بھی ماہ رمضان جیسے مبارک مہینے میں ہوا۔ ۲۰ر رمضان المبارک ۸ر ہجری بمطابق جنوری ۶۳۰ عیسوی کو ہوا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۔ ترجمہ: اے نبی ﷺ ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی۔

اس موقع پر آپ ﷺ اپنی مبارک زبان سے یہ کہتے جاتے تھے:

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔

(سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۸۱)

ترجمہ: اور فرماؤ حق آیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔(کنزالایمان)

ایک صحابی رسول عبداللہ بن رواحہ نعتیہ اشعار پڑھ رہے تھے۔آج مکہ پر ستارہ صبح طلوع ہوا ہے۔آج ہمارے درمیان ہمارے نبی ﷺ ہیں جو خدا کی کتاب کی آیات تلاوت کرتا ہے۔آج ہم ان سے بدلہ لیں گے جنہوں نے ہمارے نبی ﷺ کو جلا وطنی پر مجبور کیا تھا۔ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: نہیں آج اہلِ مکہ کو امن و آزادی کی بشارت ملنے والی ہے۔آپ نے عام معافی کا اعلان فرمایا۔عام معافی کے اعلان نے دشمنوں پر ایسے اثرات ڈالے کہ وہی خون کے پیاسے دین کے بدترین دشمن سب آپ پر ایمان لے آئے۔آپ پر جان چھڑکنے لگے۔ایسے پاک باز اور خدا ترس اور ایسے عاشق رسول بن گئے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔یہ آقا ﷺ کا اخلاقِ کریمانہ تھا۔لہٰذا ہم تمام امتیوں کو آقا ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے حسن اخلاق اور عفو و درگزر کو اختیار کرنا چاہیے۔اللہ ہم تمام کو توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

●●●

امن عالم کے لیے اسلامی سزائیں ضروری

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے سے سرفراز فرمایا اور اس کی جان و مال، عزت و آبرو (عصمت، ناموس، پاک دامنی) کی حفاظت کے قوانین بھی بتائے اور فرمایا کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، امن وسکون سے رہو۔ قرآن کریم اس کے لیے واضح حکم دے رہا ہے:

(ترجمہ) بیشک جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے پھرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خوں ریزی، رہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا (وطن کی) زمین میں (چلنے پھرنے) سے دور یعنی قید یا ملک بدر کر دیئے جائیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کر دیئے جائیں۔ یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، مگر وہ جنھوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ مائدہ: آیت نمبر ۳۳ سے ۳۴ تک)

فساد فی الارض کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ چند اہم باتیں ملاحظہ فرمائیں۔ فساد فی الارض کو اللہ رب العزت نے اللہ و رسول سے جنگ قرار دیا ہے۔ یوں تو قرآن کریم میں چار جرم ایسے آتے ہیں جو حدود (شرعی احکام کے مطابق سزا دینا) کے درجے میں آتے ہیں وہ جرم ہیں:

(۱) زنا، (۲) چوری (۳) رہزنی (ڈکیتی)، (۴) کسی پر بدچلنی کا بہتان لگانا۔

یاد رہے کہ فساد فی الارض کی جو سزائیں بیان ہوئی ہیں، وہ صرف ڈکیتی کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ ان سب مجرموں کے لیے ہیں جو قانون سے بغاوت کرتے ہیں اور لوگوں

کی جان، مال، عزت وآبرو لوٹتے ہیں۔ چنانچہ قتل، دہشت گردی، زنا، زنا بالجبر (یاد رہے چاہے وہ نابالغ سے ہو یا بالغ سے ہو، زور زبردستی ہو یا راضی بہ رضا سے ہو) چوری، ڈاکہ بن جائے یا بدکاری (زنا) کو لوگ پیشہ بنالیں جیسا کہ موجودہ زمانے میں عام ہو گیا ہے یا کھلم کھلا اوباشی پر اتر آئیں یا اپنی آوارہ گردی، جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی عزت وآبرو کے لیے خطرہ بن جائیں یا انسانیت کے کاموں کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں یا اغوا، تخریب کاری اور سنگین جرائم سے حکومت اور عوام کے لیے امن وامان کا مسئلہ پیدا کریں تو یہ سب فساد فی الارض کے زمرے میں آئے گا اور مجرم کو جرم کی نوعیت کے مطابق قاضی، یا عدالت اس میں جو سزا مناسب سمجھے، وہ دے سکتی ہے۔ خیال رہے موت کی سزا قتل اور فساد فی الارض کی سزا قتل کے سوا کسی اور جرم میں نہیں دی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ان دو جرائم کو چھوڑ کر فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی نہیں حاصل ہے کہ وہ کسی کے جان کے درپے ہو اور اسے قتل کرے۔ مزید جان کاری کے لیے اسلامی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

جرائم کی وبا

دور حاضر میں جرائم نے ایک وبا کی صورت اختیار کر لی ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ جرائم سے محفوظ نہیں ہے۔ تمام ممالک خواہ ترقی یافتہ ہوں یا ترقی پذیر یا پس ماندہ، جرائم کی لپیٹ میں ہیں۔ جرائم کا دائرہ تمام طبقات تک وسیع ہے۔ خود ہمارا ملک ہندوستان بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے حتی کہ سپریم کورٹ کے ذریعے بھیجے گئے آفیسروں کو بھی جان سے مار دیا جا رہا ہے۔ ہماچل پردیش میں غیر قانونی ہوٹلوں کو منہدم کرانے گئی خاتون افسر شیر بالا کو گولی ماردی گئی اور وہ اسی وقت مر گئی۔ سپریم کورٹ نے سخت ناراضی کا اظہار کیا اور اسے شرمناک بتایا اور چیف جسٹس کے سامنے اس واقعے کو پیش کیا گیا۔ جب اتنے بڑے افسروں کی جان کی حفاظت نہیں ہو پا رہی ہے تو جرائم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہمارے ملک کا شمار دنیا کے ان چند گنے چنے ملکوں میں ہورہا ہے جہاں جرائم کا گراف بہت اونچا ہے۔ زنا بالجبر

کے معاملات میں ہندوستان کا نمبرے واں ہے جو کہ انتہائی شرم کی بات اور ارباب اقتدار اور تمام باشندوں کے لیے لمحہ فکر یہ ہے۔ اگر اب بھی نہ سوچا اور کچھ نہ کیا تو پھر ہم اپنی ہی لگائی آگ میں جل کر بھسم ہو جائیں گے اور آنے والی نسل و تاریخ بھی ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ کسی دن کا اخبار اٹھا کر دیکھیں، کوئی نیوز چینل کھولیں، دیکھ لیجیے زنا (rape) بلاتکار اور بعد میں اس کو مار دینا، قتل، چوری، ڈکیتی، اغوا، اسمگلنگ، لوٹ کھسوٹ، جنسی تشدد اور بڑی بڑی کمپنیوں کے دھوکہ دہی کی رپوٹوں سے بھرا رہتا ہے۔ ملک کے دانشوران اور ارباب حل وعقد جرائم کی کمی کی تدابیر ڈھونڈنے میں لگے ہیں، لیکن جرائم کم ہونے کے بجائے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ یہ حالات تقاضا کرتے ہیں کہ اسلام کے تعزیری قوانین کا تقابلی مطالعہ (comparing study) کیا جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ اسلامی قوانین جرائم کی کمی میں کس حد تک معاون ہیں۔ ان شاء اللہ اس کے بے شمار فوائد و نتائج حاصل ہوں گے۔

اسلام کے ماننے والوں اور اس کی ترجمانی کرنے والے علماے کرام پر بھی اس کی ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان قوانین کی اہمیت و افادیت کو بتائیں اور ان کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کریں۔ اسلامی شریعت میں جو احکام مسلمانوں کو اجتماعی یا انفرادی طور پر دیئے گئے ہیں ان کو اللہ رب العزت نے مقرر فرما دیا ہے۔ یہ سزائیں کیا ہیں؟ ان کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ ایک مقالے میں سب کا ذکر ممکن نہیں ہے، یہ تفصیل کا تقاضا کرتی ہیں۔ ابھی جو سب سے اہم مسئلہ ہے وہ کٹھوعہ کی ۸ رسالہ آصفہ کے ساتھ انتہائی درندگی کے ساتھ زنا کاری کے بعد بے دردی کے ساتھ قتل کر دینا اور اناؤ کی لڑکی کے ساتھ بی جے پی ایم ایل اے کلدیپ سنگھ سنگر کا ریپ کرنا اور بوڑھے باپ کو قتل کر دینے والا انتہائی شرمناک واقعہ ہے جس سے پوری دنیا میں ہندوستان کی بدنامی ہوئی۔ اس کی وجہ سے ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا سے آواز اٹھ رہی ہے کہ زانی کو پھانسی کی سزا دی جائے۔ ہندو، مسلمان تمام مذاہب کے لوگ یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں اس کا قانون بھی بنا دیا گیا ہے۔ عوام کے زبردست مطالبے کی وجہ سے مرکزی کابینہ نے ایک آرڈیننس صدر جمہوریہ ہند کو پیش کیا۔ اس کا مقصد تعزیرات ہند میں شامل، C R P C ، EVIDENCE

ACTاور POSCO ACT میں نظر ثانی اور ترمیم ہے۔اس کے مطابق اب ۱۲ رسال کی بچیوں کے ساتھ جنسی زیادتی کی پاداش میں سزائے موت کا نظم کیا جائے گا۔مرکزی حکو مت کا یہ قدم یقیناً قابل قدر ہے،لیکن افسوس اس میں نابالغ کا لفظ بڑھا کر ایک دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔عام طور پر جوان عورتوں کے ساتھ بھی اس طرح کی گھناؤنی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں۔ہندو مسلم فساد میں فسادی،عورتوں کی عزت لوٹتے ہیں۔گجرات،مظفر نگر یو پی وغیرہ میں کتنے ایسے شرمناک واقعات ہوئے ہیں جن کے کیس عدالتوں میں چل رہے ہیں۔کب انصاف ملے گا؟'' آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟'' کیا ان ظالموں کو پھانسی نہیں ہونی چاہیے جنھوں نے حاملہ عورت کی اجتماعی عصمت دری کی، پیٹ پھاڑ کر بچے کو نیزے میں لگا کر لہراتے رہے۔ان ظالموں کو بھی پھانسی ہونی چاہیے۔ان کو بھی قانون کے دائرے میں لانا چاہیے۔آواز دو انصاف کو؟

۱۲ رسال یعنی نابالغ کی قید لگا کر حکومت نے ادھورا قانون بنایا ہے۔بہر حال دیر آید درست آید۔کچھ تو ہوا لیکن کیا اس کا فیصلہ فاسٹ ٹریک کورٹ میں دو مہینے یا ٦ مہینے میں ممکن ہو سکے گا۔؟ جہاں عام کیس میں سالوں بلکہ آدھی زندگیاں بیت جانے کے بعد فیصلہ آتا ہے۔ کیسوں کی بھر مار اور عدلیہ میں ججوں کی کمی کی وجہ سے کیا زانی کو سزاے موت، پھانسی جلد ہونے پائے گی؟ پھانسی کے سیکڑوں مجرم ابھی بھی جیلوں میں قید ہیں۔کئی سال ہو گئے،کسی کو پھانسی کی سزا نہیں ملی ہے۔(یہ ایک الگ بحث و توجہ طلب معاملہ ہے) بہر حال زانی کو سزا ئے موت ہو،زیادہ تر لوگ یہی چاہتے ہیں۔

اسلام میں زانی کی سزا اور اس کی حکمت

زنا ایک انتہائی شرمناک اور گھناؤنی حرکت ہے۔عزت و ناموس،جان سے زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے۔زانی اور زانیہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ،زنا کی شرعی سزا وہی ہے جو قرآن مجید کی سورہ نور: آیت نمبر ۲۴،اور آیت نمبر ۲، ۳ میں بیان ہوئی ہے۔

(ترجمہ) جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمھیں ان پر

ترس نہ آئے، اللہ کے دین میں اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ اور پچھلے دن پر اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا گروہ حاضر ہو۔ (کنزالایمان)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں حمد وثنا کے بعد فرمایا:

لوگو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ اس کتاب اللہ میں رجم (پتھر مار مار کر مارنے) کے حکم کی آیت ہے جسے ہم نے تلاوت کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ خود حضور ﷺ کے زمانے میں رجم ہوا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے بعد رجم کیا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کے اس فریضے کو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اتارا ہے، چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ (مسلم: حدیث نمبر ۴۴۱۸)

آج وہی زمانہ بلکہ اس سے بدتر زمانہ آ گیا ہے جس کی نشاندہی ایک جلیل القدر صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔ آج اسلامی سزا کو انسانوں پر ظلم بتایا جا رہا ہے اور نام نہاد دانشور بھی اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ فہرست لمبی ہے۔ اللہ ان گمراہوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔

زنا کی کثرت علامات قیامت میں سے ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا:

علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ (دینی) علم اٹھ جائے گا اور جہل ہی جہل ظاہر ہو جائے گا۔ (اعلانیہ) شراب پی جائے گی اور زنا پھیل جائے گا۔ (بخاری: باب، علم کے زوال اور جہل کی اشاعت کے بیان میں، حدیث نمبر ۸۰)۔

مخبر صادق ﷺ کی دونوں باتیں سچ ثابت ہو رہی ہیں۔ زنا عام ہو گیا ہے، شراب مسلم بستیوں میں عام طور پر پوچ میں بک رہی ہے اور قوم کا نوجوان اپنا مستقبل برباد کر رہا ہے اور اسٹیج کے جاہل مقرر بھی غیر ذمہ دارانہ بیانات سے عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ نے اپنے زمانے میں زنا کے بعض مجرموں کو رجم یعنی سنگ ساری کی سزا دی۔ یاد رہے کہ زنا کی سزا

کے لیے چار گواہوں کی جو شرط قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے، وہ زنا بالرضا کے لیے ہے۔ (یعنی دونوں کی رضا سے حرام کاری کرنا، جسے آج کورٹ زنا ہی نہیں مانتا) اس کا اطلاق زنا بالجبر پر نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اگر کوئی عورت اپنے خلاف زنا کی شکایت لے کر آتی ہے تو وہ قاذف (تہمت لگانے والی) نہیں بلکہ فریادی ہے۔ قانون اس کا پابند ہے کہ اس کی فریاد سنے اور جس شخص پر الزام لگایا گیا ہے، اس کا جرم جس طریقے سے بھی ثابت ہو جائے (جیسے آجکل ڈی این اے ٹسٹ وغیرہ) اس کو اس بربریت اور گھناؤنے جرم کی سزا ضرور دی جائے۔

جدید زمانے میں زانی کو پتہ لگانے کے بہت سے معتبر طریقے موجود ہیں جیسے نارکو ٹسٹ۔ وغیرہ وغیرہ۔ جو فارنسک رپورٹ میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی کا پتہ دے دیتی ہے۔ اگر ایمان داری سے کیا جائے جیسے کٹھوعہ آصفہ کے کیس میں جموں کشمیر کی فارنسک لیب نے گول مول کر دیا تھا لیکن ایمان دار پولیس آفیسر نے رپورٹ دہلی بھیج دی اور دہلی کی فارنسک لیب نے ۱۱ ر پیج کی رپورٹ میں سبھی مجرموں کی نشاندہی کر دی اور یہ کیس کی اہم کڑی ثابت ہوئی۔ (بھلا ہو دہلی کے ایمان دار ڈاکٹروں اور لیب کے ذمے داروں کا) آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ ظالموں کی پکڑ فرمائے۔

جو لوگ اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ، وحشیانہ اور غیر انسانی طریقہ بتاتے ہیں، ان کا اسلامی تعلیم سے دور دور تک واسطہ نہیں۔ انہیں اسلامی تعلیمات کا مطالعہ نہیں، وہ صرف اسلام سے بغض وعناد کی وجہ سے اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ وہ ذرا اپنے گریبانوں میں جھانکیں، وہ کتنا غیر انسانی اور وحشیانہ برتاؤ انسانوں پر کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔، ناگاساکی، ہیروشیما پر بمباری کر کے لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند سلا چکے ہیں اور لاکھوں آج بھی کراہ رہے ہیں۔ آج لیبیا، عراق، شام، افغانستان، قندوز، غوطہ وغیرہ کے دل دوز مناظر ان کو نہیں دکھائی پڑتے؟ اندھے ہیں کیا؟ یہ صرف اسلام دشمنی و مسلمان دشمنی ہے۔

اسلامی سزاؤں میں حالات و کوائف کا بڑا خیال و احترام کیا جاتا ہے۔ قاضی اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کی صورت حال کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ خود حضور ﷺ کے زمانے میں اور صحابہ کے زمانے میں کئی واقعات بڑے دل چسپ ہیں۔ ضرورت ہے

اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی۔ کہ شاید اتر جائے تیرے دل میں میری بات اے ساقی۔
ایک حدیث مطالعہ فرمائیں:

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: قحط سالی کے زمانے میں چوروں کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں، چنانچہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لا قطع فی زمن المجاع۔

قحط سالی کے زمانے میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں۔ (کنز العمال: ج ۳، ص ۷۹)

اس حدیث کی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمانۂ قحط سالی میں یہ سزا موقوف فرمادی۔ اسلام نے سزاؤں پر شہادت کا ضابطہ بڑا سخت اور مضبوط بنایا ہے۔ یہ دنیاوی کورٹ نہیں ہے جس میں جھوٹی قسمیں کھا کھا کر، جھوٹی گواہیاں دے کر دلا کر، گواہوں کو ڈرا کر دھمکا کر دولت مند لوگ اور دبنگ مجرم اپنے کو قانونی پکڑ سے بچا لیتے ہیں۔ آپ دن رات دیکھ رہے ہیں، چاہے وہ امت شاہ ہوں، اسیما نند جی ہوں، ملک کے سب سے بڑے عہدے پر فائز لوگ ہوں، مکہ مسجد بم بلاسٹ کے مجرم ہوں، سادھوی پراچی ہوں، ملک کے سب سے بڑے صوبے کے وزیر اعلیٰ یوگی جی ہوں جن کے اوپر ۳۶ سنگین جرم کے الزام لگے ہیں اور وہ وزیر اعلیٰ بنے ہوئے ہیں۔ ۱۵۰ سے زیادہ ارکان پارلیمنٹ کے اوپر سنگین الزامات ہیں مگر وہ سرکاری خزانے پر عیش کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ دنیا کی عدالتوں میں تو چل جا رہا ہے لیکن اللہ کے یہاں ممکن نہیں۔ اللہ رب العزت قادر مطلق ہے۔ سب کی پکڑ کی قوت رکھتا ہے، وہاں کسی پر بال کی نوک کے برابر ظلم نہیں ہوگا۔ قرآن کہتا ہے:

وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا۔ (سورۂ نساء: آیت ۴۹)

ترجمہ: اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ کے یہاں سب کے ساتھ برابر کا انصاف ہوگا۔

زنا انتہائی برا کام ہے

زنا نہ صرف مذہبی طور پر بری چیز ہے بلکہ سماجی طور پر بھی انتہائی غلیظ مانا جاتا ہے۔ اس

کے باوجود اتنے زیادہ واقعات کیوں ہو رہے ہیں۔اس کے جو عوامل ہیں،ان سے بھی عوام کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔اسلام اس کی پہلی سیڑھی سے ہی روک لگاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ)اور تم زنا(بدکاری) کے قریب بھی مت جانا بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے،اور بہت بری راہ ہے۔(سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۳۲)

بے حیائی ،فیشن کے نام پر ننگاپن ، ادھ ننگے جسم کے ساتھ آزادانہ گھومنا پھرنا،اخبارات سے لے کر ٹی وی تک اور اب تو ساری کسر موبائل نے پوری کر دی ہے، گندی تصویریں،فحش گانے،جنسی ہیجان پیدا کرنے والی فلمیں۔اس طرح کے عوامل سے انسانی دل و دماغ شہوت زدہ ہوجاتا ہے اور انسانی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔پھر انسان وہ کر بیٹھتا ہے جو اس کے اور سماج دونوں کے لیے شرم کا باعث ہوتا ہے۔تصوف کے امام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انسانی عقل کی نافرمان چیزوں میں غصہ سے بھی زیادہ نافرمان شہوت ہے۔ جب انسان شہوت زدہ ہوجاتا ہے تو اسے کچھ نہیں سمجھ میں آتا ہے۔وہ جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہو جاتا ہے، اور آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کیسے کیسے ذلت آمیز اور دل ہلا دینے والے واقعات ہو رہے ہیں۔آٹھ سالہ بچی آصفہ جب مر گئی تو اس کے بعد بھی ۶۵ سالہ بڈھے نے اس مری ہوئی بچی سے ریپ کیا،اس سے زیادہ شرم اور گری ہوئی اور کیا بات ہوسکتی ہے۔ زنا کے بعد جان سے مار دینا ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔اسی لیے کلام الٰہی میں زنا کے مجرموں کی سزا ''رجم'' (موت) اور قتل کے بدلے قتل کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ان سزاؤں کا مقصد محض جرم کا خاتمہ ہی نہیں کرنا ہے بلکہ دوسروں کے لیے عبرت ناک (نصیحت،خوف، سبق حاصل کرنا) بنانا ہے تاکہ دوسرے بھی دیکھ کر ڈریں۔موجودہ صورت حال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اسلام کے تعزیری قوانین (قوانین کا وہ مجموعہ جس میں جرائم کی تعریف اور ان کی سزاؤں کا مفصل بیان ہو)PENAL CODE کا مطالعہ کیا جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ اسلامی قوانین جو کہ حقیقت میں خدائی قوانین ہیں ،اس سے جرائم کو کم کرنے میں بہت مدد ملے گی۔اسلام کے علم برداروں خصوصاً علمائے کرام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی

ہے کہ وہ اسلامی قوانین کی اہمیت ومعنویت کو بتائیں اوران کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کریں۔ اسلامی قوانین آزمودہ ہیں۔ لمبے عرصے سے یہ ایک خطۂ زمین میں نافذ رہے ہیں اور دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ سماج میں ان کے اثرات کتنے بہتر رہے ہیں اور کیسا امن وامان کا دور رہا ہے۔حضرت عدی بن حاکم رضی اللہ عنہ جو ۹ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے،فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا:

''اے عدی! اگر تم کچھ عرصہ مزید زندہ رہے تو ضرور دیکھ لوگے کہ ایک عورت ''حیرہ'' سے سفر کر کے مکہ پہنچے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی۔ پورے سفر میں اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہ ہوگا۔'' حضرت عدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اس پیشن گوئی کو پورا ہوتے ہوئے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔(صحیح بخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام،حدیث نمبر ۳۵۹۵)

اللہ سے دعا ہے اللہ ہم سب کو اسلامی قوانین کے جاننے اوراس پر عمل کی توفیق دے اور زنا جیسے مہلک گناہ سے بچنے کی توفیق دے۔آمین۔

ہم پرورش لوح وقلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
ہاں تلخی ایام اور بھی بڑھے گی
ہاں اہل ستم مشق ستم کرتے رہیں گے
منظور یہ تلخی یہ ستم ہم کو گوارہ
دم ہے تو مداوائے علم کرتے رہیں گے
کھلی فضا میں چلوں اور سر اٹھائے رکھوں
مجھے بھی حق ہے کہ میں اختلاف رائے رکھوں

انھیں کے سر قلم ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں قلم ہوتا ہے،انھیں کی زبان کٹتی ہے جو منھ میں زبان رکھتے ہیں اور انھیں کے ہاتھ تراشے جاتے ہیں جن کے پاس دست ہنر ہوتا ہے۔ہم پرورش لوح وقلم کرتے رہیں گے۔ان شاءاللہ۔

دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟

اللہ رب العزت تمام خوبیوں کا مالک اور سارے جہان کا پالنہار ہے۔ اللہ غنی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاء (سورۂ محمد: آیت ۳۸)

ترجمہ: اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج۔ (کنز الایمان)

سارے بندے شاہ و گدا اللہ رب العزت کے محتاج ہیں۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں۔ وہی جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاء (سورۂ آل عمران: آیت ۷۳)

ترجمہ: تم فرمادو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے دے۔

دعا کی اہمیت و ضرورت

ہر شخص محتاج ہے۔ انسان کی محتاجی اور فقیری کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے رب سے اپنی حاجت و ضرورت کو مانگے اور اپنے کسی بھی عمل کے ذریعے اللہ رب العزت سے بے نیازی کا شائبہ بھی نہ ہونے دے کیوں کہ یہ مقامِ عبدیت اور دعا کے منافی ہے۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے اور دل سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (سورۂ زمر: آیت ۸)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کی روح اور اس کا مغز (گودا) ہے۔ (ترمذی)

رب تعالیٰ نے انبیاے کرام وصالحین اور اپنے بندوں کو نہ صرف دعا مانگنے کی تعلیم دی بلکہ دعا مانگنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

تمہارے پروردگار نے کہا کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

(سورۃ المومن: آیت نمبر ٦٠)

دعا کافروں کی بھی قبول ہوتی ہے

دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ کفار مصیبت میں پھنس کر دعا کرتے تھے۔ رب انہیں نجات دے دیتا تھا۔ (مفہوم سورۂ انعام: آیت ٦٣)

شیطان نے اپنی درازیِ عمر کی دعا مانگی جو قبول ہوئی۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: میں نے رب سے تین دعائیں کیں، ان میں سے دو قبول ہوئیں۔ ایک یہ کہ میری امت قحط سالی سے ہلاک نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ انہیں غرق (ڈوبا کر) بالکل تباہ نہ کیا جائے۔ یہ دونوں قبول ہوئیں۔ تیسرے یہ کہ آپس میں جنگ وجدال نہ ہو، یہ قبول نہ ہوئی۔

(تفسیر خزائن العرفان: صفحہ ٢١٥)

حضرت ابن عباس، ابوسعید، ابوموسیٰ اور حضرت ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے کہ حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں:

ترجمہ: انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سب اپنی اپنی دعا دنیا میں کر چکے ہیں اور میں نے آخرت کے لیے اٹھا رکھی ہے۔ وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے۔ قیامت کے دن میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اٹھے گی۔

(مسلم شریف: جلد ۱، ص ۱۱۳، باب اثبات الشفاعۃ۔۔۔الخ / بخاری: جلد ۲، صفحہ ۱۱۳۱ باب فی المشیۃ والارادۃ۔۔۔الخ بحوالہ فتاویٰ رضویہ: جلد ۱۱، صفحہ ۱۳۸، اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین)

حضور علیہ السلام نے روز قیامت شفاعت امت کے لیے ایک دعا محفوظ رکھی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور شفیع المذنبین ﷺ

فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے۔ میں نے دوتو دنیا میں عرض کر لی: اللھم اغفر لا متی اللھم اغفر الامتی۔ اللہ میری امت کی مغفرت فرما، اللہ میری امت کی مغفرت فرما اور تیسری عرض (دعا) اس دنیا کے لیے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الٰہی میری طرف نیاز مند ہوگی یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام وسلم وبارک علیہ۔(مسند احمد: صفحہ ۱۱۵)

اللہ سے دعا مانگنے کی تاکید اور نہ مانگنے پر غضبِ رب کی وعید

دعا عبادت کا مغز ہے اور دعا نہ مانگنے پر غضبِ الٰہی کی وعید ہے۔(القرآن)

دعا کا مطلب ہے: مانگنا، دعا کرنا۔ اصطلاح میں دعا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ سے حاجت طلب کرنا۔ دعا کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث پاک سے بھی ہوتا ہے:

اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعِمَادُالدِّیْنِ وَنُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض۔

ترجمہ: دعا مومن کا ہتھیار ہے، دین کا ستون ہے اور آسمان وزمین کی روشنی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ رب العزت جنت میں ایک شخص کا درجہ بلند فرمائے گا۔ وہ دریافت کرے گا، اے میرے رب! میرا یہ درجہ کس وجہ سے بلند کیا گیا؟ اللہ سبحانہ تعالیٰ جواب دے گا: تمہارا یہ درجہ تمہاری اولاد کے تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرنے کی وجہ سے ہوا۔

(مسند احمد بن حنبل: حدیث نمبر ۱۰۶۱۸، دعا مانگنے کے باب میں)

حدیث میں ہے: من لم یدع اللہ غضب علیہ

ترجمہ: جو اللہ سے دعا نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ: جلد ۱۱، صفحہ ۱۷۵۔ کنز العمال: جلد ۲، صفحہ ۴۲)

دعا مانگنے سے جس کے مقدر میں جو لکھا ہے اس کے لیے وہی راہ آسان ہوجاتی ہے اور اس کے اسباب مہیا ہوجاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوزخی جنتی سب لکھے

ہوئے ہیں۔صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! پھر ہم عمل کاہے کو کریں، ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھیں کہ جو سعید ہیں آپ ہی سعید ہوں گے اور جو شقی (بدبخت) ناچار شقاوت پائیں گے۔ فرمایا: نہیں، بلکہ عمل کیے جاؤ کہ ہر ایک جس گھر کے لیے بنا ہے۔اسی کا راستہ اسے سہل آسان کر دیتے ہیں۔سعید (نیک) کو اعمال سعادت کا اور شقی کو افعالِ شقاوت کا۔پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی۔۔۔الخ

(بخاری: جلد ۲،صفحہ ۹۳۵، باب قولہ وکان امراللہ قدر۔الخ۔مسلم شریف: جلد ۲،صفحہ ۳۳۳۲۔ترمذی: جلد ۲،صفحہ ۹۳۵،ابواب القدر باب ماجاء فی الشقاء والسعادۃ۔فتاویٰ رضویہ: جلد ۱۱،صفحہ ۷۷)

دعا کی تاثیر

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

تقدیر کے آگے احتیاط کی کچھ نہیں چلتی اور دعا اس بلا سے جو اترتی آئی اور جو ابھی نہیں اتری دونوں سے نفع دیتی ہے اور بے شک بلا اترتی ہے اور دعا اس بلا سے جا ملتی ہے۔دونوں قیامت تک کشتی لڑتی رہتی ہیں یعنی بلا کتنا ہی اترنا چاہے دعا اسے اترنے نہیں دیتی۔

(ترمذی۔ابن ماجہ۔حاکم۔بسند حسن سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، الترغیب والترہیب: جلد ۲،صفحہ ۴۸۲، الترغیب فی کثرۃ الدعا)

مومن کی دعا کی قبولیت میں تاخیر کی وجہ

فقید المثال حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مثنوی شریف میں انتہائی دل چسپ اور سبق آموز واقعہ تحریر فرمایا ہے۔پڑھیں اور عبرت حاصل کریں۔

بندۂ مومن جب اللہ کی بارگاہ میں دعا مانگ رہا ہوتا ہے، اس وقت فرشتے بارگاہِ باری تعالیٰ میں عرض کرتے ہیں کہ اللہ! تیرا فلاں بندہ دعا میں رو رہا ہے، تو جب غیروں کو عطا کرتا ہے تو اس مومن کو دینے میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جواب دیتا ہے کہ یہ تاخیر (دیر) اس لیے نہیں کہ ہم اسے حقیر سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو اس کی ایک مدد ہے۔اس کا رونا

ہمیں پسند ہے اور اس تاخیر میں اس کی عزت و رتبہ بڑھا رہا ہوں۔ اس کی ضرورت نے اسے ہماری طرف متوجہ کیا اور وہ مجھ سے مانگ رہا ہے۔ اگر اس کی ضرورت جلد قبول کر لی جائے تو یہ بندہ ضرورت پوری ہوتے ہی ہم سے رخصت ہو جائے گا اور کھیل کود اور دنیا میں لگ جائے گا۔ وہ ابھی دل سے ہمیں پکار رہا ہے، اس کی آواز اور اس کا یا خدا کہنا ہمیں بہت پسند ہے۔

مومن کی خوبیوں کی وجہ سے یہ دنیا اس کے لیے قید خانہ ہے اور کافروں کی برائیوں کی وجہ سے یہ دنیا ان کے لیے جنت اور باغ ہے جس میں وہ کھلے چرتے، کھاتے پیتے ہیں۔ مومن کی دعا کی قبولیت میں تاخیر کی وجہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت اس کو دعا کے ساتھ اپنی جانب مصروف رکھنا چاہتا ہے۔

خزانے کا پتہ حکمتِ الٰہی

میراث والے ایک شخص نے گریہ وزاری (آہ و بکا) سے اللہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ہاتف (غیب کی آواز دینے والا فرشتہ) نے غیب سے آواز دی کہ تجھے خزانہ مصر میں ملے گا اور اسے خزانے کی جگہ کا پتہ بھی بتا دیا۔ وہ شخص مصر پہنچا تو رات کے وقت آوارہ گردی میں گرفتار کر لیا گیا۔ کوتوال نے اسے خوب مارا لیکن اس کے بعد اس کی مشکل حل ہو گئی۔ اس نے کہا میں مصری نہیں ہوں، مجھے نہ مارو، میں اپنے صحیح حالات بتاتا ہوں۔ اس نے کہا میں مصری نہیں ہوں اور نہ ہی چور ہوں۔ بات سچی تھی اور سچائی سننے والے کے دل میں اطمینان پیدا کر دیتی ہے۔ اس کی باتوں سے اس کی اندرونی تکلیف کا پتہ چلتا تھا۔ اس کی درد بھری داستان سن کر کوتوال رو پڑا۔ کوتوال نے پردیسی سے کہا: تو بے وقوف ہے کہ ایک خواب کے پیچھے بغداد سے یہاں آ گیا۔ میں نے کئی بار خواب دیکھا کہ خزانہ بغداد میں ہے۔ کوتوال نے خزانے کا پورا پتہ بتا دیا جو کہ اس شخص کے گھر کا پتہ تھا۔ کوتوال (وہ داروغہ جس کے تحت کئی تھانے ہوتے ہیں) نے کہا کہ میں نے یہ خواب بار بار دیکھا ہے لیکن میں بغداد نہیں گیا۔ تیری یہ بے وقوفی ہے کہ خواب پر اتنی دور چلا آیا۔ ناقص عقل کے خواب بھی قابلِ بھروسہ نہیں ہوتے۔ کوتوال کا خواب سن کر اس نے اپنے آپ سے کہا کہ جب خزانہ خود میرے گھر میں ہے تو میں یہاں غریبی کی حالت میں کیوں پھر رہا ہوں۔ یہ

سب میری غفلت کا نتیجہ ہے۔اس نے سوچا خزانے کا ملنا کوتوال کی مار پر موقوف (رکا ہوا) تھا ۔ویسے میرے پاس سب کچھ تھا۔وہ مجھے احمق کیوں سمجھتا ہے۔کوتوال کی بات سننے کے بعد وہ بغداد کی جانب روانہ ہوگیا۔وہ راستے بھر حیران رہا کہ اللہ نے کہاں کا امیدوار بنایا اور کہاں عطا فرمایا۔اس میں کیا حکمت تھی کہ مجھے وطن سے بے وطن کیا اور اتنی مشقت میں ڈالا اور پھر خزانے کا پتہ بتا دیا۔میری اس گمراہی کو محنت ومشقت کرا کر کامیابی کا ذریعہ بنا دیا۔مصر میں کوتوال کے ہاتھوں پٹوایا اور اسی کوتوال کو خزانے کا وسیلہ بنا دیا۔اس شخص نے بغداد آ کر خواب کے مطابق گھر کھودا تو اسے خزانہ مل گیا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ اس پر واضح ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ بعض وقت نقصان دہ باتوں میں نفع پوشیدہ کر دیتا ہے۔

چوں کہ خزانہ گمان کے خلاف حاصل ہوا تو اس سے انسان کا خدا پر بھروسہ بڑھتا ہے اور اسباب کو مستقل نہیں سمجھتا۔اللہ رب العزت بعض اوقات گمراہ انسان کو ہدایت عطا فرما کر ایمان کا سبب بنا دیتا ہے مگر انسان ہے کہ اللہ کی عطا اور بہت زیادہ احسان اور اپنی عبادت کے نتیجے میں بعض اوقات گمراہ ہوجاتا ہے۔اس لیے اللہ رب العزت نے یہ حکمت رکھی ہے کہ کوئی عبادت گزار خوفِ خدا سے خالی نہ رہے اور اپنی عبادت پر نازاں نہ ہو اور کوئی بدکار گناہ گار اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ برائی میں بھلائی کو اسی لیے مخفی کیا گیا ہے تا کہ اس کے اسم **ذو اللطف الخفی** (پوشیدہ مہربانی) کا مظہر سامنے آتا رہے کہ بخشنا اللہ کا مخفی لطف نہیں ہے۔گناہ گار کو بخشنا،نوازنا اللہ کا لطف خفی ہے۔یہ ہے اس کا کرم۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سبق آموز حکایت اللہ کے اس فرمان کی تشریح ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض اوقات جس چیز کو بندہ اچھی سمجھتا ہے وہ درحقیقت ہمارے لیے بری ہوتی ہے اور جس چیز کو ہم ظاہراً برا سمجھتے ہیں وہ درحقیقت ہمارے لیے بہتر ہوتی ہے۔

حکمتِ الٰہی

فرعون نے جادوگروں کو اس لیے جمع کیا تھا تا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو باطل کر

دیں لیکن یہی مکر الٹا ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گواہ عصا معتبر ثابت ہوا۔ فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا لیکن اس کی یہ حرکت بنی اسرائیل کے لیے باعث اطمینان ہو گئی اور وہ دریا کے پانی میں ڈوبا دیا گیا۔ اگر وہ مصر میں رہتا تو بنی اسرائیل کے لیے ہمیشہ دردسر بنا رہتا اور بنی اسرائیل ہمیشہ ڈرتے رہتے۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ جان لیا جائے کہ امن خوف میں پوشیدہ ہے۔ جس طرح امن خوف میں مخفی ہوتا ہے اسی طرح خوف بھی امن میں مخفی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے گیا۔ اللہ نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشابہ (ہم شکل) بنا دیا۔ قوم اسے عیسیٰ علیہ السلام سمجھی اور سولی پر چڑھا دیا۔ وہ کہتا رہا کہ میں عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوں لیکن اس کا یقین کون کرتا۔ قوم نے کہا یہ عیسیٰ علیہ السلام ہے، بہانہ بنا کر ہم سے چھوٹنا چاہتا ہے تا کہ جان بچ جائے۔ جو کام اس نے باعثِ امن سمجھا اس میں خوف پوشیدہ تھا۔ دنیا میں بہت سے واقعات ہوئے ہیں کہ انسان ان کو فائدہ مند سمجھتا ہے اور وہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔

دعاؤں کا قبول نہ ہونا

موجودہ دور میں ہماری دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا سبب ہمارے اوپر بدترین لوگوں کا تسلط ہے اور ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص دور دراز کا سفر کرے اور نہایت پریشانی و پراگندگی کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر یا رب یا رب کہتے ہوئے دعا کرے جبکہ اس کی غذا اور لباس سب حرام سے ہو اور حرام کی کمائی استعمال کرتا ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ (صحیح مسلم)

دعا کے وقت دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف حاضر اور متوجہ رکھنا ضروری ہے۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعا قبول نہیں کرتا جو صرف اوپری دل سے اور توجہ کے بغیر دعا مانگے۔ (ترمذی)

غرضیکہ دعا مانگنی چاہیے۔ کوئی بھی دعا فائدے سے خالی نہیں۔ اپنے گناہ و خطا پر نظر

کر کے دعا کو ترک نہ کرے کہ شیطان کی بھی دعا قبول ہوئی اور اسے قیامت تک مہلت ملی۔ کہتے ہیں کہ فرعون دن بھر خدائی کا دعویٰ کرتا اور رات کو دعا میں گریہ وزاری اور دعا میں مشغول رہتا۔ اسی سبب سے جاہ وحشم اور کمال وملک اس کا مدت تک قائم رہا۔ اے عزیزو! وہ ارحم الراحمین ہے۔ اس سے ناامید ہونا مسلمان کی شان نہیں۔ جو کافروں کو نعمت سے محروم نہیں رکھتا۔ مومن کو کب محروم کرے گا۔ جس کو یہ پسند ہو کہ مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے تو اس کو چاہیے کہ آسائش (آرام) کے وقت کی دعا کی کثرت کرے۔ (حدیث)

یہ شکوہ غلط ہے کہ دعائیں قبول نہیں ہوتیں، دعاؤں کی قبولیت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اول مانگنے والے کو عطا کر دیا جاتا ہے۔

(۲) یا پھر دوسری صورت میں اس دعا کے بدلے کسی مصیبت کو دور کر دیا جاتا ہے

(۳) یا پھر اس دعا بدلے اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر عظیم عطا کرتا ہے۔

اسی لیے اپنے حق میں ہر دعا مانگنی چاہیے اور بار بار مانگنی چاہیے کیوں کہ رضاے الٰہی سے یہ دعائیں اس دنیا میں بھی ہمارا دفاع کرتی ہیں اور آخرت میں بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر انسان گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ جلد بازی نہ کرے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہنے لگے میں نے بہت دعا کی لیکن لگتا ہے میری دعا قبول نہیں ہوئی، چنانچہ ناامید ہو کر دعا چھوڑ دے۔ (مسلم)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(مفہوم) اے لوگو! تمہارے دل آٹھ چیزوں سے مردہ ہو گئے ہیں تو پھر دعائیں کیسے قبول ہوں۔ (۱) تم نے خدا کی معرفت حاصل نہیں کی (۲) تم نے محبت رسول ﷺ کا دعویٰ کیا مگر سنتوں پر عمل نہ کیا (۳) تم نے موت کو برحق جانا مگر اس کے لیے تیاری نہ کی (۴) تم نے اللہ کی نعمتیں کھائیں مگر اس کا شکر ادا نہ کیا (۵) تم نے قرآن مجید پڑھا مگر اس پر عمل نہ کیا (۶) تم نے عداوت شیطان کا دعویٰ کیا مگر اس کی مخالفت نہ کی (۷) تم نے دوسروں کی عیب جوئی کی مگر اپنے عیب نہ دیکھے (۸) تم نے مردوں کو دفن کیا مگر عبرت حاصل نہ کی۔

قبروں کو ڈھاتے ہو اور بڑے بڑے محلات تعمیر کرتے ہو، مال جمع کرتے ہو مگر حساب دینے سے غافل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق دے اللہ ہم سب کو دعا کی اہمیت وفضیلت اور آداب جاننے اور دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

●●●

مومن کو ستانا پہاڑ سے بھی بڑا گناہ ہے!

مسلم معاشرے میں آج انگنت برائیاں سرایت کر گئی ہیں، ایک دو ہوں تو گنایا جائے، دو چار دس ہوں تو اس کا رونا رویا جائے۔ دین سے دوری اور سماجی برائیاں تو شباب پر ہیں۔ اللہ خیر فرمائے، آمین۔ اہل علم خصوصاً علما کی ذمہ داری بنتی ہے کہ برائیوں کے سد باب کے لیے اپنی قوت کے مطابق کوشش جاری رکھیں۔ دنیا میں اسلام کے ماننے والے کتنے ہیں؟ یہ بات اہم نہیں ہے بلکہ اہم بات یہ ہوگی کہ مذہب کے ماننے والے لوگ، کیا اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہے ہیں؟ کیا یہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں؟ مذہب چاہے کوئی بھی ہو اس کے ماننے والوں میں بنیادی کردار ''انسانیت'' ہونا چاہیے۔ اگر آدمی انسان نہیں بنتا ہے تو معاشرہ جنگل میں بدل جاتا ہے۔ اگر لوگ من مانی کرنے لگیں گے تو مذہب کے لالے (دشوار ہونا، مشکل ہونا) پڑ جائیں گے۔ عبادت گاہیں تو کھلی رہیں گی، روحانیت غائب ہو جائے گی، عبادت گاہوں اور اس کے اطراف کا امن وسکون برباد ہو جائے گا۔ قرآن کریم میں انسانیت کی خدمت پر بہت زور دیا گیا ہے، انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے، مظلوموں کی مدد کرنے (خواہ وہ دوسرے مذہب کا ہی ہو) کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

(سورہ مائدہ: آیت نمبر ۳)

مطلب یہ کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ وظلم وزیادتی کے کاموں میں کسی کا تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کی سزا بہت سخت ہے۔

نبی رحمت ﷺ کا ظلم و زیادتی کے خلاف معاہدہ

آقا ﷺ نے ظاہری بعثت سے پہلے مظلوموں کی مدد کے لیے معاہدے فرمایا تھا۔ عرب میں لوگوں کی جان و مال، عزت محفوظ نہ تھی۔ ظالموں کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں تھا، ظلم ہوتا ہوا دیکھتے رہتے اور مظلوم کی مدد نہ کرتے، اسے روکنے والا کوئی نہ تھا۔ ظلم کا بازار گرم تھا اسے روکنے اور ٹھنڈا کرنے کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھتا تھا۔ حرم شریف مکہ جیسے شہر کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ اس صورت حال سے آپ کو بہت تکلیف، قلق، اور صدمہ ہوتا تھا اس لیے اسے رحمت عالم ﷺ نے بدلنا چاہا۔ آپ نے بعض درد مند کو مشورے کے لیے عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع کیا اور فیصلہ کیا کہ ظلم و زیادتی کو ہر قیمت پر روکا جائے چاہے اس کے لیے جو بھی قربانی دینی پڑے، دی جائے گی لیکن مظلوموں پر ظلم روکا جائے گا خواہ وہ شخص دوسرے مذہب کا ہی ہو، چاہے وہ مکہ کا رہنے والا ہو یا باہر سے آیا ہوا ہو، ظلم نہیں ہونے دیا جائے گا اور مظلوموں کی مدد کی جائے گی۔ آپ ﷺ اس معاہدے (Agreement) میں شریک تھے۔ یہ معاہدے آپ کی ظاہری بعثت سے پہلے ہوا تھا، لیکن بعثت کے بعد بھی آپ اس معاہدے کی تعریف کرتے ہوئے خوش ہوتے، آپ نے فرمایا:

''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اس معاہدے میں شریک ہوا، آپ نے فرمایا اس معاہدے کے عوض مجھے سرخ اونٹ (عرب کی سب سے قیمتی اور بڑی دولت) مل جائیں تو بھی پسند نہیں۔ اگر اسلام کے آنے کے بعد بھی مجھے اس کی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔'' (ابن سعد، طبقات: ج ۱، ص ۱۲۹/ ابن ہشام، سیرۃ النبی: ج ۱، ص ۱۴۴، ۱۴۵)

آپ ﷺ نے اس کی تعلیم دی کہ جو شخص بھی ہماری ہمدردی اور مدد کا محتاج ہو، اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں قرآن کریم اور احادیث کے ذخیرے میں بہت سی احادیث پاک موجود ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رحم اور ہمدردی تو اس شخص سے نکال دی جاتی ہے جو بد بخت ہے۔

(مسند احمد: ج ۲، ص ۳۰۱/ ترمذی: باب ما جاء فی رحمت الناس)

آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

تم میں بہترین شخص وہ ہے جس سے خیر کی توقع کی جائے اور جس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں اور تم میں بدتر ترین شخص وہ ہے جس سے خیر کی توقع نہ کی جائے اور جس کے شر سے لوگ محفوظ نہ رہیں۔(مسند احمد: ج ۲، ص ۳۶۸)

مومن کو ستانا اور توبہ نہ کرنا سخت عذاب کا باعث

مومن کو ستانے پر قرآن مجید میں سخت عذاب کی وعید (سزا دینے کا وعدہ، Warning) آئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ستایا پھر توبہ (بھی) نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب اور جلنے کا عذاب ہے۔(سورۃ البروج: آیت نمبر ۱۰)

آج مسلم سماج میں کم زوروں کو طرح طرح سے ستانا ایک عام بات ہوگئی ہے۔اس خرابی، برائی، کمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلانِ نبوت کے پہلے دور کیا تھا، افسوس آج اس طرف توجہ نہیں دی جارہی ہے۔ اگر کم زوروں میں کوئی کم نصیب شخص بے چارہ امام ہو تو پھر کیا کہنے، اس کو ستانے کے ساتھ ساتھ اس کی عزت کو ملیا میٹ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ بہت سے واقعات ایسے ہیں جو تحریر میں لانے کے لائق ہیں۔

بقرعید سے پہلے جمعہ ۱۷/اگست ۲۰۱۸ کو مدھیہ پردیش (انڈیا) کے ایک گاؤں چاند کھڑی، ضلع اندور کی مسجد میں بے چارے امام صاحب نے جمعہ کے خطبہ میں ''غیبت'' کے موضوع پر بیان فرمایا۔صف اول کے کسی مسلمان بھائی کو وہ بیان پسند نہیں آیا۔بس پھر کیا تھا، مصلیان کرام نے امام صاحب اور ان کے معصوم بچوں اور بیوی کو زبردست بارش میں گھر سے باہر نکال دیا اور ظلم کی حد پار کرتے ہوئے بے چارے امام کو گاؤں میں بھی نہیں رکنے دیا۔اسی بے بسی میں امام صاحب بس اسٹینڈ جا کر گھر جانے پر مجبور ہو گئے۔دو دن بقرعید کے باقی تھے، عید تک رکنے کی مہلت بھی نہیں دی ظالموں نے۔امام صاحب میرٹھ، یوپی کے رہنے والے تھے۔امام صاحب کی اہلیہ گود میں بچی کو لیے باپردہ کھڑی ہیں اور ۲/چھوٹی چھوٹی بچیاں بارش

میں بھیگ رہی ہیں اور زار وقطار رو رہی ہیں۔انتہائی شرم اور حیرت کی بات ہے۔گاؤں کے لوگ تماشہ دیکھ رہے ہیں، کسی کے اندر ایمانی حرارت نہیں جاگی کہ امام صاحب کی مدد کرے۔یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر بہت وائرل ہوا (ثبوت کے لیے ویڈیو ہم سے منگا کر دیکھ سکتے ہیں)۔

مذکورہ امام صاحب کے ساتھ یہ نازیبا اور انتہائی شرمناک سلوک کرنے والے مسجد کے مومنین کرام ہی ہیں۔امریکہ، اسرائیل یا کسی باطل حکومت یا اور لوگوں کا کام نہیں ہے۔ انسانیت سے گرا ہو، اس طرح کا کمینہ پن مسلمانوں کے دبنگوں نے کیا۔چور کی داڑھی میں تنکا۔ وہ قرآن کریم اور احادیث ، اللہ ورسول کی بات کو ہضم نہ کر سکے۔نزلہ عضوے بر ضعیف۔اپنی طاقت کا کا مظاہرہ کمزور امام پر کر کے دکھایا۔ایک سکنڈ کے لیے سوچیں، کیا غیبت کے احکام نازل فرمانے والا رب ذوالجلال والاکرام بھی امام صاحب کی طرح بے بس لاچار ومجبور ہے؟ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ ہزار بار توبہ) ہرگز ہرگز نہیں، وہ تو قادر مطلق ہے اور پکڑ کی طاقت رکھتا ہے۔قرآن کریم میں خدائے قہار وجبار کا اعلان ہے:

ترجمہ: اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمھارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو جسے چاہے بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ۲۸۴، کنزالایمان)

اللہ ضرور ظالموں کی پکڑ فرمائے گا۔ دل سے دعا ہے اللہ ظالموں کی جلد خبر لے اور عبرت ناک انجام سے دوچار کرے۔تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ اپنے نفس کا جائزہ لیں اور خود احتسابی کرتے ہوئے اپنے گریبان میں جھانکیں۔امریکہ، اسرائیل، آر ایس ایس ، بی جے پی کو برا کہہ کہہ کر وقت برباد نہ فرمائیں، اللہ کی طرف توبہ سے رجوع کریں اور امام و مؤذن کی عزت وتوقیر کریں۔ان ظالموں کا کیا حال ہے، معلوم نہیں ، اللہ ضرور ان کی پکڑ فرمائے گا ان شاء اللہ، لیکن مذکوہ امام صاحب کو دوسری جگہ مل گئی الحمدللہ۔

امام مؤذن کو ستانے والوں کے کئی عبرت ناک واقعات ہیں جو قابل ذکر ہیں۔مقالہ طویل ہونے کا خوف ہے پھر بھی ۲/واقعات مطالعہ فرمائیں:

ہمارے شہر جمشید پور کی ایک بڑی مسجد کے ایک ذمہ ار بے چارے مؤذن پر لعن وطعن

جاری رکھنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ مؤذن صاحب چھٹی پر گھر گئے اور آن جناب نے فون کر دیا کہ اب آپ واپس نہ آئیں ہم نے دوسرا مؤذن رکھ لیا ہے۔ بے چارے مؤذن صاحب واپس آئے اور اپنا سارا سامان لے کر جانے لگے تو لوگوں سے مصافحہ کیا تو اس گھمنڈی نے مصافحہ بھی نہیں کیا بلکہ ایک طنزیہ اور زہریلی مسکراہٹ سے اپنی خباثت کا اظہار بھی کیا۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی لیکن ایسی ضرب لگتی ہے کہ بڑے بڑے فرعونوں کی فرعونیت غرق ہو جاتی ہے۔ صرف تیسرے دن ہی آں جناب کے بیٹے جو کہ ایک گورمنٹ کی نوکری میں تھے، نوکری سے سسپنڈ کر دیئے گئے اور جیل یاترا بھی کرنے چلے گئے۔ اب آں جناب کو ہوش آیا اور مؤذن کو ستانے کا احساس ہوا مگر تیر کمان نکل چکا تھا، لیکن پھر بھی مؤذن صاحب نے اپنی شرافت کا مظاہرہ فرمایا اور ان کی معافی طلبی پر معاف فرما دیا۔

دوسرا واقعہ بھی بڑا عبرت ناک ہے جس کی پوری تفصیل کے لیے ناچیز کا مضمون ''مظلوم امام! بے حس عوام، احساس زیاں جاتا رہا'' نیٹ پر ضرور مطالعہ فرمائیں۔ امامت کا ۳۸/ سال کا تجربہ رکھنے والے امام، حضرت حافظ وقاری امام الدین صاحب، عمر ۵۵ سال، انتہائی شریف، کم سخن، پابند صوم وصلاۃ، مگن پور، ضلع رام گڈھ، جھارکھنڈ میں ۴/سال سے امامت فرما رہے تھے، اپنے وطن چھٹی پر گئے اور دوسرے دن کمیٹی کے ذمہ دار نے فون کر دیا کہ دوسرا امام رکھ لیا ہے، آپ کو آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بے چارے ہکا بکا رہ گئے اور صبر کا دامن تھام لیا۔ پھر کیا ہوا، ان کا صبر اس ظالم کے لیے ایسا قہر بنا کہ جائے عبرت ہے۔ اللہ پکڑ کی قوت رکھتا ہے اور ظالموں کو نہیں بخشتا۔

ظالم اور مظلوم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اللہ کسی (کی) بری بات کا بآواز بلند (ظاہراً وعلانیۃً) کہنا پسند نہیں فرماتا سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا (اسے ظالم کا ظلم کا آشکار کرنے کی اجازت ہے) اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ (سورۂ نساء: آیت نمبر ۱۴۷)

ظالم اور مظلوم دونوں کو احساس دلایا جا رہا ہے۔ ظالم یہ نہ سوچے کے اس کے مظالم کا کسی کو علم ہی نہیں اور دنیا کی کوئی عدالت اسے سزا دے نہیں سکتی یا دنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ ظالم کے کرتوتوں سے واقف ہے اور ظالم کی پکڑ کی قوت بھی رکھتا ہے۔ اللہ کی عدالت سے اسے سزا مل کر رہے گی۔ اور مظلوم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر کوئی دوسر تمھارا دادرسی نہیں کرتا تو صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تیرا فریادرس ہے، تیری مظلومیت اور بے کسی کا اسے خوب علم ہے اور وہ ضرور پکڑ فرمانے والا ہے۔

کعبہ کی عزت سے زیادہ مومن کی عزت

مومن کی عظمت وشان کا ذکر قرآن واحادیث میں موجود ہے۔ مومن کو ستانا گناہ عظیم ہے۔ مسلمان کو ستانے والے کو اللہ رسوا فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کی یہ حدیث اہل ایمان کے لیے کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے، بلند آواز سے پکارا اور فرمایا:

يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا...اَلْخ۔

ترجمہ: ''اے اسلام لانے والے زبانی لوگوں کی جماعت! جن کے دلوں تک ایمان کماحقہ نہیں پہنچا ہے، مسلمانوں کو تکلیف مت دو، ان کو عارمت دلاؤ اور ان کے عیب نہ تلاش کرو اس لیے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب ڈھونڈتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا عیب نکالتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب نکالتا ہے، اسے رسوا وذلیل کر دیتا ہے، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر کے اندر رہو۔

راوی (نافع) کہتے ہیں:

ایک دن ابن عمر رضی اللہ عنھما نے خانہ کعبہ کی طرف دیکھ کر کہا: کعبہ! تو کتنی عظمت والا ہے اور تیری حرمت (عزت) کتنی عظیم ہے، لیکن اللہ کی نظر میں مومن (کامل) کی حرمت تجھ سے زیادہ عظیم ہے۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۲۰۲۳)

مومن کی عزت اور اس کو باقی رکھنا اپنے کو جہنم سے محفوظ رکھنا ہے۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس نے مومن بھائی کو بے عزتی سے بچایا (عزت کو بچایا، رسوا نہ کیا) خدائے پاک اس کے چہرے کو قیامت کے دن جہنم سے بچائے گا۔ (مکارم اخلاق لخرائطی: ج ۲، ص ۱۸۴)

حضرت براء بن عاذب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

سود کے بہتر دروازے ہیں۔ ادنیٰ دروازہ ماں سے زنا کے برابر ہے اور سب سے بڑا سود یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کی عزت کے پیچھے پڑ جائے۔

(مطالب عالیہ: ج ۳، ص ۲/ مجمع الزوائد: ج ۸، ص ۹۲)

مومن کی حرمت کعبہ سے زیادہ ہے، بہت پیاری حدیث مطالعہ فرمائیں اور اپنے ایمان میں جلا پیدا فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ شریف کا طوف کرتے دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے: اے کعبہ: ''تو کتنا پاکیزہ ہے! اور تیری خوشبو کتنی پاکیزہ ہے۔ تو کس قدر عظیم ہے! تیرا احترام کتنا عظیم ہے! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اللہ کے یہاں مومن کی حرمت، تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔ یعنی اس کے مال اور جان اور یہ کہ اس کے بارے میں اچھا گمان رکھیں۔''

(سنن ابن ماجہ: حدیث نمبر ۳۹۳۲)

ان تمام روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مومن کی عزت کی حفاظت کی جائے۔ اس کو کسی وجہ سے رسوا نہ کیا جائے کہ اس سے اس کی اہانت و رسوائی ہو۔ افسوس صد افسوس! آج کا مسلمان اللہ و رسول کے فرامین کو بالکل بھول گیا ہے اور اللہ کے ڈر سے آزاد ہو گیا ہے۔ زمانہ الٹ گیا۔ قیامت کی نشانیاں ہیں، توبہ استغفر اللہ۔ مسلمان ہی مومنوں کے امام کو بھی ذلیل کرنے میں عار، اور شرم سے عاری اور اللہ کے خوف سے آزاد ہیں۔ اگر امام نے بدیانتی پر بیان کر دیا تو پھر کیا تھا، لاٹ صاحب (گورنر) کو برا لگ گیا اور بعد نماز جمعہ ہی مسجد کے اندر معافی منگوائی۔ جو امام، حافظ و قاری، حاجی اور متقی و پرہیز گار ہے۔ ۳۳ر سال سے فی سبیل اللہ (free) خدمات انجام دے رہا ہے۔ امام معافی مانگ کر مسجد کے اندر زار و قطار رو رہا ہے۔ مقتدیوں کو اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ ایسے لوگوں کو روکیں۔ وہ چپ چاپ دیکھتے

رہے۔امام رورو کر دعا مانگتا رہا: اے اللہ! اس قوم کو ہدایت دے۔کسی کا دل نہیں پسیجا۔اللہ ہی خیر فرمائے، اللہ ہدایت دے۔جس مومن کی عزت کعبہ سے بڑھ کر ہے، آج ہمارا مسلم سماج اپنے ہی مومن امام کی عزت کو کس بے دردی سے پامال کر رہا ہے اور کوئی روکنے اور بولنے والا نہیں۔ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کا محاسبہ کرنا چاہیے۔حدیث پاک میں ہے:

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَایٰ مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَلِبِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانَ۔

ترجمہ:''تم میں سے جو شخص خلاف شریعت کام دیکھے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھوں سے روک دے، اور اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کا رد کرے، اور اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دل سے اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

(مسلم شریف: کتاب الایمان، باب بیان النھی عن المنکر من الایمان، ج۱ص۶۹، حدیث نمبر ۴۹)

اس حدیث مبارکہ میں ایمان کے درجات کو بڑے ہی احسن پیرائے میں بیان کیا ہے۔اس قوم کا کیا ہوگا جو اماموں پر ظلم روا رکھتی ہے۔اللہ خیر فرمائے۔آمین۔

خدا بچائے دوست کے تعصب سے

دوست کا لفظ اپنے اندر بہت معنویت و گہرائی رکھتا ہے۔دوست اچھے بھی ہوتے ہیں، برے بھی ہوتے ہیں۔جان بچانے والے بھی ہوتے ہیں اور کہیں لے جا کر مروانے والے بھی ہوتے ہیں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ دوست اور دشمن تین طرح کے ہوتے ہیں:

جو تمہارا دشمن ہے، اس کا دوست بھی تمہارا دشمن ہے اور وہ تمہارے دوست کا بھی دشمن ہے۔

اللہ رب العزت نے بھی اپنے نیک بندوں کو دوست بنایا اور انھیں امتحان سے گزار کر انعامات کی بارش فرمائی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اپنا دوست بنایا۔''خلیل اللہ''یعنی اللہ کا دوست، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے۔''حضرت موسیٰ کا لقب کلیم اللہ تھا۔

منافقت آج کل عام بیماری ہے۔ اللہ ہم سب کو بچائے اس موذی گناہ سے کیوں کہ اللہ نے منافق کی سزا کا اعلان یوں فرمایا:

ترجمہ: بیشک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ (سورۂ نساء: آیت نمبر ۱۴۵)

جو لوگ منافقت، سازشیں اور تخریبیں کرتے ہیں وہ احکم الحاکمین رب ذوالجلال کے اس فرمان پر غور فرمائیں:

ترجمہ: سرگوشی محض شیطان ہی کی طرف سے ہوتی ہے تا کہ وہ ایمان والوں کو پریشان کرے وہ (شیطان) ان (مومنوں) کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا مگر اللہ کے حکم سے، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (سورۂ مجادلہ: آیت نمبر ۱۰)

ہم تمام مسلمان ایک ہیں، ایک ہی رہنا چاہیے۔ ہم مسلمان ایک دوسرے کے سلامتی کے ضامن ہیں۔ تمام مسلمانوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔ ہم تمام لوگ مسلمانوں کی عزت کو بچائیں اور سرسبز و شاداب رکھیں۔ ہمیں اپنی صفوں میں چھپے ہوئے انتشار پسندوں سے چوکنا رہنا ہوگا۔ اسی پس منظر میں ایک شاعر نے کیا خوبصورت پیغام دیا ہے:

کھلے دشمن کا استقبال ہمیں منظور ہے لیکن
خدا محفوظ رکھے دوست کے ذہنی تعصب سے

اور منور رانا بھی بہت خوبصورت بات کہہ رہے ہیں:

کہیں سچ بولنے سے شعریت مجروح ہوتی ہے
تکلف بر طرف قاتل کو قاتل کہہ دیا جائے

شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر اقبال کچھ اس طرح فرماتے ہیں:

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

اللہ ہم تمام مسلمانوں کو مسلمانوں کی حرمت و اہمیت کو سمجھنے اور ان کی عزت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

●●●

نکاح کا اسلامی تصور اور غیر اسلامی رسوم و رواج

مذہب اسلام نے نکاح کے ذریعے مرد و زن کے اس باہمی تعلقات کو جس قانون کا پابند بنایا ہے اگر اسی کے دائرے میں رہ کر اس فریضے کو انجام دیا جائے تو یقیناً اس سے ایک پاکیزہ اور صالح معاشرے کا وجود ہوگا۔ اس معاملے کو قانون اور معاشرتی رنگ دینے کی اصل وجہ جنسی تسکین کے ساتھ حفاظت نسب اور نسل انسانی کے تسلسل کو بھی باقی رکھنا ہے۔ دنیا کی ہر قوم و مذہب نے مرد و عورت کے اس باہمی اجتماع کو اپنے معاشرتی نظام کا پابند بنایا ہے۔ آج تک اس سرزمین پر جتنی بھی قومیں وجود میں ہیں، ان سب میں نکاح کا وجود ضرور رہا ہے۔ وہ سب اپنے مذہب کے مطابق شادی بیاہ ضرور کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ مذاہب میں سیاسی و رہبانی زندگی (بغیر شادی شدہ) کو اچھا بتایا گیا ہے، لیکن مذہب اسلام چوں کہ مذہب فطرت ہے۔ اس کے قوانین یہ ہیں کہ تقرب الی اللہ۔ حاصل کرنے کے لیے تارك الدنیا ہوجانا اور دنیا کی جائز رنگینیوں سے بے نیاز ہوجانا تقرب الی اللہ نہیں بلکہ اس دنیا میں رہ کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی بسر کرنے انسان تقرب الی اللہ حاصل کرتا ہے۔

ہر مذہب اور معاشر نے بغیر شادی (جو اس کے مذہب میں رائج ہے) مرد و زن کے باہمی تعلقات کو ناپسند کیا ہے۔ انسان کو جنسی ضرورت کے تحت سکون انہیں جوڑوں سے حاصل ہوتا ہے جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح کے ذریعے ایک دوسرے کے لیے جائز ہوئے ہوں۔ اسلام انہی کو جوڑا اقرار دیتا ہے۔ بغیر نکاح والے جوڑوں کو اسلام جوڑا تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ انہیں زانی اور بدکار قرار دیتا ہے اور ان کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے۔ آج کل مغربی تہذیب کے علم بردار شیاطین اسی مذموم اور گندی کوششوں میں مصروف

ہیں کہ مغربی معاشرے کی طرح اسلامی ملکوں میں بھی اور ہر جگہ نکاح کو غیر ضروری قرار دیا جائے اور آزادانہ میل ملاپ بدکار مرد وعورت کو جوڑا تسلیم کرلیا جائے اور قانون بنایا جائے کہ کپل (Couple) یعنی قانونی جوڑا مانا جائے اور انہیں سزا کے بجائے وہ حقوق دیئے جائیں جو ایک قانونی جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں۔ آج آزادی کے نام پر مغربی ثقافت نے ہماری نسلوں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے۔ بلاشبہہ شادی بیاہ فطرت کی آواز ہے اور انسانی ضرورت ہے۔ رب العالمین کا ارشاد ہے:

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے (یعنی بیویاں بنائیں) کہ ان سے آرام وسکون پاؤ اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی ہمدردی رکھی۔ یقیناً غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ (سورۂ روم: آیت ۲۰)

فقہاے کرام نے نکاح کی کئی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ بعض نے نکاح کرنا واجب کہا جب کہ بعض نے اسے مباح اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے۔ تاہم استطاعت رکھنے والے کے لیے یہ سنت مئوکدہ ہے۔ بعض نے عقد نکاح کو اس شخص کے لیے واجب قرار دیا جس کی جانب سے برائی کا ڈر ہو۔ حدیث پاک میں ہے:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے جو پاک دامنی کے لیے نکاح کرتا ہے۔

احادیث رسول میں کثرت نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور خصی اور غیر شادی شدہ برہمچاری رہنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من کان ذا طول فلیتزوج

ترجمہ: جو شخص استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کرے۔ (معجم کبیر: ج ۱۰، ص ۱۴۹)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ شادی کرے کیوں کہ نکاح سے نظر نہیں بہکتی اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیوں کہ روزے اس کی شہوت کو کم کر دیتے ہیں۔

(بخاری شریف: ج ۲،ص ۷۵۸، حدیث نمبر ۱۹۰۵/ مسلم شریف: حدیث نمبر ۳۴۹۷)
ایک اور حدیث شریف میں فرمایا گیا:

النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

(بخاری شریف: حدیث نمبر ۵۰۶۳/ مسلم شریف: حدیث نمبر ۱۰۲۰)

ترجمہ: نکاح میری سنت ہے جس نے اس سے اعراض کیا تو وہ مجھ سے نہیں۔

اسلام میں نکاح ایک مذہبی فریضہ،ضرورت اور قرب الٰہی کا سبب بھی ہے۔آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذتزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی نصف الباقی

ترجمہ: جب بندے نے نکاح کرلیا تو اسنے نصف (آدھا) دین مکمل کرلیا تو وہ باقی نصف کے لیے اللہ سے ڈرے۔(مشکوٰۃ شریف:ص ۲۸۶)

حضور ﷺ نے رہبانیت وتبتل (مجرد زندگی (اکیلا) زندگی گزارنے کا عمل) کے خود ساختہ خیالوں کو مسترد کرتے ہوئے نوجوان معاشرے کو شادی کی ترغیب دی ہے۔ارشاد گرامی ہے:

یامعاشر الشباب من استطاع البناءۃ فلیتزوج

ترجمہ: اے نوجوانو کی جماعت! تم سے جو شخص لوازمات مجامعت (بیویوں اور بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے کی) استطاعت رکھتا ہو تو وہ نکاح کرلے۔

یہ حکم اس لیے دیا گیا کیوں کہ نکاح نظر کو نیچی اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے اور جو اس پر قادر نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کیوں کہ روزہ رکھنا اس کو خصی بنا دے گا (اس کی شہوت کو دور کردے گا)۔ سچی حقیقت تو یہ ہے کہ جس معاشرے میں شادی کا رواج نہ ہوگا یا شادی کو ایک بوجھ سمجھا جائے گا تو وہاں لوگ اپنی جنسی پیاس کو بجھانے کے لیے ناجائز طریقے ضرور تلاش کریں گے،جس سے ناجائز بچوں کی پیدائش ہوگی۔ جیسے آج نام نہاد ترقی یافتہ کہے جانے والے ملکوں امریکہ، جرمنی، انگلینڈ اور دیگر مغربی ملکوں میں یہ وبا عام ہے۔اخباری رپورٹوں کے مطابق ۲۲ فی صد بچے ناجائز پیدا ہورہے ہیں۔اسی وجہ سے آج یورپین ملکوں میں بچے

کی نسبت باپ کے بجائے ماں کی طرف کی جاتی ہے، کیوں کہ بچے کی ماں تو معلوم ہوتی ہے مگر خود ماں کو بھی پتا نہیں ہوتا کہ اس کا باپ کون ہے۔ جب کہ مذہب اسلام میں نکاح کے ذریعے بچے کی نسبت باپ سے ثابت ہوتی ہے، جو دنیا میں عزت وشرافت اور پاک دامنی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وانکحوا امنکم.......الخ۔ (سورۂ نور: آیت ۳۲)

ترجمہ: اور نکاح کر دو اپنوں میں سے ان کا جو بے نکاح ہیں اور اپنے لائق بندوں کا اور کنیزوں کا۔ اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ انھیں غنی کر دے گا اپنے فضل کے سبب اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔ (کنز الایمان)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذ تراضوا بینھم باالمعروف.

(سورۃ البقرۃ: آیت ۲۳۲)

ترجمہ: تو عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح سے نہ روکو جب کہ آپس میں موافق شرع رضامند ہو جائیں۔ یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

بیویوں سے حسن سلوک، کامل ایمان کی نشانی

پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کے لیے خاندانی نظام کا زیادہ سے زیادہ مضبوط اور کامیاب ہونا انسانوں کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اس کی شروعات شوہر اور بیوی کے ازدواجی تعلق اور میل ومحبت سے ہوتی ہے۔ رب العالمین نے اور رسول کریم ﷺ نے شوہر کی حد متعین فرمائی ہے اور بیوی کی بھی حد کا تعین کیا ہے۔ اگر دونوں اپنی حدود کے اندر رہ کر زندگی گزاریں تو بڑی خوشگوار زندگی گزر سکتی ہے اور بہت سی ایسی فیملی (Family) جو اسلامی قوانین پر عمل کر کے خوشگوار زندگی گزار رہی ہیں۔ میاں بیوی میں اعتماد کی کڑی جتنی مضبوط ہوگی، ایک دوسرے پر جس قدر اعتماد (Trust) قائم رہے گا اسی قدر خوشگوار اور پرسکون

زندگی گزرے گی اور اس کے اچھے اثرات بچوں پر پڑیں گے۔ آقائے دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُہُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ لِنِسَائِہِمْ

ترجمہ: مومنین میں کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں سے زیادہ بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع الترمذی: باب شوہر پر عورت کے حقوق کے بیان میں جلد دوم، حدیث ۱۱۶۲)

دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: یہ دنیا ساری کی ساری پونجی ہے (برتنے کی چیز ہے) لیکن ساری دنیا میں سب سے بہترین قیمتی چیز نیک و صالح عورت ہے۔

(سنن نسائی: جلد دوم، حدیث نمبر ۳۲۴۰، باب نیک اور صالح عورت کا بیان)

قربان جائیں آقا ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر۔ بہترین اور قیمتی چیز عورت کو بتا کر اس کی عزت و وقار میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ ہیں عورتوں پر اسلام کے احسانات۔

آقا ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: جس عورت نے اس حال میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو اور خوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ (ترمذی)

سب سے پہلے انسانوں کو آزاد کرنے والے مذہبِ اسلام نے عورتوں کو ایک مستقل حیثیت عطا کی اور اللہ کے رسول نے فرمایا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ نکاح کو آزادانہ معاہدہ قرار دیا، جو ہر قسم کی جائز شرائط پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ خاص نامساعد حالات پیدا ہو جانے پر مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی کا حق رکھتے ہیں۔ عورت اپنے سرمائے اور جائداد کی بے شرکتِ شوہر مالک ہے۔ جہاں احادیث طیبہ میں عورتوں کے حقوق پر بہت سی احادیث طیبہ موجود ہیں وہیں عورتوں سے حسنِ سلوک و حقوق کی ادائیگی کے لیے اللہ رب العزت نے عورتوں سے اچھے برتاؤ کا حکم فرمایا ہے:

وَعَاشِرُوْ هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْ هُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۹)

ترجمہ: اوران سے اچھا برتاؤ کرو پھر وہ اگر تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز پسند نہ ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔ (کنزالایمان)

تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اچھی طرح رہا کرو، پیار و محبت اور ملاپ سے بسر کرو۔ ان پر احسان کیا کرو۔ اگر تم ان سے محبت اور آپس کی الفت کو برا سمجھو گے تو تم ایسی چیز کو برا سمجھو گے جس میں خدا نے تمہارے لیے خیر کثیر اور ہزاروں طرح کے نفع (فائدے) بنائے ہیں۔ یعنی صالح اولاد پیدا ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بیوی بچوں پر حسب استطاعت فراخ دلی سے خرچ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید کے ساتھ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ صدقہ ہوگا اور اللہ اجر عظیم عطا فرمائے۔

بیوی کی بعض کمزوریوں پر درگزر سے کام لیں کیوں کہ وہ بھی ایک انسان ہے۔ اگر کوئی کمی ہے تو اس کے اندر کچھ نہ کچھ خوبیاں ضرور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر عورت کی کوئی بات یا عمل پسند نہ آئے تو مرد عورت پر غصہ نہ کرے کیوں کہ اس کے اندر دوسری خوبیاں موجود ہیں جو تمہیں بھی اچھی لگتی ہیں۔ (مسلم شریف)

تمام انبیاے کرام نے نکاح فرمایا

بعض مذاہب میں شادی نہ کرنا، تارک الدنیا ہونے کو اچھا کہتے ہیں۔ اسلام اس کی نفی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً۔

(سورۂ رعد: آیت نمبر ۳۸)

ترجمہ: بے شک ہم نے تم سے پہلے بھی رسولوں کو بھیجا اور ان کو بیویوں اور بچوں یعنی نسلوں سے نوازا۔

بغیر بیوی کے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عمر شریف گزاری، باقی تقریباً سبھی انبیاے کرام نے نکاح فرمایا۔ نکاح کرنا یا دوسرے لفظوں میں شادی کرنا عین فطرت ہے اور تعدد ازدواج بھی فطرت کے بالکل موافق ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ۹۹ ر بیویاں تھیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں اور وہ بھی نبی تھے۔ ہندوؤں کے بھی بعض اوتاروں اور راجا دشرت وغیرہ کی کئی کئی بیویاں تھیں۔ کنہیا (کرشن جی) کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ نکاح کو اسلام نے مرد وزن کے سکون کا ذریعہ بھی بتایا، یہ سکون انہی جوڑوں کو حاصل ہوتا ہے جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور اسلام انہی کو جوڑا قرار دیتا ہے۔ غیر قانونی جوڑوں کو اسلام جوڑا ہی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انہیں زانی اور بدکار قرار دیتا ہے اور ان کے لیے سخت سزا بھی تجویز کرتا ہے۔

مہر کی ادائیگی عورت کا شرعی حق ہے، دینا ضروری ہے

مہر کے بارے میں ہمارے معاشرے میں معلومات نہ کے برابر ہیں اور جن کو معلوم بھی ہے وہ بھی اس خدائی حکم کی پیروی نہیں کرتے۔ یہ انتہائی افسوس ناک اور عاقبت خراب کرنے والی بات ہے۔ جو لوگ جہیز کے معاملے میں ذرہ برابر رو رعایت نہیں کرتے وہی لوگ عورت کا مہر ادھار یعنی آگے ادا کرنے کے لیے اٹھا چھوڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بے برکتی ہوتی ہے اور اس بے برکتی کی وجہ سے زوجین میں اتنی محبت وانسیت نہیں ہو پاتی اور لڑائی جھگڑے ہوتے رہتا ہے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا:

''عورت سے فائدہ مہر دے کر حاصل کرو، برکت ہوگی۔''

مہر کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: و اٰتوا نسآء صدقٰتھن نخلۃ فائن طبن لکم عن شئی منہ نفسا فکلوہ ھنیا مریا۔ (سورۂ نساء: آیت ٦)

ترجمہ: اور عورتوں کے مہر خوشی سے دو، پھر اگر اپنے دل سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ، لذت حاصل کرتے ہوئے خوش گوار سمجھتے ہوئے کھاؤ۔

آیت کریمہ میں رب العالمین اپنے بندوں کو یہ حکم دے رہا ہے کہ جب وہ نکاح کرے تو جو مہر مقرر ہوا ہے، ضرور ادا کرے جو بیویوں کا واجبی حق ہے۔ اگر کوئی اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے یا مکاری کے ذریعے اس سے بچنے کی صورت نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اللہ کی بارگاہ میں مجرم ہے اور مجرموں کے معاملے میں اللہ پاک سریع الحساب اور شدید العقاب ہے۔ مہر نہ دینا اسلام کی تعلیمات کے سخت خلاف ہے یا جھوٹے بہانے بنا کر رکھ چھوڑنا ادھار کر لینا بہت بری بات ہے۔ مہر نکاح ادا کرنا ضروری ہے۔ شوہر کا مہر کو معمولی سمجھنا اہمیت نہ دینا اور عورت کو سمجھا سمجھا کر ادا نہ کرنے کی نیت رکھنا اتنی سخت بات ہے کہ حدیث پاک میں اس پر سخت لعنت ووعید آئی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا کچھ مہر مقرر کر لے۔ پھر یہ نیت رکھے کہ اس کے مہر میں سے کچھ اس کو نہ دے گا یا اس کو پورا نہ دے گا تو وہ انی (ظالم، ناانصاف) ہو کر مرے گا۔ (بیہقی شریف)

مہر کے مقرر کرتے وقت یہ کہا سنا جاتا ہے کہ مہر کون دیتا ہے اور کون لیتا ہے۔ یہ بات انتہائی نامناسب ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم صریح خلاف ورزی ہے۔ مہر چوں کہ عام طور پر دینے کی نیت ہی نہیں ہوتی لہٰذا مہر زیادہ رکھا جاتا ہے اور بڑے فخر سے خاندان میں بتایا جاتا ہے کہ ہم نے تو مہر اتنا زیادہ رکھا ہے حالاں کہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر خطبے میں ارشاد فرمایا:

''مہروں میں زیادتی مت کرو، کیوں کہ اگر یہ دنیا میں عزت کی بات ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقویٰ کی بات ہوتی تو سب سے زیادہ اس کے مستحق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عورت کا مبارک ہونا یہ بھی ہے کہ اس کے مہر کا دینا اس کے شوہر کے لیے آسان ہو۔''

حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ: ج ۵، ص ۴۶۸، باب المہر میں اس کی نفیس تحقیق فرمائی ہے۔ یہ عام دستور بنا ہوا ہے کہ عورت جب مرنے لگتی ہے تو اس سے مہر معاف کراتے ہیں حالانکہ مرض الموت میں معافی دیگر ورثہ کی

اجازت کے بغیر معتبر نہیں ہے۔یعنی بیوی نے معاف کر دیا تو ایسی حالت میں وارثین کی اجازت کے بغیر معاف نہیں ہوگا۔آج مہر کے معاملے کو بہت آسان سمجھا جاتا ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی ہے حالانکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔اگر عورت کو مہر ادا نہیں کیا تو قیامت میں اس کا سخت مواخذہ ہوگا۔عورت کو یہاں تک حق ہے کہ اگر مہر معجّل مقرر کیا گیا ہے تو بغیر مہر وصول کیے عورت اپنے او پر قابو نہ دے۔(فائدہ حاصل نہ کرنے دے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔(اللہ اعلم ورسولہٗ)

جہیز زحمت ہے، پر ذمہ دار کون؟

آج کل جہیز کی مانگ نے باقاعدہ بایوڈاٹا (BIO-DATA) کی طرح لسٹ کی صورت اختیار کر لی ہے۔پورے معاشرے کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔جس کی ایک سے زائد بیٹیاں ہوں تو اس کی پوری موت ہوجاتی ہے۔اگر جہیز اختیاری ہو یعنی خوشی پر منحصر ہو تو کوئی قباحت نہیں لیکن جبری جہیز کی Demand نے صورت حال کو خطرناک اور تباہ کن بنا دیا ہے۔مفت میں لاکھوں کا مال ہاتھ آنا سب کو اچھا لگتا ہے اور اس موذی مرض میں اچھے خاصے دین دار لوگ بھی جہیز لے کر شادیاں کر رہے ہیں۔''مال مفت دل بے رحم'' والا معاملہ ہے۔کوئی رحم نہیں،کوئی شرم و حیا نہیں۔پورا معاشرہ اسی ظلم کی وجہ سے نہایت بے چینی کی زندگی گزار رہا ہے۔غریبوں اور مڈل کلاس کے لوگوں کے لیے یہ لعنت جان لیوا ثابت ہو رہی ہے۔کتنے باپوں نے اپنی لگی روزی کو داؤں پر لگا دیا،دوکانیں بیچ ڈالیں،جائیدادیں بیچ دیں،رہن رکھ دیا،سودی قرض لے لیا اور ساری زندگی قسطوں پر مرنے کا سامان کر لیا۔کیا یہ حالات دردمند مسلمانوں کو جھنجھوڑنے اور جگانے کے لیے کافی نہیں ہیں۔؟

معاشرے کو اس جان لیوا خراب رسم سے پاک کیا جائے۔ایک تو غریب لڑکیوں کی بڑھتی عمر کا رونا روتے ہیں اور لالچی لڑکے والوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں مگر خود ہی اس لعنت میں گرفتار ہیں۔یہ سچ ہے کہ جہیز ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح نہیں بلکہ ڈائناسور (DINOSAUR) کی طرح کھا رہا ہے۔جہیز کے لیے ذمہ دار صرف لڑکے والے ہی نہیں

ہیں خود لڑکی والے بھی ہیں جو لڑکے والوں کو منھ مانگے جہیز کی پیش کش کرتے ہیں بلکہ ایسے واقعات بھی ہیں کہ اگر کسی کے گھر میں کوئی اچھا رشتہ آیا ہے اور اس کے گھر والے اس کی مانگ پوری کرنے پر مجبور ہیں تو اس کی بھنک جب پڑوسی یا رشتہ داروں کو پڑی تو وہ جلدی سے ''Tender'' کی طرح بولی لگا کر اپنی لڑکی کے لیے وہ رشتہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اخبارات میں ضرورت رشتہ کے اشتہار پر نظر ڈالیے۔ ''معیاری شادی'' لڑکا بھائی باہر سے آیا ہوا ہے، ویزا کاروبار لگا ہے، لڑکی کو باہر بھیج دیا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ، جیسے لالچ دیئے جاتے ہیں۔

جو دولت مند ہیں اور جس نے اپنی لڑکی کی شادی کے لیے زندگی بھر کی کمائی جما کر رکھی ہے، انہیں روکا نہیں جا سکتا لیکن غریب شخص اور جس کی بچیوں کی تعداد زیادہ ہے، وہ گھٹ گھٹ کر مر رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا صرف ''باہر'' رہ کر ہی لڑکی خوش رہ سکتی ہے۔؟ کیا وہ اپنے وطن میں خوش نہیں رہ سکتی۔؟ جو بیویاں اپنے شوہر کے ساتھ باہر ہیں، ان کی حالت ان کے دل سے پوچھیے۔ سارا دن گھر میں لاک (بند) رہتی ہیں۔ ایسے ہی جو یہاں رہتی ہیں، ان کے شوہر باہر ہونے کی وجہ سے ان گنت پریشانیوں اور مسائل میں گھرے رہتے ہیں۔ ان سب چیزوں کو لکھنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ مقامی نوجوانوں اور کم آمدنی والے نوجوانوں سے شادی کے لیے نہ ہی ماں باپ اور نہ ہی لڑکیاں تیار ہوتی ہیں جب کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مقامی نوجوان اور کم آمدنی والی فیملی خوش وخرم ہے اور باہر والے اور دولت مند لوگ سکون کے متلاشی ہیں۔ ان تمام معاملوں میں خاص کر جہیز کی مانگ کے سلسلے میں واعظین، علمائے کرام، اہل علم ودانش اور سماج کے سبھی دانشور حضرات تحریک چلائیں۔ کم از کم اپنے محلے، اپنے علاقے پر کوشش کریں، برابر محنت کریں تا کہ اس برائی سے نجات پائی جاسکے۔ عائلی قوانین، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ وغیرہ بھی مذہب اسلام کے حصے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قوانین کی جان کاری حاصل کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں تا کہ انتشار اور فتنہ و فساد سے بچیں اور اسلام دشمنوں کو موقع فراہم نہ کریں۔ اللہ ہم سب کو دین اسلام کے احکام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

●●●

پیاسوں کو پانی پلائیں، لا علاج بیماری سے شفا پائیں اور جہنم سے آزادی حاصل کریں!

رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بے شمار نعمتوں سے نوازا اور ان نعمتوں کی خصوصیت وافادیت کا ذکر بھی فرمایا۔ بلاشبہ انسان اور تمام جانداروں کے لیے ہوا، پانی، کھانا انتہائی ضروری ہے۔ اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ جہاں جینے کے لیے صاف ستھری ہوا ضروری ہے وہیں کھانا پانی بھی ضروری ہے۔ اللہ رب العزت کی حکمت دیکھیں، اس نے اپنی تمام مخلوق کی ضرورت کے لیے اشیا (کھانے پینے کی چیزیں) پیدا فرمائیں ۔ یہ اور بات ہے کہ آج اس کی مخلوق میں انسان جو اشرف المخلوق ہونے کا شرف رکھتا ہے، وہی اس کی قدر نہیں کر رہا ہے بلکہ نعمتوں کی بربادی اور بے قدری کا کوئی راستہ باقی ہی نہیں رکھ رہا ہے۔ ہوا، پانی، کھانا جیسی نعمتوں کا مختصر ذکر بغور پڑھیں۔ اللہ رب العزت فرما رہا ہے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ۔

(سورۂ ق: آیت نمبر ۹)

ترجمہ: اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا تو اس سے باغ اگائے اور اناج کہ کاٹا جاتا ہے۔ (کنزالایمان)

رب فرما رہا ہے کہ ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا، اس سے باغات لہلہا جاتے ہیں، طرح طرح کے پھل میوے ہوتے ہیں جسے تم کھاتے ہو، کھیتیاں سیراب کر دیں جن سے اناج پیدا ہوا جسے تم کھاتے ہو، اونچے اونچے کھجور کے درخت اگائے جو بھرپور میوں

سے لدے رہتے ہیں، یہ سب مخلوق کی روزیاں ہیں اور اس پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا، وہ سرسبز و شاداب ہوگئی اور خشکی کے بعد تر و تازہ ہوگئی اور سوکھے چٹیل میدان لہلہانے لگے جسے تمھارے جانور کھاتے ہیں اور تم ان کا دودھ پیتے ہو۔ پانی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ رب کریم نے پانی کو بابرکت بتایا۔ کسی چیز کی خوبی کو بیان کرنا، وہ بھی باعث برکت بتانا یہ خوبی تو ہزاروں خوبیوں سے بڑھ کر ہے۔ پانی زمین کی زندگی، انسان کی زندگی اور ہر ذی روح کی زندگی ہے۔ پیڑ، پودے، پتے، پھول، سبزیاں، پھل، میوے وغیرہ وغیرہ، سب کے سب پانی کے ہی محتاج ہیں کیوں کہ اللہ رب العزت فرما رہا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۳۰)

ترجمہ: اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا وہ ایمان لائیں گے۔ (کنزالایمان)

اب قرآن کریم کی مختلف آیات دیکھیں:

ترجمہ: اور ہم نے تمھیں خوب میٹھا پانی پلایا۔ پانی ہماری نعمتوں میں سے ہے کہ بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے نکلتا ہوا۔ خوش گوار، ہلکا، زود ہضم پانی تمھیں پلایا صرف تمھیں ہی نہیں بلکہ اور مخلوق اور تمھارے جانوروں کے لیے بھی کھانے پینے کا انتظام کیا۔

(سورہ طٰہٰ: آیت ۵۴)

ترجمہ: تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔ (سورہ المرسلات: آیت ۲۷) (کنزالایمان)

ترجمہ: اور ہم نے تمھیں خوب میٹھا پانی پلایا۔ (سورہ النمل: آیت ۶۰، کنزالایمان)

ترجمہ: وہ جس نے آسمان و زمین بنائے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے باغ اگائے رونق والے تمہاری طاقت نہ تھی کہ ان کے پیڑ اگاتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے بلکہ وہ لوگ راہ سے کتراتے ہیں۔ (کنزالایمان)

اللہ رب العزت ہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کی وجہ سے زمین سے ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔ کھیتیاں، باغات، قسم قسم کے ذائقے دار میوے تاکہ تم کھاؤ اور تمھارے جانوروں کا چارہ بھی رب العالمین نے ہی پیدا فرمایا ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا

ہے۔ساری مخلوق کی روزی کا ذمہ کرم اپنے فضل ورحمت سے لیا ہوا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔

(سورہ ھود: آیت ٦، کنزالایمان)

ساری مخلوقات جو چھوٹی ہوں یا بڑی، خشکی میں ہوں یا تری میں، ان سبھی کو رزق اللہ دیتا ہے۔تمام جہانوں کا پالنے والا رب کب یہ پسند فرمائے گا کہ اس کی مخلوق بھوکی یا پیاسی رہے۔ اس نے تمام انتظام فرما دیئے ہیں کہ وقت پر ہر مخلوق کو کھانا پانی ملتے رہیں۔رحیم وکریم رب نے اپنے بندوں کی بھوک مٹانے، پیاس بجھانے پر بے پناہ اجروثواب کا اعلان فرمایا ہے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا جہنم سے آزادی کا پروانہ

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ وَّافَقَ مِنْ اَخِيْهِ شَهْوَةً غُفِرَ لَه

یعنی جس مسلمان کا جی کسی کھانے پینے کا یا کسی قسم کی حلال چیز کو چاہتا ہو، اور دوسرا اس کے لیے وہی شئے (چیز) مہیا کر دے تو اللہ عزوجل اس کی مغفرت فرما دے گا۔(طبرانی)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنا دے، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز کپڑے پہنا ئے گا اور جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا، اللہ رب العزت رحیق مختوم (یعنی جنت کی شراب سر بند (Paked) پلائے گا (سنن ابوداؤد: کتاب الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، حدیث ١٦٨٢ بحوالہ بہار شریعت: ج ٢، ص ١٨٠)

فضائل صدقات پر احادیث مبارکہ میں کثیر ذخیرہ موجود ہے جو کی حدیث کی کتابوں میں رقم ہے۔حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ اپنی کتاب رَادُّ الْقَحْطِ وَالْوَبَاءِ بِدَعْوَةِ الْجِيْرَانِ وَمُوَاسَاةِ الْفُقَرَاءِ۔ مشہور اور عرفی نام ''فوائد صدقات'' میں شرح وبسط (DETAILS) کے ساتھ بڑی پیاری ترکیبیں لکھی ہیں، چند ملاحظہ فرمائیں اور عمل کی کو

شش کریں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ اَطْعَمَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ شَهْوَتَه حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ

جو اپنے مسلمان بھائی کو اس کی چاہت کی چیز کھلائے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کردے گا (بیہقی فی شعب الاصول ایمان)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مِنْ مُّوْجِبَا الرَّحْمَةِ اِطْعَامُ الْمُسْلِمِ الْمِسْكِيْنِ

رحمت الٰہی کو واجب کردینے والی چیزوں میں ہے غریب مسلمان کو کھانا کھلانا (بیہقی)

ایک بہت پیاری حدیث مطالعہ فرمائیں۔ اس حدیث پاک کے بہت سے صحابہ کرام راوی ہیں۔ اس حدیث پاک میں ہر طرح کے لوگوں کو کھلانے پلانے پر اللہ رب العزت درجہ بلند فرمائے گا۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوةُ بِالَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔

یعنی اللہ عزوجل کے یہاں درجہ بلند کرنے والے ہیں سلام کا پھیلانا اور ہر طرح کے لوگوں کھانا کھلانا اور رات کو لوگوں کے سوتے میں نماز پڑھنا۔

مرقات شریف میں ہے: اِطْعَامُ الطَّعَامِ اَیْ اِعْطَاءُ لِلْاَنَامِ مِنَ الْخَاصِّ وَالْعَامِّ

کھانا کھلانا یعنی مخلوق میں عام، خاص سب کو کھلانا گناہ مٹانے والے (کام) ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ان بندوں سے جو لوگوں کو کھلاتے ہیں، فرشتوں کے ساتھ مباہات (فخر) فرماتا ہے۔ (کہ دیکھو فضیلت اسے کہتے ہیں)

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ اس حدیث کے راوی کئی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو اپنے مسلمان بھائی کو پیٹ بھر کھانا کھلائے، پیاس بھر پانی پلائے۔ اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے سات کھائیاں دور کرے۔ ہر کھائی سے دوسری کھائی تک پانچ سو برس کی راہ ہے۔ (طبرانی، بیہقی، وغیرہ وغیرہ)

پیاسوں کو پانی پلائیں لا علاج بیماری سے شفا پائیں:

بہت مشہور حدیث پاک ہے:

گزشتہ امت میں ایک عورت نے ایک کتے کی پیاس بجھائی تو اللہ نے اس کی تمام خطائیں معاف فرما دیں اور جنت عطا فرمائی۔ اللہ رب العزت نے پانی کی خوبیوں میں یہ بات بیان فرمائی کی ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا۔ ظاہری بات ہے جسے رب تبارک و تعالیٰ برکت والا بتائے، اس سے برکت ضرور ملے گی۔ علامہ زرقانی شرح مواہب میں بیان فرماتے ہیں:

''عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے، فرمایا: پانی لاؤ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا (برسایا)۔ پھر فرمایا: شہد لاؤ اور آیت فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ پڑھی کہ اس میں شفا ہے لوگوں کے لیے۔ پھر فرمایا: روغن زیتون لاؤ اور آیت پڑھی کہ برکت والے پیڑ سے ہے۔ پھر ان سب کو ملا کر نوش فرمایا، شفا پائی۔''

(بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء: ص ۳۹)

لوگوں کو پانی پلانے سے لاعلاج بیماریوں سے شفا ملتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

علی بن حسین بن شفیق فرماتے ہیں:

''میرے سامنے ایک شخص نے امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمن! سات برس (7YEAR) سے میرے ایک زانو میں پھوڑا ہے، قسم قسم کے علاج کیے، طبیبوں (DOCTOR) سے رجوع کیا، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ فرمایا: جا، ایسی جگہ دیکھ جہاں لوگوں کو پانی ضرورت ہو، وہاں ایک کنواں کھود اور (براہ کرامت یہ بھی) ارشاد فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ وہاں تیرے لیے ایک چشمہ نکلے گا اور تیرا یہ خون بہنا تھم جائے گا۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اچھا ہو گیا۔''

دل چسپ اور ایمان افروز حکایت پڑھیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہمارے استاد ابوعبداللہ حاکم (صاحب مستدرک) کی حکایت (STORY) ہے کہ ان کے منھ میں پھوڑے نکلے۔ طرح طرح کے علاج کیے، نہ گئے۔ قریب ایک سال اسی حال میں گزرا۔ انھوں نے ایک جمعہ کو امام استاد ابوعثمان صابونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کی مجلس میں دعا کی درخواست کی۔ امام نے دعا فرمائی اور حاضرین نے بکثرت آمین کہی۔ دوسرا جمعہ ہوا، کسی بی بی (شریف اور معزز عورت) نے ایک رقعہ (LETTER) مجلس میں ڈال دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ میں اپنے گھر پلٹ کر گئی اور شب کو ابوعبداللہ حاکم کے لیے دعا میں کوشش کی، خواب میں جمال جہاں آرا حضور رحمت عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: قُوْلِيْ لِاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ يُوْسِعُ الْمَاءَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ۔ (ترجمہ): ابوعبداللہ سے کہہ دو کہ مسلمانوں پر پانی کی وسعت کرے۔ میں وہ رقعہ اپنے استاد ابوعبد اللہ حاکم کے پاس لے گیا۔ انھوں نے اپنے دروازے پر سقایا پانی کا حوض (TANK) بنانے کا حکم دیا۔ جب بن چکا، اس میں پانی بھر دیا اور برف ڈالی اور لوگوں نے پینا شروع کیا۔ ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ شفا ظاہر ہوئی۔ پھوڑے جاتے رہے، چہرہ اس اچھے سے (پہلے) سے اچھا ہو گیا جیسا کبھی نہ تھا۔ اس کے بعد برسوں زندہ رہے۔''

احادیث وسیرت کی کتابوں میں بہت سے عبرت ناک حکایات موجود ہیں، مسلمانوں کو چاہیے ان سے سبق لیں اور خاص کر جو لمبی بیماریوں میں مبتلا ہیں، ان کو اللہ اور اس کے رسول کے بتائے طریقے پر عمل کرنا چاہیے تاکہ بیماریوں سے نجات ملے۔ ڈاکٹروں کی بڑی بڑی فیس، اسپتالوں کے بڑے بڑے بل ادا کر کے بھی نجات حاصل نہیں کر پا رہے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے وعدے پر ایمان رکھیں اور سچی نیت سے اس پر عمل کریں، بھوکوں کو کھلائیں، پیاسوں کو پانی پلائیں، دیکھیں، ضرور لاعلاج بیماریوں سے شفا پائیں گے۔ ہر شخص اپنی طاقت کے اعتبار سے لوگوں کی خدمت کرے اور پانی کی حفاظت کرے۔

آسٹریلیا کی مشہور منرل کمپنی آرگینک اسپرنگ (Organic Spring) نے اپنی

پانی کے بوتل پر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان لکھا ہے:

(Do not waste water even if you were at a running stream)

ترجمہ: پانی ہرگز برباد نہ کرو گرچہ تم سمندر کے پاس ہی کیوں نہ ہو۔

راستہ چلتے ہم پانی کی جو بوتلیں خریدتے ہیں، پانی پی کر ان کو پھینک دیتے ہیں۔ ان کو قطعی نہ پھینکیں، ان بوتلوں کو جمع کریں۔ جب دس بیس بوتلیں ہو جائیں تو ان میں پانی بھر کر اور جھولے میں رکھ کر بس اسٹیشنوں، چوراہوں اور ریلوے اسٹیشنوں وغیرہ پر پیاسوں کو بانٹ دیں۔ آپ کو ثواب بھی ملے گا، بیماری سے نجات بھی ملے گی اور قلبی و ذہنی سکون بھی ملے گا۔ اور بھی بہت سے طریقے ہیں جن کو کر کے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ آیئے ہم سب مل کر عہد کریں کہ یہ کام ضرور کریں گے۔ کل سے نہیں ان شاء اللہ آج ہی سے کریں۔ اس میں شرمانے کی ضرورت نہیں۔ نہ جانے ہم دن میں کتنے ایسے کام کرتے ہیں جو یقیناً شرم کا باعث ہوتے ہیں لیکن ہمیں احساس تک نہیں ہوتا اور یہ کام تو اللہ و رسول کے حکم کی بجا آوری اور ہمارے فائدے کا ہے۔ اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

●●●

قبرستان کی اہمیت اور اس کے احکام ومسائل

اللہ رب العزت تمام جہانوں کا پیدا فرمانے والا ہے۔ اللہ رب العزت ہی معبود برحق ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ پورے عالم کا مالک ومختار ہے۔ اس کی سلطنت وقدرت زمین وآسمان ہر شئے پر محیط ہے۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ فرماتا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ -

(سورۂ رحمٰن: آیت ۲۷۔۲۶)

ترجمہ: زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔ صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔ (کنز الایمان)

انسان بھی فانی ہے۔ اپنی پائی ہوئی زندگی گزارنے کے بعد اس کو بھی موت آنی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۔

(سورۃ النساء: آیت ۷۸۔۷۷)

ترجمہ: تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تمھیں وہیں آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں (ہی) ہو۔

جب انسان مرے گا تو پھر کیا کرنا ہوگا؟ مذہب اسلام نے اپنے ماننے والوں کو بتایا۔ قرآن پاک کی مشہور آیت کریمہ جو دفن کرتے وقت پڑھتے ہیں، یہ ہے:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى -

(سورۂ طٰہٰ: آیت ۵۵)

ترجمہ: اسی زمین کی مٹی سے ہم نے تمھیں پیدا کیا اور اِسی میں ہم تمھیں لوٹائیں گے

اور اسی سے ہم تمھیں دوسری مرتبہ پھر نکالیں گے (کنز الایمان)

زمانہ قدیم سے مردوں کو دفن کرنے کا دستور چلا آ رہا ہے اور آنے والی صبح قیامت تک قائم رہے گا کیوں کہ یہ قدرتی نظام ہے۔ قانون الٰہی نہیں بدلتا، حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ جہاں مردے دفن کیے جاتے ہیں وہ جگہ قبرستان کہی جاتی ہے۔ پورے ملک میں، ہر شہر، ہر گاؤں میں قبرستان موجود ہیں۔ مسلمانوں نے اپنی زمینوں میں قبرستان بنایا ہے۔ زمینداروں نے اپنے اپنے قبرستان بنائے اور بہت سے مسلمان اپنے اپنے خاندانی قبرستان بنائے ہوئے ہیں۔ کہیں بھی گورمنٹ کی بنائی ہوئی قبرستان نہیں ہے۔ آج بدقسمتی سے ہمارے ملک ہند وستان میں جس پارٹی کی حکومت ہے وہ انتہا پسند (سخت گیر رجحان) نظریہ رکھتی ہے اور اس کی رہنمائی (Guidance) انتہا پسند جماعت آر ایس ایس کرتی ہے۔ ان جماعتوں نے تو ہمیشہ زندہ مسلمانوں کے لیے زمین تنگ کر رکھی ہے، اب مردوں کے لیے بھی زمین تنگ ہی نہیں بلکہ ختم ہی کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔

کئی نسلوں سے مسلمان اپنے اسلامی رسم و روایات وتعلیمات کے مطابق اپنے اپنے قبرستانوں میں اپنے پیارے مرحومین کی تدفین کرتے چلے آ رہے ہیں، مگر اب ہمارے ملک کے وزیر اعظم مودی جی کے دورِ حکومت میں، انہوں نے خود بھی اور ان کے رکن پارلیمنٹ سا کشی مہا راج نے بھی قبرستان کے خلاف اپنا تعصب ظاہر کیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ مسلما نوں کے علاوہ ہندو سادھو، سنت وغیرہ کی بھی سمادھی (زمین میں دفن) بنائی جاتی ہے مگر جب قبرستان کا ذکر کر کے وزیر اعظم نریندر دامودر داس مودی نے زہر اگلا تو پھر سا کشی مہا راج کیسے پیچھے رہتے، انھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ فوری طور پر ایک نیا قانون بنانا چاہیے جس کے تحت ملک میں مسلمانوں کے قبرستان کے لیے کوئی جگہ مختص (FIX) نہ ہو بلکہ مسلمانوں کے تمام مردوں کو بھی نذر آتش کرنے کے لیے مشترکہ شمشان گھاٹ ہونا چاہیے۔ مہا راج کا یہ بھی کہنا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر قبرستانوں کے لیے جگہ دی گئی تو ہندو کہاں رہیں گے۔ کون کہاں رہے گا، یہ تو فیصلہ اللہ فرمائے گا۔ جہنم بھی تو اللہ نے بنا رکھی ہے۔ خدا را مسلمانوں ہوش میں آؤ۔ اپنے اپنے قبرستانوں کی حفاظت دل و جان سے

کرو، خدا نہ کرے کہ وہ دن نہ آجائے کہ مردہ کے دفن کے لیے زمین تلاش کرنا پڑے۔ استغفر اللہ استغفر اللہ۔

قبضے کی جگہ پر نہ مسجد ہے، نہ قبرستان ہے

پوری دنیا میں کہیں بھی اللہ کا گھر، مسجد کی تعمیر کسی بھی ناجائز وقبضہ کی ہوئی زمین پر نہیں بنائی گئی ہے اور نہ ان شاء اللہ آنے والی صبح قیامت تک بنائی جائے گی۔ اسی طرح قبرستان بھی کبھی کسی دوسرے کی زمین پر نہ بنا ہے، نہ آگے بنے گا ان شاء اللہ۔ موت کے بعد قبر ہی مسلمان کی آخری منزل ہوتی ہے جہاں ہر اچھے برے سبھی کو دفن کیا جاتا ہے اور وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے۔ قبرستانوں کے انتظامات کہیں تو لائق تحسین ہیں اور کہیں تو انتہائی افسوس ناک وشرمناک بھی ہیں۔ بی جے پی حکومت کے ایم پی شاکشی مہاراج جو ضلع اُناؤ یوپی سے نمائندہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو مرنے کے بعد جلانے کا حکم صادر کردیا ہے، آئے دن مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں، نئے نئے فرمان جاری کرتے رہتے ہیں اور اپنے زہریلے بیانوں سے MEDIA کی زینت بنے رہتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس وقت بی جے پی کے وزیر اعظم نریندر دامودر داس مودی جی ہیں۔ بی جے پی کے وزیر اعظم اس لیے کہ وہ جناب صرف اور صرف بی جے پی اور آر ایس ایس کے ایجنڈے پر ملک چلا رہے ہیں۔ ''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' کا جو نعرہ دیا ہے، اس میں رتی برابر بھی سچائی نہیں ہے۔ تمام جھوٹے دعووں اور نعروں میں یہ سب سے بڑا جھوٹا دعویٰ ہے۔ قبرستان کا ذکر کر کے مودی جی نے مسلمانوں سے اپنی فطری دشمنی کا اظہار کردیا ہے۔ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے پہچانا جاتا ہے۔ مودی جی کے کتنے ظلموں کو یاد کیا جائے۔ یہ ان کا احسان ہے۔ شاید اسی بہانے مسلمان خواب غفلت سے جاگ جائے، بیدار ہو جائے اور اپنی غیرت وحمیت پر آنچ نہ آنے دے۔ جہاں جہاں قبرستان ہیں خواہ نجی ہوں یا عوامی ہوں، ان کی دیکھ بھال خود کریں اور اس قیمتی سرمائے کی حفاظت کریں۔ انتہائی بدتر حالتوں میں جو قبرستان ہیں، ان کی دیکھ بھال اور انتظامی معاملات میں دلچسپی لیں۔

کئی شہروں میں جانے اور عزیزوں کی موت پر میت کو دفن کرنے کے لیے قبرستان جانے کا بھی موقع آیا۔ بنارس، کانپور، لکھنو عالم باغ قبرستانوں کا حال دیکھ کر انتہائی تکلیف پہنچی۔ باقاعدہ کھٹیا ڈال کر بیٹھنا، جواڑیوں کا گھیرا بنا کر جوا کھیلنا، پتنگ اڑانا، کرکٹ کھیلنا انتہائی شرم اور افسوس کی بات ہے اور اس سے زیادہ شرمناک اور بہت تکلیف کی بات گندے جانوروں (سور، خنزیر) کا کھلے عام گھومنا ہے۔ لوگ مردوں کو دفن کر کے چلے آتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے شاید اپنے ضمیر (اخلاقی حس) کو بھی دفن کر دیتے ہیں۔ خدا را دلوں کو مردہ نہ کریں، آنکھوں سے پٹی ہٹائیں، اپنی تہذیب وتمدن اور قیمتی سرمائے قبرستانوں کی حفاظت کیجیے جس میں خود بھی جا کر رہنا ہے۔ میں جمشید پور، جھارکھنڈ میں مقیم ہوں الحمدللہ! یہاں سارے قبرستان بہت بہتر حالات میں ہیں۔ ساکچی قبرستان، دھتکیڈیہ قبرستان، ذاکرنگر قبرستان، جواہرنگر مسلم قبرستان، یہاں تک کہ سوناری جہاں مسلم آبادی اس وقت کئی وجوہات کی بنا پر بہت کم ہے، صرف ۸۔۱۰ گھر ہی مسلمانوں کے ہیں، یہاں بھی بہت بڑا قبرستان صاف ستھرے انتظام کے ساتھ موجود ہے۔ اسی طرح کالوبگان یہاں تو مسلمان ہیں ہی نہیں، یہاں بھی باقاعدہ چاروں طرف قبرستان کی باؤنڈری ہے اور مناسب دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ ملک کے ہر گوشے میں مسلمانوں کو چاہیے کہ سب مل کر قبرستانوں کی حفاظت کے لیے تحریک چلائیں۔ اس میں علمائے کرام، دانشور حضرات، ڈاکٹر، انجینئرس وغیرہ وغیرہ تمام ذمہ داران حضرات اپنی قومی ملی ذمے داری جان کر ہاتھ بٹائیں اور مل جل کر اس قیمتی سرمائے کی حفاظت کریں۔ آنے والے دنوں میں نہ جانے فرقہ پرستوں کے کون سے فتنوں کا سامنا کرنا پڑے۔ جو لوگ قبرستان میں قبضہ کرتے جا رہے ہیں، ان کو سمجھائیں اور روکیں۔ اپنی کمی کو پہلے دور کریں۔

قبرستان کے مسائل

قرآن مجید میں قبروں کا ذکر موجود ہے:

سورہ ۶۲، آیت ۶۔ سورہ ۸۰، آیت ۲۱۔ سورہ ۵۷ آیت ۳۴۔

احادیث پاک میں اور فقہ میں بھی احکامات ومسائل موجود ہیں۔ مسلمان میت کو

مسلمانوں کے قبرستان میں ہی دفن کریں۔مقصد یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی خاص جگہ نہ بنائیں،میت بالغ ہو یا نابالغ۔

(درمختار: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ فی دفن المیت، ج ۳،ص ۱۶۶ بحوالہ بہارشریعت)

ایسے قبرستان میں دفن کرے جہاں صالحین یعنی نیک لوگوں کی قبریں ہوں۔

(درمختار: باب صلاۃ الجنازۃ، ج ۳،ص ۱۷۰ بحوالہ بہارشریعت)

دوسرے کی زمین پر میت کو دفن نہ کریں۔ بلا اجازت اگر دفن کر دیا تو مالک کو اختیار ہے، میت کے اولیا(GUARDIAN) سے کہہ کر مردے کو نکال سکتے ہیں۔غصب (ناجائز قبضہ) کی زمین میں بھی مردے کو دفن نہ کریں۔اسی طرح شفعہ زمین (وہ زمین جو پڑوسی کو نہ دے کر دوسرے کو دی گئی ہو یا اس زمین پر کسی کا حق باقی ہو)ایسی زمین پر مردہ کو دفن نہ کریں۔(درمختار: کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ الجنازۃ فی دفن المیت، ج ۳،ص ۱۷۱ بحوالہ بہارشریعت: ج ۴،ص ۸۴۷۔ ۸۴۲)

قبر پر نوحہ (رونے) سے عذاب ہوتا ہے:

قبر پر بیٹھ کر نوحہ (رونے) سے مردے پر عذاب ہوتا ہے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ر ایک عورت پر ہوا جو قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر۔وہ بولی: جاؤ جی پرے ہٹو۔یہ مصیبت تم پر پڑتی تو پتہ چلتا۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان نہ سکی تھی۔تبھی لوگوں نے اسے بتایا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے تو اب گھبرا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر پہنچی۔وہاں اسے کوئی دربان نہ ملا۔پھر اس نے کہا میں آپ کو پہچان نہ سکی تھی۔(معاف فرمائیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صبر تو جب صدمہ شروع ہو اس وقت کرنا چاہیے۔(اب کیا ہوتا ہے)۔(بخاری: حدیث نمبر ۱۲۸۳)

آج کل قبرستانوں میں پکا راستہ بنانے کا رواج ہو گیا ہے جو انتہائی سخت گناہ کا کام ہے۔قبروں پر چلنے سے مردے کو تکلیف ہوتی ہے۔انتظامیہ کے لوگوں کے لیے قبرستان کے

مسائل کی جانکاری بے حد ضروری ہے ورنہ ثواب کے بجائے گناہ گار ہوں گے۔ عوام کو آرام پہنچانے کی نیت سے قبرستان میں راستہ نکالنا، بنانا گناہ عظیم ہے چہ جائیکہ پتھروں کو بچھا کر قبرستان میں جگہ جگہ باقاعدہ راستہ بنا دینا۔ یہ انتہائی گناہ کا کام ہے۔ مسجدوں کو راستہ نہ بناؤ اور قبرستان کو راستہ نہ بناؤ، یہ بڑا سخت گناہ ہے۔ یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ قبرستان کے مسائل بھی جانیں اور قبرستان کی بہتری کے لیے ہر ذمہ دار مسلمان ضرور اپنی ذمہ داری نبھائے کیوں کہ اسے بھی ہر حال میں وہیں جانا ہے۔ آئے دن ہم اپنے بھائیوں کو قبرستان چھوڑنے، دفن کرنے جاتے ہیں۔ کیا دلوں میں یہ خیال نہیں پیدا ہوتا ہے کہ ایک نہ ایک دن ہمیں بھی یہاں آنا ہے۔؟

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

(اعلیٰ حضرت)

ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی یاد رکھنا چاہیے:
''دنیا میں تم ایسے رہو گویا تم مسافر ہو اور راستہ طے کر رہے ہو۔''

(مشکوٰۃ: کتاب الجنازہ، باب موت کی آرزو)

خدارا! خواب غفلت سے بیدار ہوں۔ سوئے ہوئے کو جگایا جاتا ہے، جاگتے ہوئے کو بیدار کرنا مشکل ہے۔ ہماری غفلت ہمیں کہیں وہیں لے جا کر نہ پہنچا دے جو آج فرقہ پرست ،مسلمان بیزار، اسلام بیزار ذہنیت کے لوگ چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی شمشان گھاٹ میں جلانا چاہیے۔ دفن کرنے سے زمین کم پڑ جائے گی۔؟ دفن کرنے سے زمین کبھی کم تو نہیں پڑے گی لیکن قبرستان میں بے قبضہ ،قبرستان میں دکانیں نکالنا، گودام کے لیے استعمال کرنا ان سے ضرور ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ پھر سدھار کی گنجائش ہی نہ بچے۔ اللہ ہم تمام مسلمانوں کو قبرستان کی اہمیت اور اس کے مسائل جاننے، سمجھنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

●●●

قبرستانوں کا برا حال: ذمہ دار کون؟

اللہ رب العزت ہی تمام جہانوں کا پیدا فرمانے والا ہے۔ ہر جاندار اور بے جان چیزوں کا خالق و مالک اور نگہبان ہے۔ ہر چیز اس کے قبضے اور ماتحتی میں ہے۔سب کا کارساز اور وکیل وہی ہے۔زمین وآسمان کی کنجیوں (KEYS) اور خزانوں کا وہی مالک ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّ کِیۡلٌ ۔ (سورۂ زمر: آیت ۶۲)

ترجمہ: اللہ ہی ہر چیز کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (کنزالایمان)

مزید فرمایا:

ترجمہ: اسی نے موت وحیات کو پیدا فرمایا ہے۔(سورۃ الملک: آیت ۲،۱)

یہ آیت بھی مطالعہ فرمائیں۔

ترجمہ: وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے دست (قدرت) میں (تمام جہانوں کی) سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے اور وہ غالب ہے، بڑا بخشنے والا ہے۔(کنزالایمان)

رب کریم نے موت وحیات کو اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش فرمائے گا کہ اس نے احکام الٰہی کی پابندی کی یا نہیں۔اس نے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ اب جو دنیا میں آیا ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کی زندگی کی بھی

فکر کرے۔صرف دنیا کمانا، شاندار مکان بنانا اور دنیا کو بہتر سے بہتر کرنا ہی مقصد حیات بنا لینا یقیناً خسارے کا کام ہے۔اللہ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور یہ بھی اعلان فرمایا کہ میں تمھیں روزی دیتا ہوں، تم سے نہیں مانگتا۔(قرآنی مفہوم) انسان یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک نہ ایک دن مرنا ہے، پھر بھی دنیاوی زندگی سجانے سنوارنے میں مگن ہے۔جب کہ سب کو مرنا ہے اور سبھی کو زمین میں ہی دفن ہونا ہے اور سب کو وہی دو گز زمین ملے گی۔بادشاہ ہو یا فقیر، لاٹ صاحب ہوں یا مزدور، سب کو زمین کے ہی گڈھے میں ہی دفن ہونا ہے۔

میت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ جائز نہیں کہ میت کو زمین پر رکھ دیں اور چاروں طرف سے دیواریں کھڑی کر کے بند کر دیں۔قبر کی لمبائی میت کے قد کے برابر اور چوڑائی آدھے قد کے برابر اور گہرائی کم از کم آدھے قد کے برابر ہو۔(وقار الفتاویٰ: کتاب الصلاۃ الجنازہ، ص ۲۶، ج ۱)

قبروں کے اندر باہر کسی طرح کی سجاوٹ کرنا منع ہے۔اب وہاں نہ صوفہ ہے، نہ (LED) بلب کی روشنی ہے، نہ نائٹ بلب۔اپنے اپنے اعمال کے مطابق وہیں سے جزا وسزا کا دور شروع ہو جائے گا۔انتہائی عبرتناک حدیث پاک ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

آقا ﷺ نماز میں یہ دعا پڑھتے، اے اللہ! قبر کے عذاب سے میں تری پناہ مانگتا ہوں۔زندگی اور موت کے فتنوں سے تری پناہ مانگتا ہوں۔دجال کے فتنوں سے تری پناہ مانگتا ہوں، گناہوں اور قرض سے تری پناہ مانگتا ہوں۔(ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ تو قرض سے بہت ہی پناہ مانگتے ہیں! اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مقروض ہو جاتا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلاف ہو جاتا ہے۔(بخاری حدیث: حدیث نمبر ۸۳۲)

اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں۔مثلاً دیکھیے بخاری: حدیث نمبر حدیث ۲۱۶

دنیا میں شاہی زندگی گزارنے کے بعد اب اعمال کے اعتبار سے اللہ رب العزت قبر کو کشادہ فرمائے گا۔انسان کے اعمال کے مطابق قبر انسان کو دبوچے گی، اتنی طاقت سے کہ

سیدھی طرف کی پسلی بائیں طرف چلی جائے گی اور بائیں طرف کی سیدھی طرف چلی جائے گی اور مردہ تکلیف سے زور سے چیخے گا کہ میلوں اس کی آواز جائے گی۔ سوائے انسان کے ہر مخلوق اس کی آوز سنے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر انسان مردے کی چیخ سن لے تو بے ہوش ہو جائے گا۔ (حدیث کا مفہوم)

سب سے پہلے تدفین حضرت ہابیل کی ہوئی

جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو چوں نکہ اس سے پہلے کوئی آدمی مرا نہیں تھا اس لیے قابیل حیران تھا کہ بھائی کی لاش کو کیا کروں۔ چنانچہ کئی دنوں تک وہ لاش کو پیٹھ پر لادے پھرا۔ پھر اس نے دیکھا کہ دو کوے آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ پھر زندہ کوے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر ایک گڑھا کھودا اور اس میں مرے ہوئے کوے کو ڈال کر مٹی سے دبا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر قابیل کو معلوم ہوا کہ مردے کی لاش کو زمین میں دفن کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے قبر میں بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔

اللہ نے مردے کو زمین میں دفن کرنے کا طریقہ قرآن میں بتایا ہے۔ دیکھیے:

سورہ المائدہ: آیت ۳۱۔ سورہ المائدہ: آیت ۵۷۔ سورہ ۷۵، آیت ۳۴۔ سورہ ۸۰، آیت ۲۱۔ وغیرہ

قبر کے اندر کی دیواریں وغیرہ کچی مٹی کی ہوں، آگ کی پکی ہوئی اینٹیں استعمال نہ کی جائیں۔ اگر اندر پکی ہوئی اینٹ کی دیواریں ضروری ہوں تو پھر اندرونی حصہ مٹی کے گارے سے اچھی طرح سے لیپ دیا جائے۔ (ردالمختار: کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ فی دفن المیت، ج ۴، ص ۱۶۷/ عالمگیری: ج ۱، ص ۱۴۴)

قبر کے اندر چٹائی وغیرہ بچھانا ناجائز ہے کہ بے سبب مال ضائع کرنا ہے۔ قبر اونٹ کی کوہان کی طرح ڈھال بنائیں، چوکھونٹی ڈھال رکھیں اور قبر کو اینٹوں سے پکی نہ کریں۔ قبر ایک بالشت یا تھوڑا اور اونچی ہو، زیادہ اونچی نہ بنائیں۔ بعد دفن قبر میں پانی چھڑکنا مسنون ہے۔

(ردالمحتار: ج ۳ ص ۱۴۹۔ ۱۴۸ بحوالہ فتاویٰ رضویہ: ج ۹، ص ۳۷۳)

مردے کے لیے دعاے مغفرت سنت ہے، ضرور کریں:

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:
بے شک اللہ تعالیٰ ایک نیک بندے کا درجہ بلند فرمائے گا تو وہ کہے گا کہ اے میرے رب! کہاں سے یہ مرتبہ مجھ کو ملا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے بیٹے نے تیرے لیے مغفرت کی دعا مانگی ہے اس لیے تجھے یہ درجہ ملا ہے۔
(مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبہ، ج ا ص ۴۴۰، حدیث ۲۳۴۵)
ایصال ثواب و دعاے مغفرت کی اور بھی حدیثیں ہیں، انہیں اسلامی کتب میں مطالعہ فرمائیں۔

قبروں کی بے حرمتی نہ کریں:

حضور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے منع فرمایا ہے، فرماتے ہیں:
''اب زمانہ منقلب ہوا، لوگ جنازے کے ساتھ اور دفن کے وقت قبروں پر بیٹھ کر لغویات وفضولیات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ ولہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انھیں ذکر خدا ورسول کی طرف مشغول کرنا عین ثواب ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ: ج۹، ص ۷۳/ ص ۱۷)
بلکہ میت کے لیے بکثرت دعا مانگو حضور ﷺ سے قبل نماز و بعد نماز دونوں وقت میت کے لیے دعا فرمانا اور مسلمانوں کو دعا کا حکم دینا ثابت ہے۔
(صحیح مسلم: کتاب الجنائز بحوالہ فتاویٰ رضویہ: ج۹، ص ۱۷)
مومن قبروں کے اندر بھی تلاوت کرتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے:
ایک صحابی نے ایک جنگل میں زمین کے اندر سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز سنی۔ حضور ﷺ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کی وہاں کسی مومن کی قبر ہے۔ زندگی میں سورۂ ملک پڑھا کرتا تھا، اب بھی قبر میں پڑھ رہا ہے۔ (تفسیر نور العرفان: ص ۸۹۷)
قبرستان یا قبروں کی حرمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قبروں پر نماز جنازہ بھی پڑھنا ہرگز جائز نہیں، نہ ان پر کوڑا کرکٹ ڈالنا جائز، ممانعت کریں، بندوبست

کریں، ہاں اگر وہاں اس کے قریب کوئی قطعہ زمین ایسی ہو جہاں قبریں نہ تھیں تو وہاں نماز کی اجازت ہے۔ میت اگر تابوت کے اندر ہے تو نماز اس میں جائز ہے۔

(فتاویٰ رضویہ: کتاب الجنائز، ج۹،ص۴۹)

قبرستانوں کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں کی ہے

ہر زندہ قوم اپنی تہذیب و ثقافت کی حفاظت کرتی ہے۔ قبرستان بھی مسلمانوں کی ضرورت و پہچان ہے۔ آج اگر کوئی دوسرا ہمارے مذہب وشعار کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو ہم سبھی اس کی مخالفت کرنے لگتے ہیں لیکن آج قبرستانوں کا جو خراب حال ہے اس کے ذمہ دار مسلمان ہی ہیں، کوئی دوسری قوم کے لوگ نہیں ہیں۔ قبرستانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا، دوکانیں بنانا، مارکیٹ بنانا، گودام بنانا وغیرہ وغیرہ، یہ کام آر ایس ایس، بجرنگ دل، شیوسینا والے نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمارے بھائی بند یعنی مسلمان ہی کر رہے ہیں۔ حیرت کہ کبھی مسلمان قائد نے اس پر اپنی زبان نہیں کھولی۔ شعائر اسلام اور ثقافت کے خلاف جو کام اپنے لوگ کر رہے ہیں تو لوگ ''ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم'' بن جاتے ہیں۔ یہ بہت تشویشناک ہے۔

ہم سب کی دینی و اخلاقی ذمہ داری ہے، مل بیٹھ کر اس سلگتے ہوئے مسئلے پر دھیان دیں اور ضرور قدم آگے بڑھائیں۔ خدانخواستہ کہیں ایسا زمانہ آ جائے کہ مردہ لے کر لوگ گھوم گھوم کر مردہ دفن کرنے کے لیے زمین تلاش کرتے پھریں۔ کوئی عجب نہیں کہ مسلم دشمن عناصر ایسا قانون بنا دیں گی کہ مسلمانوں کو بھی شمشان میں جلایا جائے جیسے کی آواز اٹھائی جا رہی ہے کہ قانون بنایا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ خدارا! مسلمانوں جاگو، اور اپنے دین اور ایمان وثقافت اور قبرستانوں کی دیکھ بھال وحفاظت کرو۔ اگر ہر آمی نہیں بولے گا تو خرابی اور بڑھے گی۔ خواب غفلت سے بیدار ہوں، غیرت ایمانی سے اس میں حصہ لیں۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

●●●

تربیت اولاد کی اہمیت اسلام میں

اولاد اللہ کی نعمت ہے، بیٹا ہو یا بیٹی، اولاد کی خواہش ہر انسان کو ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ انبیاے کرام نے بھی اولاد کی تمنا کی اور اللہ سے اولاد کی دعا فرمائی۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (سورہ الصافات: آیت ۱۰۰)

ترجمہ: الٰہی! مجھے لائق اولاد دے۔

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔ (سورہ الصافات: آیت ۱۰۱)

ترجمہ: تو ہم نے اسے خوش خبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔ (کنزالایمان)

حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کی دعا مانگی:

ترجمہ: وہ میرا جانشین ہو اور اولاد یعقوب کا وارث ہو، اور اے مرے رب! اسے پسندیدہ کر۔ (سورۂ مریم: آیت ٦)

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اے زکریا! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جن کا نام یحییٰ ہے، اس کے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا۔ (سورۂ مریم: آیت ۷، کنزالایمان)

اولاد جیسی قیمتی نعمت کی مانگ نبیوں نے کی، ساتھ میں نیک وصالح کی بھی دعا مانگی۔ رب کریم نے بھی اولاد کی نعمت عطا فرمانے کے ساتھ یہ فرمایا کہ میں نے عقلمند صالح اولاد عطا کی اور نام بھی رکھ دیا۔ جتنی قیمتی چیز ہوتی ہے اتنی ہی اس کی دیکھ بھال پر توجہ دینی ہوتی ہے

اسی لیے مذہب اسلام نے عبادت کے ساتھ ساتھ والدین پر بچوں کی تربیت کو لازمی فریضہ قرار دیا۔ ماں باپ بچوں کے تعلق سے جواب دہ ہیں۔ ان کا اسلامی فریضہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو صالح نیک بننے کے لیے خصوصی CLOSE)ATTENTION) تربیت (TRAINING) دیں اور جوان ہونے تک نیک وصالح بننے کی ترغیب دیتے رہیں۔ یاد رکھیں! اولاد کو صحیح تربیت دینا، انھیں آداب سکھانا اور ان کی زندگی کو نیک پرہیزگار بنانا صرف اور صرف ماں باپ کی ذمہ داری ہے، اور یہ ذمہ داری اللہ ورسول ﷺ کی جانب سے عطا کی گئی ہے۔ چھوٹی عمر ہی سے بچوں میں اسلامی واخلاقی رنگ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

جب مٹی کچی ہو تو رنگ جلدی اور آسانی سے پکڑتا ہے، عمر بڑی ہونے پر مشکل ہوگی۔ دینی واخلاقی صلاحیت نہ ہونے سے بچے اپنی من مانی کرنے لگتے ہیں اور بعد میں والدین کو اس کی سزا بھگتنا، نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بچہ لاعلاج بن کر گھر کا سکون تباہ وبرباد کر دیتا ہے اور سماج (SOCIETY) کے لیے بھی دردسر بنا رہتا ہے۔ اس ذمہ داری میں والدین اور اساتذہ کے ساتھ پوری ملت بھی شریک ہے لیکن براہ راست ذمہ داری والدین اور اساتذہ پر عائد ہوتی ہے اس لیے انہیں کو اس ضمن میں سب سے زیادہ فکرمند رہنا چاہیے۔ خصوصاً آج کے حالات میں تو اس طرف بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ معمولی سی غفلت کرنے پر نہایت خطرناک نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آج کے مغربی تہذیب اور (TV CULTURE) کے ننگے سیلاب میں والدین کی ڈبل ذمہ داری ہوگئی ہے کہ کس طرح سے اس نقصان سے اپنے کو اور اپنے بچوں کو بچائیں۔ اللہ ورسول ﷺ کی ہدایت کے سانچے میں خود کو ڈھالیں اور بچوں کو بھی ڈھالیں۔ ہمارا کام کوشش کرنا ہے، پورا کرنا اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔

اپنے کو اور گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ..... اَلَخْ (سورۂ تحریم: آیت ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن

آدمی اور پتھر ہیں۔اس پر سخت کرّے فرشتے مقرر ہیں جواللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جوانہیں حکم ہوا ہے وہی کرتے ہیں۔(کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ تعلیم و ہدایت،تربیت وتبلیغ کا سلسلہ مسلمانوں کو پہلے خود اپنے اور اپنے بال بچوں اور گھر والوں سے شروع کرنا چاہیے۔ایسا نہ کیا جائے کہ دوسروں کو بتائیں اور خود ہمارے گھروں میں اندھیرا چھایا رہے۔اللہ نے اپنے اور گھر والوں کی ہدایت وتربیت کا حکم فرمایا۔پہلے اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو درست کیا جائے اور جہنم کی آگ سے بچایا جائے تو یہ سب سے بڑی دین وملت کی خدمت ہوگی۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کے لیے اس عطیہ سے بڑھ کر نہیں کی کہ اس کی اچھی طرح سے تعلیم وتربیت کرے۔''

دوسری حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

بیٹے کی تعلیم صدقہ وخیرات سے افضل ہے۔(بخاری،ابودوٗد،ترمذی)

باپ نیک ہے تو اولاد نیک ہوگی:

اگر اولاد نیک ہوگی تو ماں باپ کے نیک ہونے کا پتہ چلے گا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۔ (سورۃ الکہف: آیت ۸۲)

ترجمہ: اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کہ نیکیوں کی وجہ سے اس کے بال بچے بھی دنیا وآخرت میں اللہ کی رحمت ومہربانی حاصل کر لیتے ہیں،اس کا ذکر قرآن وحدیث میں صراحتاً (DETAIL) موجود ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب رات میں نوافل پڑھتے تو سامنے اپنے بچے کو سویا ہوا دیکھ کر کہا کرتے تھے: من اجلك یابنی یہ تیرے روشن مستقبل کے لیے ہے اور روتے ہوئے "وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا" کی تلاوت کرتے۔ذرا سوچیے کہ اولاد کو نیک رکھنے کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کا عمل کیسا تھا۔آج ہم دن بھر صرف دنیا کمانے میں مگن رہیں،رات میں ٹی وی کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور بچوں

کے سامنے وہ سب دیکھتے ہیں جو شرم وحیا کو برباد کردے۔ پھر چاہیں گے کہ اولاد نیک رہے ۔یہ کیسے ممکن ہے۔؟ گھوڑے کی نال، بھالو کے بال اور جنتر منتر کرا کر چاہتے ہیں کی اولاد راہ راست پر آجائے۔ یہ ناممکن ہے۔اپنے ایمان وعقیدے کا جائزہ لیں، ایمان مضبوط اور عقیدہ صحیح کریں، اللہ کی عبادت کریں، اللہ سے دعا کریں تو ضرور اللہ کی رحمت ومہربانی ملے گی۔ حدیث کے ذخیرے میں بہت سی حدیثیں ہیں ۔ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں اور اپنے ایمان میں جلا پیدا کریں۔حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا،فرماتے:

انی لا صلی فاذکر ولدی فازید فی صلاتی

یعنی نماز پڑھتے ہوئے جب مجھے اپنے بچے یاد آتے ہیں تو نماز لمبی کر دیتا ہوں۔

سبحان اللہ! بچوں کو نیک وصالح رکھنے کے لیے نمازیں لمبی کی جائیں تو اللہ رحیم وکریم ہے،رحمت کی بارش فرمائے گا ہی۔سورہ الکھف میں مذکور واقعہ سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ باپ اگر نیک ہو تو اس کا فائدہ اس کی اولاد کو بھی ہوتا ہے۔کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد نیک وصالح اور آپ کی فرمابردار ہو؟ تو پھر آپ بھی اپنے کو نیک بنائیں اور عبادت گزار بنیں اور نیک وفلاحی کاموں میں وقت لگائیں۔رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: اللہ بھی اس بندے کی مدد فرماتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

اپنی اولاد کو خوش حال زندگی اور دنیا کی پریشانیوں سے نجات دلانے کا ایک اہم ذریعہ ہماری صالحیت اور نیک بختی ہے۔ ہر شخص کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کی اولاد نیک اور فرماں بردار ہو لیکن صرف خواہش سے کچھ نہیں ہوتا اس کے لیے خود بھی نیک اور صالح بننے کی ضرورت ہے۔اولاد اگر نیک رہے گی تو ماں باپ کے لیے اور ملک وسماج کے لیے بھی فائدہ مند رہے گی۔اللہ ہم سب کو اولاد کی تعلیم وتربیت پر توجہ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین،ثم آمین۔

●●●

وقت انمول ہے، اس کی قدر کریں اور کاہلی سے دور رہیں

وقت کسی کے لیے نہیں رکتا۔ جس نے اس کی قدر کی، اس کو کامیاب اور طاقت ور بنا دیتا ہے اور جس نے اس کی بے قدری کی اس کو یہ معاف نہیں کرتا ہے۔ اسے کنگال بنا دیتا ہے۔ قرآن کریم واحادیث کریمہ میں وقت کی بہت اہمیت بتائی گئی ہے۔ نماز وحج جیسی اہم عبادات کو بھی اللہ رب العزت نے وقت کے ساتھ مقرر فرمایا۔ خود فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۰۳)

ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر وقت کے حساب سے فرض ہے۔

ایک وقت کے بعد دوسرا پھر دوسرے کے بعد تیسرا۔ اللہ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر مختلف اوقات کی قسم یاد فرمائی ہے، جس سے وقت TIME کی بے پناہ اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَالۡفَجۡرِ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ

ترجمہ: اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔ (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ میں ''چاشت کے وقت اور رات'' کی قسم یاد فرمائی ہے۔ اور بھی آیتیں قرآن کریم میں ہیں جو وقت کی اہمیت کو بتاتی ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمیں اور مذاہب کے ماننے والوں سے بڑھ کر وقت کی قدر کرنا چاہیے کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ دنیاوی زندگی آخرت کی کھیتی ہے۔ ہم اس میں جو وقت اللہ ورسول کے لیے اور اپنے اور اپنے بچوں کے لیے صرف کریں گے، وہی کام آئے گا۔ اگر وقت کا صحیح استعمال کریں گے تو کل قیامت

میں اس کا اجر ملے گا۔

ترجمہ:۔ (ان سے کہا جائے گا:) خوب لطف اندوزی کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان (اعمال) کے بدلے جو تم گزشتہ (زندگی کے) اَیام میں آگے بھیج چکے تھے۔

(سورۃ الحاقۃ: آیت ۲۴)

اس کے برعکس اگر زندگی میں وقت کی قدر نہ کی، اسے غفلت اور سستی و کاہلی میں گزارتے ہوئے برائی اور بدعملی میں برباد کیا تو پھر مایوسی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قرآن مجید میں کئی جگہ اللہ رب العزت نے فجر، صبح، چاشت، رات، دن اور زمانے کی قسم یاد فرمائی ہے۔ان آیات کریمہ کے ذریعے ہمیں جھنجھوڑا (جگایا) جارہا ہے کہ اپنی زندگی کے اوقات (TIME) کو معمولی اور حقیر نہ سمجھو۔ایک ایک سکنڈ کا تم سے حساب ہونا ہے۔

احادیث طیبہ میں وقت کی اہمیت

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''دونعمتوں کے بارے میں اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں: صحت اور فراغت۔''

(بخاری: کتاب الرقاق، لاعیش اِلاعیش الاخرۃ، حدیث نمبر ۲۳۵۷۔ ۶۰۴۹/ ترمذی: کتاب ا لزھد، حدیث نمبر ۲۳۰۴)

رب قدیر نے انسانوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ یہ رحمتیں، نعمتیں اس کی جاگیر ہیں، ہمیشہ وہ اس پر قابض رہے گا۔حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔یہ انسانی بھول اور شیطانی وسوسہ ہے۔اللہ اگر نعمتیں عطا فرمانے پر قادر ہے تو نعمتیں چھین لینے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔یاد رہے کہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو وقت کی قدر کرنے کی زبردست تلقین کی ہے۔سرکار مدینہ ﷺ کا فرمان عالی شان ملاحظہ فرمائیں:

''اولاد آدم پر نیا آنے والا دن (اسے مخاطب ہوکر) کہتا ہے: اے مخلوق ابن آدم! میں نئی مخلوق ہوں، میں کل (یوم قیامت) تمھارے عمل کی گواہی دوں گا۔پس تم مجھے کبھی بھی دیکھ نہیں سکوگے۔آپ ﷺ نے فرمایا! اس طرح کے کلمات رات بھی دہراتی ہے۔''

اتنے واضح احکامات کے بعد بھی اگر کوئی مسلمان غفلت و سستی کا مظاہرہ کرے اور اپنے دن رات کو کھیل کود، لہولعب، فضول باتوں، سیر و تفریح، سونے میں گزار دے تو اس سے بڑا کم نصیب اور نادان کوئی ہو نہیں سکتا اور ایسے شخص پر صرف افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

وقت سب سے بڑا بے رحم ہوتا ہے

وقت بڑا بے رحم ہے، کسی کی پرواہ کیے بغیر چلتا جاتا ہے۔ جو اس کے ماتحت (UNDER) رہ کر کام کرتا ہے، اسی پر رحم کر کے کامیاب کرتا ہے اور جو اس کے ماتحت نہیں رہتا یعنی اس کی قدر نہیں کرتا ہے تو وقت بھی اس کی پرواہ کیے بغیر اس سے کوسوں آگے بڑھ جاتا ہے۔ جو وقت سے فائدہ اُٹھا لیتا ہے، وقت اس کے کام آجاتا ہے۔ جس نے وقت پر وقت کی قدر کی، وہی انسان عظیم مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اگر زندگی میں کچھ کر گزرنے کی لگن اور چاہت دل میں ہے تو وقت کی قدر کرنا چاہیے۔ اگر وقت کی قدر نہ کی تو ایک قیمتی خزانہ کھو دو گے۔ یاد رکھو! جو وقت گزر جاتا ہے، وہ کبھی واپس نہیں آتا ہے۔ اگر ہم پابندیِ وقت کے ساتھ کام کرنا، محنت کرنا سیکھ جائیں تو ہم زندگی میں کسی کے محتاج نہیں ہوں گے اور نہ ہی کسی اور سے کسی قسم کی امید رکھنے کی چاہت ہوگی۔ نظام زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہم کو وقت TIME کے تعین اور وقت کی مقدار و قیمت COST کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح قدرت کا نظام اپنے مقررہ وقت پر مکمل ہو رہا ہے۔ چاند و سورج کا طلوع و غروب، زمین و دیگر قدرتی نظام سب ہم کو وقت کی قدر کے بارے میں آگاہ کر رہے ہیں۔ مشہور کہاوت ہے کہ ”ایک منٹ کا بھولا لاکھوں کوس دور نکل جاتا ہے“۔ پھر صرف افسوس کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

وقت کی ناقدری، تساہل، سست روی، ٹال مٹول، تاخیر اور ”پھر کبھی“ جیسے الفاظ ہمارے بہت بڑے دشمن ہیں۔ ہمارے اور ہمارے مستقبل FUTURE کے لیے انتہائی تباہ کن ہیں۔ یہ نشہ آور چیزوں سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ جو شخص نشہ کرتا ہے، وہ معاشرے سے کافی حد تک کٹ جاتا ہے مگر سست اور کاہل آدمی معاشرے میں شامل رہ کر معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔ حضرت علامہ امام عبد الرحمٰن ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے (۵۹۷۔۵۱۱ھ) اپنی

مشہور کتاب ''منھاج القاصدین'' میں توبہ کے باب میں ایک الگ باب قائم فرمایا ہے: ''باب تسویف'' (آئندہ کرلوں گا)۔اس باب میں کاہل لوگوں کے بارے میں لکھا ہے:

''آئندہ (کل) پرٹالنے والے کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے ایک درخت اکھاڑنا ہو۔ وہ دیکھے کہ درخت بہت مضبوط ہے، بہت محنت سے اکھڑے گا۔ تو وہ کہے کہ میں ایک سال بعد اس کو اکھاڑنے کے لیے آؤں گا۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ درخت جتنی مدت باقی رہے گا، مضبوط ہوجائے گا اور خود اس کی عمر گزرتی جائے گی، وہ کمزور ہوتا جائے گا۔ جب وہ طاقتور ہو نے کے باوجود درخت کی کم زوری کی حالت میں اسے نہیں اکھاڑ سکتا تو جب وہ کمزور ہو جائے گا اور درخت زیادہ طاقتور، تو پھر اس پر کیسے غالب آسکے گا؟۔''

کاہلی کیا ہے؟

مزاج اور رویے کے باعث ہم وقت کی قدر نہیں کرتے اور بہت سے اہم کام اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ ابھی بہت وقت ہے اور عمر باقی ہے۔ اس طرح ہم کاہلی (جو کوڑھ کی طرح ہے) کی وجہ سے اللہ کی انمول نعمت ''وقت'' کو برباد کرتے رہتے ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''جوں ہی آنے والے دن کی پو پھٹتی ہے تو وہ آواز لگاتا ہے: آدم کی اولاد! میں اللہ کی نئی تخلیق ہوں اور تمھارے اعمال کا گواہ، اس لئے مجھ سے جتنا زیادہ زادِراہ لے سکتے ہو، لے لو۔ میں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا''۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو دو دھڑکے لگے رہتے ہیں، ایک اس کا ماضی جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے کیا نتائج ظاہر کرے گا اور دوسرا اس کا مستقبل FUTURE جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اس لیے آدمی کو اپنی جان کی خاطر اپنی جان کو، آخرت کی خاطر دنیا کو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی کو کام میں لانا چاہیے۔

ایک حدیث میں ٹال مٹول کو شیطان کا شعار (طریقہ) فرمایا ہے جس کو وہ مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔

علامہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمر کی سانسوں میں ہر سانس ایک نفیس جوہر ہے جس کا معاوضہ کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ ہماری زندگی میں ''کل'' کا لفظ بھی ایک دھوکا ہے جو انسان کو ''وقت'' TIME ضائع کرنے کی شرم اور افسوس سے بچاتا رہتا ہے۔ انسان کی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو ''کل'' کے لفظ کی طرح اتنے گناہوں، اتنی حماقتوں، اتنی وعدہ خلافیوں، اتنی بے جا امیدوں، اتنی غفلتوں، اتنی بے پرواہیوں اور اتنی برباد ہونے والی زندگیوں کے لیے جواب دہ ہو کیوں کہ اس کا آنے والا ''کل'' یعنی ''فردا'' کبھی نہیں آتا۔ وقت ایک بار گزر گیا، مر گیا، اب گزرے ہوئے وقت کی قبر پر آنسو بہاؤ۔ عقل مندوں کے رجسٹروں میں ''کل'' کا لفظ کہیں نہیں ملتا البتہ کاہل اور وقت برباد کرنے والے بے وقوفوں کی جنتریوں میں بکثرت ملتا ہے۔ یہ تو محض بچوں کا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تم کو کل دے دیا جائے گا۔ ''کل'' کا لفظ وقت برباد کرنے والے کاہل لوگوں کے لیے ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں، اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ کامیابی کی شاہ راہ (HIGHWAY) پر بے شمار اپاہج، کاہل، وقت برباد کرنے والے سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہائے! ہم نے اپنی تمام عمر، وقت برباد کر کے اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں وقت کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ نماز، روزہ، ہم کو پابندی کا درس (سبق) دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ وقت دولت کا محتاج نہیں جب کہ دولت وقت کی محتاج ہے۔ اگر وقت میں ذرا سی غفلت برتی جائے تو دولت کیا زندگی بھی ہم سے کوسوں دور نکل جاتی ہے۔ اگر وقت کی قدر ''وقت'' پر نہ کی جائے تو پھر دوبارہ اس کا موقع نہیں آتا۔ اگر آپ ایک منٹ کو ضائع نہ کریں تو گھنٹہ اپنے آپ ضائع ہونے سے بچ جائے گا کیوں کہ منٹ منٹ ہی ملنے سے گھنٹہ بنتا ہے۔ وقت کا ایک لمحہ SECOND بھی ضائع نہ کریں، لمحوں کو استعمال کر کے آپ مہینوں اور سالوں کے مالک بن سکتے ہیں۔ اگر آپ روزانہ اپنے ایک گھنٹے کا صرف پانچ منٹ کھودیتے ہیں تو رات دن ملا کر آپ نے روزانہ کے دو گھنٹے کھودیے، مہینے میں ساٹھ گھنٹے اور سال میں ۷۲۰ گھنٹے آپ کے ضائع ہوگئے۔ اس طرح اللہ کی طرف سے ملا ہوا قیمتی ''وقت'' بیکار ضائع کر دیا۔ تمام لوگوں خصوصاً نوجوانوں کو وقت کی قدر زیادہ کرنا چاہیے

کیوں کہ ان کو اپنے مستقبل کو تعمیر کرنا ہے۔افسوس! آج کا نوجوان روزانہ سوشل میڈ یا پر اپنے قیمتی وقت کے کئی کئی گھنٹے ضائع کر دیتا ہے۔ یہ قیمتی وقت وہ کہاں سے نکالتا ہے؟ اپنی تعلیم اور اپنے ضروری کام کے اوقات سے۔ وہ وقت جو اسے اپنے اہلِ خانہ کو دینا چاہیے۔شا دی شدہ ہے تو اپنی بیوی بچوں اور گھر والوں اور خاص طور پر اپنے والدین کریمین کو،لیکن دن بھر گھر سے باہر رہنے کے بعد واپس آ کر بھی وہ اپنا وقت موبائل،کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کو دیتا ہے۔ اس سے بہت سے سماجی مسائل بھی پیدا ہورہے ہیں۔ہم سب کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

بزرگانِ دین نے اپنے وقت کو کیسے کام پر لگایا۔ چند نصیحت آموز واقعات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔صرف تفسیر کبیر تیس (۳۰) جلدوں میں ہے۔ وہ اپنی عمر کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں فرماتے تھے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے پینے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے میں ہمیشہ اس پر افسوس کرتا ہوں۔

(۲) اسمٰعیل بن اسحاق القاضی کے گھر جب کوئی جاتا تو انھیں پڑھنے لکھنے میں مصروف پاتا۔

(۳) حضرت فتح بن خاقان خلیفہ المتوکل کے وزیر تھے۔ وہ اپنی آستین میں کوئی نہ کوئی کتاب رکھتے تھے اور جب انھیں سرکاری کاموں سے فرصت ملتی تو آستین سے کتاب نکال کر پڑھنے میں لگ جاتے۔

(۴) عامر بن قیس ایک متقی زاہد تابعی تھے۔ایک شخص نے ان سے کہا: ''آؤ! بیٹھ کر باتیں کریں''۔آپ نے جواب دیا کہ پھر سورج کو بھی ٹھہرالو۔

(۵) تاریخ بغداد کے مصنف خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ حافظ کتاب فروشوں کی دکانیں کرائے پر لے کر ساری رات کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔

(۶) حضرت ابن رشد اپنی شعوری زندگی میں صرف دو راتوں کو مطالعہ نہیں کر سکے جس پر ہمیشہ افسوس کرتے۔آج ہم سیکڑوں دن رات برباد کرتے ہیں کچھ احساس نہیں کرتے۔ یہ

بے حسی توجہ کی طالب ہے۔

(۷) حضرت امام ابن جریر طبری ہر روز چودہ ورق لکھا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک لمحہ بھی فائدے اور استفادے کے بغیر نہیں گزارا۔

(۸) البیرونی کے شوق علم کا یہ عالم تھا کہ حالت مرض میں مرنے سے چند منٹ پہلے ایک فقیہ ان کی مزاج پرسی کے لیے آیا تھا تو البیرونی ان سے علم الفرائض کا ایک مسئلہ پوچھ رہے تھے۔

(۹) امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جو تصوف کے مشہور متکلم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں سونے اور کھانے کا عادی نہیں۔ مجھے دن رات میں جب نیند آتی ہے، سو جاتا ہوں اور جب بھوک لگتی ہے، کھا لیتا ہوں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، پڑھنا اور پڑھانا تھا۔

(۱۰) علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ وہ اپنی عمر کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے۔ وہ اپنی قلم کے تراشے سنبھال کر رکھ دیتے تھے چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان تراشوں سے گرم کردہ پانی سے انھیں غسل دیا گیا۔ وہ اپنے روز نامچے (ڈائری، DIARY، الخاطر) میں ان لوگوں پر کف افسوس ملتے نظر آتے ہیں جو کھیل کود اور تماشے میں لگے رہتے ہیں، ادھر ادھر بلا مقصد گھومتے رہتے ہیں اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر رائے زنی کرتے رہتے ہیں۔

(۱۱) علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مشہور مفسر قرآن (تفسیر روح المعانی) نے اپنی رات کے اوقات TIME کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ پہلے حصے میں آرام و استراحت کرتے، دوسرے میں اللہ کی عبادت کرتے اور تیسرے حصہ میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے۔

(۱۲) ماضی قریب کے علماے کرام میں حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی ذات گرامی نے اسلام کی اشاعت میں اپنی پوری زندگی صرف کر دی۔ آپ نے تصانیف کے ذریعے اصلاح عقیدہ، اصلاح اعمال، معاشرے میں پھیلی غیر شرعی رسم و رواج مٹانے کی

زبردست جدو جہد فرمائی، مصلح قوم و مجدد دین وملت کی حیثیت سے تقریری وتحریری طور پر بدعات و منکرات کی تردید فرمائی۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہیں، آج کے حالات کے اعتبار سے لوگوں کو آپ کی تصانیف کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔

آج ہم اور ہمارا نوجوان Jio,Jio میں مست ہے اور اپنا قیمتی وقت برباد کر رہا ہے۔ ایک ایک منٹ بلکہ ایک ایک سکنڈ قیمتی ہے۔ ایک سکنڈ کی قیمت اگر معلوم کرنی ہے تو جا کر معلوم کرو ان لوگوں سے جو منزل کے انتہائی قریب جا کر بھی منزل سے ہم کنار ہونے میں ناکام رہے۔ ہندوستان کی اُڑن پری P.T.Usha Indin Track and Field Athlete (ارجن ایوارڈ یافتہ ۱۹۸۴) اولمپک گیمز میں ۵۴ منٹ اور seconds001 کے سویں حصہ سے میڈل سے محروم ہوگئی تھی۔ وقت آپ کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ وقت کو ضائع ہونے سے بچائیں، اپنے وقت کے ہر ہر لمحے کی قدر کریں اور ان لمحات کو یادگار بنائیں۔ وقت کسی کا انتظار کیے بغیر ماضی کے روپ میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے اور اسی طرح جو وقت آگے آئے گا، وہ ایک معمہ ہوگا۔ صرف اور صرف آج اور ابھی ہی آپ کے پاس قدرت کا ایک عظیم انمول تحفہ وقت ہے۔ اس تحفے کا شکر ادا کریں کیوں کہ آنے والے وقت کی خبر کسی کو نہیں کہ کیا ہونے والا ہے۔ اپنے حال میں زندگی کو زندہ رہ کر گزاریں کیوں کہ زندگی کا مزہ اسی میں ہے۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عقل مند وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کو اپنے تابع رکھے اور موت کے بعد کام آنے والے عمل کرے، اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے لگ جائے اور اللہ سے بھلائی کی امید رکھے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قیامت کا حساب ہونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرو اور اعمال کا وزن ہونے سے پہلے ان کو تولو اور بڑی پیشی کے لیے تیاری کرو۔

سورۂ حاقہ میں ہے:

اس دن تم پیش کیے جاؤ گے، تم سے کوئی چیز مخفی نہ رہے گی۔

لہٰذا اپنی ذات کا جائزہ لیجیے اور وقت کے پابند بنیے اور زندگی کو کامیاب بنائیے۔

خواہش سے نہیں گرتے پھل جھولی میں
وقت کی شاخ کو میرے دوست ہلانا ہوگا
کچھ نہیں ہوگا اندھیروں کو برا کہنے سے
اپنے حصے کا دیا خود ہی جلانا ہوگا

اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

●●●

اسلام میں آبرو جان سے زیادہ قیمتی

کسی قوم کی تہذیب وتمدن اور ترقّی کا حال معلوم کرنا ہوتو دیکھو اس کے معاشرے میں عورت کا درجہ کیا ہے۔ بہترین معیار یہی ہے۔جس زمانے میں اللہ کے رسول محمد رسول ﷺ اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے تو عورت ساری دنیا میں محکوم تھی۔ وہ بہت سے قانونی حقوق سے محروم تھی، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کے ساتھ زنا کاری پر بے حیائی کے ساتھ عمل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے جو اللہ کی جانب سے آپ نے انسانیت کو پہنچائیں، ان باتوں کا یکسر خاتمہ کر دیا۔خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں عورت اور مرد مساوی سطح پر ہیں۔نیکوکاری کے معاملے میں بھی اور اس کی جزا اور انعام کے معاملے میں بھی۔قرآن حکیم میں اسی پر بار بار زور دیا گیا۔ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: جو شخص کوئی نیک کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطِ کہ صاحبِ ایمان ہو اس شخص کو (دنیا) میں اس کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔
(سورۂ نحل: آیت نمبر ۹۷، ترجمہ کنز الایمان)

خدا بیزار ذہنیت کا شاخسانہ

محض ظاہری فوائد کو نظر رکھ کر کسی شی کے اچھے برے ہونے کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی معنویت اور پوشیدہ نتیجہ خیزی کو بھی بہر حال ضرور مدنظر رکھنا چاہیے۔اخباری رپوٹوں کے مطابق یوروپ میں بہت سے لوگ بن بیاہ کیسے رہتے ہیں تو ان کی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے کچھ ایسی عورتوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو انہی کی طرح محض نفسانی تکمیل

حاجات کی تجارت کرتی ہوں لہٰذا عورتیں جو عصمت فروشی کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں سوشل(Social Workers) ورکرس کے زمرے میں داخل ہیں۔ **نعوذ باللہ** ۔اب اندازہ لگائیں، اس معیار فکر کا جس نے انسانی نظام حیات کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔

کیا ایڈس (Aids) خدائی عذاب نہیں ہے۔؟ آج ایڈس (Aids) دنیا میں بلکہ ہندوستان میں بھی یہ مرض بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ صحت محکمہ کے سابق مرکزی وزیر غلام نبی آزاد کا بیان اخبار بینوں نے پڑھا ہوگا کہ اس مہلک بیماری نے کتنی ہلچل مچا رکھی ہے۔ نہایت تیزی کے ساتھ ہزاروں مریضوں کا دم توڑ دینا کیا اس خدا بیزار سائنسی دنیا کے منھ پر قدرت کا طمانچہ نہیں ہے۔؟

خواہشاتِ نفسانی انسانی وقار کو دیمک کی طرح کھوکھلا کر دیتی ہے۔ خواہشات کی اتباع کرنا شانِ بندگی کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے۔ سماج کے صالح فرد میں خواہشات و شہوات کی زیادتی سماج کے لیے رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ جیسے ابھی دہلی میں دامنی نام کی لڑکی کے ساتھ (ریپ کیس Rape case) کا واقعہ ہوا اور پھر مسلسل حادسات ہوتے چلے آرہے ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کی عورت کی آزادی کے نام پر بلا روک ٹوک دیر رات تک (Boy Friend) کے ساتھ گھومنا پھرنا اب کوئی معیوب بات نہیں رہی۔ اس سے جنسی اختلاط پروان چڑھے گا تو انجام کار افعالِ شنیعہ (برے کام) کا ارتکاب ضرور ہوگا۔

اسی لیے محمد عربی ﷺ نے واضح قانون کا نفاذ فرماتے ہوئے خدائی حکم کا اعلان فرمایا:

ترجمہ: زنا کے قریب نہ جاو یہ بڑی بری راہ ہے اور برا چلن ہے۔

(سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۱۷، کنزالایمان)

زنا انتہائی برا فعل ہے۔ صرف اس سے اجتناب اور پرہیز ضروری نہیں بلکہ اس کے دواعی، اسباب اور اس سے قریب کرنے والے کاموں سے بھی بچنا ضروری ہے کیوں کہ شرافت و نجابت کا یہ تقاضا ہے کہ یہ فعل بد تو بہت دور کی بات، اس کے جتنے دواعی ہیں، ان سے بھی اجتناب و احتراز کیا جائے۔ اسی لیے اسلام نے ان تمام حرکات و سکنات کو، جو بے حیائی، بے شرمی اور بدکاری میں معمولی سا رول بھی ادا کرتے ہیں، انہیں بھی حرام قرار

دے دیا اور معاشرے کو ان سے پاک وصاف کر کے صالح معاشرہ (Society) بنانے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔

انسانی جان کی اہمیت ہر مذہب وملّت میں موجود ہے۔ اسلام میں انسانی جان کے قتل میں قصاص کی سزا مقرر ہے مگر ناموس (عزت) انسانی کو داغ دار کرنے والے زانی (Rapist) کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ اگر کسی کے ہاتھوں کوئی ہلاک ہو جائے اور مقتول کے ورثا اگر رضا مند ہو جائیں تو جان کے بدلے مال فدیہ یعنی (دیت، جرمانہ) لے کر قاتل کی جان بخشی کر سکتے ہیں مگر زانی (Rapist) اور زانیہ کے سلسلے میں (both side) طرفین کی مصالحت کی بنیاد پر بھی اس جرم کی تلافی کا کوئی راستہ نہیں۔

معلوم ہوا اسلام میں ناموس وعصمت کو انسانی زندگی سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اور زنا کے مجرم کو خدائی مجرم قرار دے کر موت کی سزا مقرر کرتا ہے اور حکم دیتا ہے:

ترجمہ: زنا کے قریب نہ جاؤ یہ بڑی بری راہ ہے اور برا چلن ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۱۷، کنز الایمان)

آج بھی وہ تمام برائیاں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں جو ایام جاہلیت میں کی جا رہی تھیں لیکن فرق اتنا ہے کی اس وقت تاریکی میں کی جا رہی تھیں مگر آج علم وفن اور تہذیب وآزادی کے نام پر کی جا رہی ہیں لہٰذا ضرورت ہے کہ محمد عربی ﷺ کی نافذ کردہ اصلاحات کو عام کیا جائے، اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی جائے اور معاشرے کو صالح اور پاکیزہ ماحول عطا کیا جائے۔

نوٹ: قارئین سے گزارش ہے کہ مضمون کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پڑھایا جائے، اردو اخبار خرید کر پڑھا جائے تا کہ دین کی اشاعت وتبلیغ ہو۔ آمین ثم آمین۔

●●●

اچھے نام رکھنا اور اچھے نام سے پکارنا سنتِ الٰہیہ ہے

ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے وارث عطا فرمائے یعنی اسے ایسی اولاد عطا ہو جو نیک و صالح ہو اور اس سے خاندان کی شان بلند ہو اور اس کے لیے شادی ہونے کے فوراً بعد اللہ کے حضور دعائیں مانگی جانے لگتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ پیغمبروں نے جس طرح اللہ سے اولاد جیسی نعمت الٰہی کے حصول کے لیے اپنا دست سوال اُٹھایا ہے اسی طرح اے مسلمانو! تم بھی میرے آگے اپنا دست سوال اُٹھاؤ، میں تمہاری جھولی اس نعمت سے بھر دوں گا۔

قرآن پاک میں اولاد کی دعا کے لیے کئی جگہ ذکر موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا فرمائی:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورہ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۹۹)

الٰہی! مجھ کو لائق اولاد دے۔

ربِ کریم نے ارشاد فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (سورہ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۱۰۰) تو ہم نے اسے خوش خبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (سورہ نمبر ۳، آیت نمبر ۳۸)

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

دوسری جگہ قرآن میں دعائے زکریا علیہ السلام یوں ہے:

ترجمہ: اللہ! ہمیں وارث عطا فرما جو میرا کام اٹھالے، میرا بھی وارث ہو اور اولاد یعقوب کے خاندان کا بھی جانشین ہو اور اے میرے رب! تو اسے مقبول بندہ بنالے۔

(سورۂ مریم: آیت نمبر ۴-۵)

معلوم ہوا کہ بیٹے کی دعا کرنا سنتِ انبیا ہے مگر نفس کے لیے نہیں بلکہ رب کے لیے کہ وہ دین دار ہو، اللہ کا نیک بندہ ہو، نیک اور صالح ہو تا کہ ہمیں قبر میں اس کی نیکیوں سے آرام پہنچے۔

اللہ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا پر انہیں خوش خبری سنائی:

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۞

(سورہ نمبر ۱۹، آیت نمبر ۶)

ترجمہ: اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دعا قبول فرمائی بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرما دیا۔ اولاد خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، یہ اللہ کی رحمت ونعمت ہے۔ اسلام سے پہلے عرب میں لڑکی کی پیدائش کو بہت خراب مانا جاتا تھا اور اس کو اکثر زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ آج بھی ترقی کا دور کہلانے کے باوجود ہندوستانی معاشرے میں لڑکی کی پیدائش پر اظہار افسوس کیا جاتا ہے۔ مذہب اسلام نے اس کو سختی سے منع کیا اور ناپسند کیا ہے۔

اچھے نام رکھنے اور برے ناموں سے بچنے کی فضیلت:

اللہ پاک جو اپنے نام سے ہی یکتا اور بے مثل ہے، جس نے نہ صرف اس کائنات رنگ و بو کو پیدا فرمایا بلکہ اس کائنات کو حسن وخوبصورتی کے سب سے اعلیٰ نمونہ انسان کو تخلیق (پیدا) فرمایا اور پھر اسے سب سے پہلے خوبصورت نام ''آدم'' سے نوازا اور اس طرح کائنات ارضی کے ہر ذرے کی ابتدا نام سے ہوئی۔ انسانی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر چیز میں حسن و جمال کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس لیے اللہ پاک نے انسان کو بہترین ساخت اور عمدہ شامہ عطا فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْم -

ترجمہ: ہم نے انسان کو عمدہ ساخت میں پیدا کیا۔

لہٰذا والدین کا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کی نگہداشت اور پرورش اچھے انداز میں کریں۔ وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں کے نام بھی اچھے رکھیں۔ اچھے نام اچھی علامت کا مظہر ہوتے ہیں اور اچھے نام اللہ عزوجل کو پسندیدہ ہے۔ ہمارے آقا ﷺ نے اچھے نام رکھنے اور بُرے ناموں سے گریز کی بار بار تلقین فرمائی ہے اور یہی بات اسلامی تعلیمات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ کو دو نام بہت پسند ہیں، اور وہ دو نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

اس لیے یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ نام خوبصورت، بامعنی اور ہر لحاظ سے جامع ہو اور پکارتے وقت پورا نام پکارا جائے۔ اس لیے کہ نام ہی وہ پہچان ہے جو ایک کو دوسرے انسان سے علاحدہ پہچان دیتا ہے اور اس کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کرتا ہے اور انسان کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے ناموں ہی کی تعلیم دی۔ جیسا کہ قرآن کریم کی سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳ میں ہے۔

اچھے ناموں کے اثرات سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں

ارشادِ ربّانی ہے:

ترجمہ: کہہ دو کہ تم (اللہ تعالیٰ کو) اللہ تعالیٰ (کے نام سے) پکارو یا رحمان (کے نام سے) پکارو سب اس کے اچھے نام ہیں۔ (سورہ نمبر ۱۷، آیت نمبر ۱۰۹)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ربِ کریم ہمیں اچھے ناموں کی تلقین فرما رہا ہے۔ اچھے نام رکھے جائیں کیوں کہ اچھے نام سے پکارنا سنتِ الٰہیہ ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا اولاد کے لیے قرآن میں ذکر موجود ہے۔ اللہ نے نہ صرف اولاد کی دعا قبول فرمائی (اولاد عطا فرمائی) بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرمایا:

اے زکریا! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جن کا نام یحییٰ ہے اس کے پہلے ہم

نے اس نام کا کوئی نہ کیا۔ (سورہ مریم: آیت نمبر ٦)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بہت سی فضیلتیں قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں۔

☆ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود نام رکھا، والدین کے سپرد نہ کیا۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

☆ یہ نام کسی اور کو نہ پہلے ملا نہ بعد میں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ نام کسی دوسرے آدمی کا نہ رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو خوش خبری سنائی اور ان کا نام یحییٰ رکھ دیا۔ خیال رہے کہ ہمارے بچوں کا نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں وہ بھی پیدائش کے ساتویں دن بعد مگر ہمارے آقا ﷺ کا نام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام پاک خود ربِ تعالیٰ نے رکھا، وہ بھی ولادت سے پہلے۔ ہمارے بچوں کے نام بھی نام کے خلاف بھی ہوتے ہیں۔ تمام نام صحیح نہیں ہوتے، غلط بھی ہوتے ہیں۔ کالے آدمی کا نام یوسف خان، بزدل کا نام شیر بہادر، محمد فاضل صدیقی، بہرے کا نام سمیع اللہ انصاری، اندھے کا نام نور اللہ خان رکھ دیا جاتا ہے مگر رب تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام بالکل صحیح اور نام کے مطابق کام بھی ہوتے ہیں۔ دیکھیے رب نے حضور ﷺ کا نام محمد رکھا یعنی بہت سراہا ہوا، تعریف کیا ہوا۔ آج بھی اس نام کی بہار دیکھی جارہی ہے کہ ہر جگہ ہر وقت ہر زبان میں حضور ﷺ کی تعریفیں ہورہی ہیں۔ اسی طرح سے رب تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کا نام رکھا یعنی زندگی بخشنے والے یا زندہ جاوید رہنے والے۔ یہ نام ان پر بہت سجا اب تک وہ زندہ ہیں اور تا قیامت زندگی بخشیں گے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بے مثال تارک الدنیا اور عابد و زاھد ہوئے تھے۔ نبیوں کے نام اللہ تعالیٰ نے رکھے اور اللہ ان کے نام و کام کا کفیل ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ہمارے حضور کے بارے میں فرمایا تھا: اِسْمُهٗ اَحْمَدُ ان کا اسم شریف احمد ہے۔ اور یحییٰ علیہ السلام ان رسولوں میں سے ہیں جنہیں بچپن ہی سے نبوت ملی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نام رکھنے کی برکت سے ہوا۔

اچھے ناموں کے اثرات

آج کل عام مزاج بنتا جارہا ہے کہ بچوں کے ناموں میں جدت ہو، ایسا نام رکھا جائے

کہ کسی اور کا نہ ہو، خواہ اس کا مفہوم و معنیٰ کچھ بھی نکلتا ہو، حالاں کہ پیارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سموا باسماء الأنبياء (ابوداؤد)

یعنی انبیا علیہ السلام کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھو۔

اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری صاحب زادے کا نام ابراہیم رکھا تھا جو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔ ایک حدیث پاک میں حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے:

تدعون يوم القيمة باسماء كم و اسماء آباء كم فاحسنوا اسماء كم۔ (مسند احمد)

ترجمہ: قیامت کے دن تمہیں اپنے آبا کے نام سے پکارا جائے گا لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔

رب تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ہمارے آقا ﷺ کا نام رکھا۔ اس نام کا پہلے کوئی نہ تھا۔ (یحییٰ۔ احمد) اللہ کے رسول محسنِ کائنات ﷺ نے بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد آپ کے کان میں اذان دی، منھ میں لعابِ دہن ڈالا اور آپ کے لیے دعا فرمائی۔ پھر ساتویں دن آپ کا نام حسین رکھا اور عقیقہ کیا۔ حضرت امام حسین کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب ''سبط رسول'' وریحانہ رسول ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبّر اور شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انہیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا۔

(صواعق محرقہ: ص ۱۱۸)

سریانی زبان میں شبّر اور شبیر اور عربی زبان میں حسن اور حسین دونوں کے معنیٰ ایک ہیں۔ ابن الاعرابی مضفل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نام مخفی (پوشیدہ) رکھے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔

(اسرف المؤید: ص ۷۰)

احادیث میں اچھے نام جس سے عبدیت کا اظہار ہو، اسے اچھا قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ عبداللہ اور عبدالرحمٰن اللہ کے نزدیک ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نام ہیں۔ (مسلم شریف)

والدین پر اولاد کے حقوق بہت ہیں۔ اچھا نام رکھنا یہ بھی حقوقِ اولاد میں سے ہے۔ جب بچہ پیدا ہو فوراً داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے کہ ظل شیطان واُم الصبیان سے بچے گا۔ ہر بچہ کا نام رکھے۔ حدیث پاک میں ہے کہ کچے بچے (جو کم دنوں میں گر جائے) اس کا بھی نام رکھے۔ نام نہ رکھنے پر وہ بچہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی (شکایت) ہوگا۔ بُرا نام نہ رکھے کہ فالِ بد ہے۔ عبداللہ، عبدالرحمٰن، احمد وغیرہ نام رکھے۔ انبیاے کرام یا اپنے بزرگوں میں جو نیک گزرے ہوں، ان کے نام پر رکھے کہ باعث برکت ہے۔ خصوصاً وہ نام جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک نام ہیں۔ اس مبارک نام کی بے پایاں برکت بچہ کی دنیا و اخرت میں کام آتی ہے۔

بُرے ناموں کو اچھے ناموں سے بدلنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھے نام رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ بلکہ نام میں اگر معنوں میں اچھائی نہ ہو یا اس میں شبہہ ہو تو اسے بدل دیا کرتے تھے۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کا نام ''برۃ'' تھا جس کے معنی نیکوکار ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام اس لیے تبدیل فرما دیا کہ اس میں اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہے کہ اس کی وجہ سے نفس کہیں دھوکہ نہ دے دے لہٰذا آپ کا نام زینب رکھا۔ اسی طرح ایک صحابی کا نام ''حزن'' تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام اس لیے بدل دیا کہ اس کے معنیٰ سخت زمین کے ہوتے ہیں، اور ان کا ''سہیل'' نام رکھ دیا جس کے معنیٰ نرم ہونے کے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھے نام سن کر خوش ہوتے تھے اور اس کے اثرات کے متمنی ہوتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملہ الجھا ہوا تھا۔ قریش کی جانب سے ثالثی کے لیے سہیل آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کون ہیں۔ بتایا گیا کہ سہیل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ہمارے معاملے کو آسان کر دیا اور پھر انہیں کے ذریعے صلح حدیبیہ کا تاریخ ساز معاہدہ وجود میں آیا جس کو رب تعالیٰ نے

فتح مبین سے تعبیر کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر و بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام تبدیل فرمائے ہیں تا کہ نئے نام اور اسلام لانے سے ان کے کردار میں ناموں کے معانی کے لحاظ سے تبدیلی اور برکت شامل ہو جائے اور وہ سرتا پا اسلامی رنگ میں ڈھل جائیں اور نیکی کا مرقع بن جائیں۔ سیرت کی کتابوں میں بہت سے واقعات موجود ہیں۔ چند ملاحظہ فرمائیں:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا نام اسود (کالا، گرد آلود، تاریک) سے بدل کر ابیض (سفید) رکھ دیا۔ اس طرح ایک صحابی کا نام الجبار (جبر و ظلم کرنے والا) سے بدل کر عبد الجبار (جبار کا بندہ) رکھ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبد الکعبہ (کعبہ کا بندہ) سے تبدیل کر کے عبد اللہ (اللہ کا بندہ) رکھ دیا۔ مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبد الشمس سے بدل کر عبد الرحمٰن رکھ دیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاصی، عتلہ، حکم، غراب، حباب کے نام تبدیل فرمائے اور احرام کو زرعہ، عاصیہ کو جمیلہ اور برہ کو زینب سے بدل دیا۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ (مسلم شریف بروایت حضرت عبد اللہ بن عمر)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ صحیح اور درست نام نہ رکھنے سے بچے کی شخصیت پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے نام ایسا رکھنا چاہیے کہ جب بچہ بڑا ہو تو اسے اپنے نام پر فخر محسوس ہو اور فخر اسی وقت محسوس ہوگا جب اس کا اچھا اسلامی نام رکھا جائے گا۔ اس ضمن میں ارشاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

''جس شخص کے تین بیٹے ہوں اور وہ ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھے تو وہ بالیقین ایمان (عشق) کے تقاضے سے جاہل ہے۔'' (طبرانی شریف)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین ناموں سے اس شخص کا نام ہوگا جس کو شہنشاہ کہتے ہوں گے۔ اللہ کے نزدیک بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن اور زیادہ اچھے نام حارث اور ہمام احمد، محمد۔ جب کہ بدترین نام حرب اور مرہ ہن ہوں گے۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت شریح بن حانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میرے والد اپنی قوم کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے ان کا نام دریافت کیا۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ میرا نام ابوالحکم ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، ''حکم خدا کے قبضہ واختیار میں ہے۔ تم نے ابوالحکم کنیت کیوں مقرر کی ہے۔؟'' انہوں نے کہا کہ میری قوم میں جب بھی کسی معاملے میں اختلاف ہوتا ہے تو فریقین میرے پاس فیصلے کے لیے آتے ہیں اور میں ان کے درمیان ایسا فیصلہ کر دیتا ہوں کہ وہ تمام راضی ہو جاتے ہیں اور میرے حکم کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کے درمیان فیصلہ اور حکم کرنا بہت اچھی بات ہے۔ تمہارے کتنے بچے ہیں۔؟'' انہوں نے کہا کہ تین بیٹے، شریح، مسلم اور عبداللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بس آج سے تمہاری کنیت ابوشریح ہے۔ (نسائی: عن ابن شریح ابن حانی)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نام کی معنویت زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اچھی عرفیت اور اچھے نام سے کردار و شخصیت پر اچھا اثر پڑتا ہے اور برے نام اور بری عرفیت سے برا اثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابوجہل کی عرفیت (جہالت کا باپ) اللہ کے رسول ﷺ نے عرفیت کا اعلان کیا۔ اسے ساری زندگی حلقہ بگوش اسلام ہونے سے دور رکھا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ان کا نام پوچھا تو بتایا گیا: حزن۔ یعنی پتھریلی زمین۔ آپ ﷺ نے یہ نام ناپسند فرمایا اور کہا کہ اپنا نام سہل یعنی نرم زمین رکھ لو۔ مگر انہوں نے نام تبدیل نہ کیا کہا کہ یہ میرے باپ نے رکھا تھا۔ ان صحابی کے بقول ان کے خاندان میں سختی برابر قائم رہی۔ (یہ نام کا اثر ہے)۔ (بخاری شریف)

حضور ﷺ نے مدینہ منورہ جسے یثرب کہتے تھے، کا نام تبدیل فرما تھا کیوں اس کے معنی میں جبر و زیادتی اور الزام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔ آپ ﷺ نے تاکید کی کہ یثرب کو طیبہ، خوشگوار، عمدہ کہا جائے۔ مدینہ کے معنیٰ شہر کے آتے ہیں۔ چوں کہ یہ مدینۃ الرسول ﷺ ہے اس لیے اس کا نام ہی مدینہ پڑ گیا۔ اب اگر بغیر کسی اضافت کے مدینہ کہا جائے تو اس سے مراد مدینۃ الرسول ﷺ طیبہ ہی ہوگا۔ مدینہ میں بخار کی وبا (بیماری) عام تھی، بڑی شدت کا بخار ہوتا تھا۔ اکثر آنے والے

اس میں مبتلا ہو جاتے تھے، نو وارد اس کی زد میں آتے تو وہ جلد ہی وہاں سے رخصت ہونا چاہتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ کی مشقتیں (تکلیفیں) جھیلنے پر جنت کی بشارت سنائی اور اس کا نام طیبہ رکھ دیا تو نام بدلنے کی برکت سے مدینہ منورہ کی فضا اللہ کے فضل وکرم سے خوشگوار ہوگئی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ کالی کلوٹی عورت مدینہ منورہ سے نکل کر جحفہ جہاں یہودیوں کی آبادی تھی، کی طرف چلی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ وبا (بیماری جو ہوا کے خراب ہونے سے پھیلتی ہے یعنی FLU) تھی جو یہاں سے منتقل ہوگئی۔ اس لیے بہت سے علما، مفسرین، شارحین نے یہ لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو اب یثرب کہنا صحیح نہیں ہے۔

نام رکھنے میں حد سے گذرنا غلو کرنا

اکثر یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ جب کسی کے یہاں بچہ یا بچی پیدا ہوتی ہے تو سب سے پہلے جس مرحلے میں والدین کا سابقہ پڑتا ہے، وہ بچہ یا بچی کا نام رکھنا ہوتا ہے جس کی روشنی میں بچہ سب کے لیے قابل محبت، قابل توجہ اور پرکشش بن سکے۔ اور اس کے نام سے خاندان کی عزت و وقار بڑھے۔ خاندان بھر میں ہر فرد اپنی اپنی مرضی کا نام تجویز کرتا ہے۔ جو نام تجویز (Choice) ہوتا ہے اس کے معانیٰ پر غور نہیں کیا جاتا حالاں کہ کسی بھی نام کے اثرات اس کے معانیٰ کے اندر پوشیدہ ہوتے ہیں اور معنیٰ ہی شخصی کردار کی تشکیل میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کے نام سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ یا بچی کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے، کس قوم سے تعلق رکھتا ہے اور یہ کہ اس کا نام شرعی اسلامی ہے یا نہیں اور یہ کہ یہ نام اس بچے کے لیے موزوں بھی ہے یا نہیں۔ اسی لیے مذہب اسلام نے معانیٰ کے اعتبار سے اچھا نام رکھنے کا حکم دیا تا کہ بچے کی زندگی کی شروعات کی پہلی اینٹ درست طور پر رکھی جائے۔ نام رکھنے میں غلو کی حد تک یکساں اوزان کا خیال رکھا جاتا ہے یعنی سارے بچوں اور بچیوں کا نام ہم وزن ہو، حالاں کہ ناموں کے سلسلے میں یہ التزام غیر ضروری ہے۔ کبھی کبھی اس کی پابندی بھونڈی معنویت پیدا کر دیتی ہے۔

ایک صاحب کے چند لڑکے ہیں۔ ایک کا نام شمیم ہے، دوسرے کا نام تسلیم ہے، تیسرے کا نام کریم ہے۔ چوتھا بچہ پیدا ہوا تو انہیں یہ سودا خبط سمایا کہ اس بچے کا نام قرآن پاک سے اسی وزن پر رکھیں گے۔ چنانچہ تلاش بسیار کے بعد انہیں سورۃ القلم میں ''زنیم'' لفظ مل گیا۔ انہوں نے بغیر معنیٰ پر غور کیے ہوئے ہم وزن نام ''زنیم'' رکھ دیا۔ کچھ دنوں بعد ان کے یہاں ایک عالم دین مہمان ہوئے۔ انہوں نے میزبان کو اپنے لاڈلے بچے کو 'زنیم' کہہ کر پکارتے ہوئے سنا۔ اس پر انہیں بڑا تعجب ہوا کہ باپ اپنے بیٹے کو خود زنیم کہہ رہا ہے، تعجب کی بات ہے۔ لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس بچے کا نام ہی زنیم ہے۔ چنانچہ عالم صاحب نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے یہ نام کیوں رکھا ہے۔ انہوں نے بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کہ اصل میں میں نے اپنے اس بچے کے نام کے متعلق یہ سوچا کہ اپنے دیگر بچوں کے ناموں پر ہم وزن ایک ہی طرح کا نام ہو، اور تمنا یہ بھی تھی کہ وہ نام قرآن پاک سے ہو۔ بہت تلاش کے بعد یہ نام سورۃ القلم میں مجھے مل گیا اور میں نے یہ نام رکھ دیا۔ مہمان عالم نے کہا ابلیس، ابولہب اور فرعون بھی تو قرآن میں ہیں، کیا یہ نام کوئی رکھنا پسند کرے گا۔ بالآخر جب قرآن میں اس کا معنیٰ دیکھا گیا تو زنیم کے معنیٰ حرام زادے کے ہیں۔ مہمان عالم نے کہا کہ کیا کوئی یہ سننا پسند بھی کر سکتا ہے۔ میزبان کو بڑی پشیمانی ہوئی اور اس بچے کا نام بدل دیا گیا۔ نثار اشرف نام رکھا گیا۔ آج کل نام رکھنے میں ہم سے غلطیاں ہو رہی ہیں جس سے ہماری تہذیب متاثر ہو رہی ہے۔ اس سے ہمیں بچنا چاہیے۔

نام بگاڑنا گناہ ہے

بچوں کے حقوق میں سے یہ ہے کہ ان کا نام اچھا رکھا جائے اور اچھے نام کو بلاتے وقت بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اسی طرح نام بگاڑنا بھی گناہ کی بات ہے۔ قرآن پاک میں اسے بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ کہا گیا ہے لہٰذا کسی کے نام کو بگاڑ کر پکارنا نہیں چاہیے۔ اس میں خود گھر والوں کی طرف سے کوتاہی ہوتی ہے۔ وہ پیار میں مُخفف (Short) کرتے ہیں اور پھر وہی نام بن جاتا ہے۔ اس سے پرہیز لازم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کا نام پوچھا۔

صحابی نے کہا: 'اصرم'۔ (جس کے معنی کانٹے کے آتے ہیں)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تمہارا نام 'اصرم' نہیں بلکہ 'زرعہ' ہوگا (جس کے معنیٰ کھیتی اور جود وسخا کے ہوتے ہیں)۔ بعد میں وہ صحابی اسی نام سے معروف ہوئے۔

لہٰذا ہمیں اچھے ناموں کا التزام کرنا چاہیے۔ مذہب اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی اولاد نیک اور مسلمان ہوں۔ بچوں کی پرورش بہتر طریقے سے کی جائے اور اولاد جو نعمتِ الٰہیہ ہے، اس کی قدر کی جائے تاکہ وہ بڑا ہو کر ملک وسماج اور خود والدین کے لیے نعمت ثابت ہو۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اولاد کی پرورش اور نام رکھنے میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم اور خوشنودی کا خیال ہمیشہ دل میں جاگزیں فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اسلامی طرز زندگی گزارنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

●●●

ماہِ محرم الحرام و عاشورہ کی فضیلت و اہمیت

اسلامی سال کا پہلا مہینہ جسے محرم الحرام کہا جاتا ہے، اپنے گونا گوں پیچ وخم، عشق و وفا، ایثار و قربانی اور بے شمار فضیلت مرتبت کی دولتِ بے بہا سے معمور و سر بلند ہے۔ محرم الحرام کے مہینے میں ایک دن ایسا بھی ہے جس کے مراتب و فضائل کلام الٰہی قرآن مجید و احادیث نبویہ اور سیرت و تاریخ کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ وہ دن ''یومِ عاشورہ'' کہلاتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔ (سورۂ توبہ: آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ: بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔ اللہ کی کتاب میں جب سے آسمانوں اور زمین کو بنایا، ان میں سے چار مہینے حُرمت والے ہیں۔ یہ سیدھا دین ہے، تو ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قمری سال کے مہینوں کی تعداد کا ذکر فرمایا ہے اور حُرمت کا اعلان فرمایا ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ بلاشبہ اللہ نے مہینوں کی تعداد بارہ ہی مقرر فرمائی ہے۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ایسے ہیں جن کو اللہ نے خصوصی فضیلت اور حرمت (بڑائی) سے نوازا ہے ان چار مہینوں کو حرمت والے مہینوں کا نام دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتح مکّہ سے قبل جب مسلمان مدینہ منورہ پہنچنے لگے تو کہنے لگے کہ کہیں مکہ کے کافر حرمت والے مہینے میں ہمارے ساتھ جنگ نہ شروع کر

دیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا - نازل فرمائی۔

خطبۂ حجۃ الوداع

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن ۱۰؍ذالحجہ کو خطاب کیا اور فرمایا:

زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیئت پر آ گیا، جس ہیئت (حالت) پر آسمان و زمین کی پیدائش کے دن تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے، جن میں سے چار حُرمت (بڑائی) والے ہیں۔ تین پے در پے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم الحرام اور ایک رجب المرجب۔

(تفسیر مظہری: ج ۵، ص ۲۷۲۔ تفسیر روح البیان: ج ۳، ص ۴۲۱)

یومِ عاشورہ کا لفظی معنی دسواں دن یا دسویں تاریخ ہے، مگر اب عرف عام میں یومِ عاشورہ کا اطلاق محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو ہوتا ہے جس دن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ۷۲؍نفوس قدسیہ کے ساتھ مذہب اسلام کی خاطر حق کے لیے راہ خدا میں جامِ شہادت نوش فرمایا تھا۔

یومِ عاشورہ کے فضائل

یومِ عاشورہ کے فضائل کے تعلق سے صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر غالب گمان ہے کہ عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی فضیلت کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ماہِ رمضان کے علاوہ روزہ رکھنا چاہتے ہو تو عاشورہ کا روزہ رکھو کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔ اس ماہ کی فضیلت قرآن پاک میں آئی ہے اور اس مہینے میں ایک دن ایسا بھی ہے جس میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور دوسری قوم کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات کی طرف رغبت دلائی کہ وہ یوم عاشورہ کو (توبتہ النصوح) کی تجدید کریں اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ استغفار کی قبولیت کے لیے خوب گڑ گڑائیں۔ کیوں کہ اس دن جس نے بھی اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ جس طرح اس سے پہلے والوں کی توبہ قبول فرمائی تھی۔

یومِ عاشورہ پر بزرگانِ دین کی بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ یومِ عاشورہ اپنی بے شمار نعمتوں اوران گنت فضیلتوں سے مالا مال ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دن کو متبرک اور بہت خیر و برکت والا بتایا ہے۔ اس کا اندازہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ کی کتاب ماثبت بالسنة سے ہوتا ہے جس میں آپ لکھتے ہیں:

> ''ابن جوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر فرمایا کہ محرم کی دسویں تاریخ ایسی منفرد اور بے مثال تاریخ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اس دن ان کو جنت میں داخل کیا اور اسی دن ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی دن عرش وکرسی، جنت و دوزخ، زمین وآسمان، چاند وسورج، لوح وقلم کو پیدا فرمایا۔ اور بعض علمائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ یوم عاشورہ کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن دس انبیائے کرام علیہ اسلام کو دس عظمتوں سے نوازا۔''

یومِ عاشورہ کا دوسرا نام

یومِ عاشورہ کو ''یومِ زینت'' بھی کہا جاتا ہے اور اس دن کا یہ نام حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے:

عَنْ اِبْنِ عُمَرٍ (رضی اللہ تعالیٰ عنھما) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْمَ الزِّیْنَتِ اَدْرَکَ مَا فَاتَہُ مِنْ صِیَامِ السَّنَۃِ۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے یوم زینت یعنی یومِ عاشورہ کا روزہ رکھا اس نے اپنے باقی سال کے فوت شدہ کو بھی پالیا۔ (غنیۃ الطالبین جلد ۲،ص ۵۴۔ ماثبت من السُّنۃ: صفحہ ۱۰)

یومِ عاشورہ کے اہم واقعات

اللہ تعالیٰ نے اس دن آدم علیہ اسلام کی توبہ قبول کی ☆ حضرت ادریس علیہ اسلام کو اس روز مقامِ بلند کی طرف اُٹھالیا ☆ حضرت نوح علیہ اسلام کی کشتی اس روز جودی نامی پہاڑ پر ٹھہری تھی۔ ☆ اسی روز حضرت ابراھیم علیہ اسلام کی ولادت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل بنایا اور انہیں اسی روز نارِ نمرود (آگ) سے محفوظ فرمایا۔ ☆ اسی روز حضرت داؤد علیہ اسلام کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ ☆ اسی روز حضرت سلیمان علیہ اسلام کو حکومت واپس ملی۔ ☆ اسی یومِ عاشورہ کو ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ اسلام کی تکلیف دور فرمائی۔ ☆ عاشورہ کے دن ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو سلامتی سے سمندر پار کرایا اور فرعون کو غرق کر دیا تھا۔ ☆ یہی دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ اسلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات عطا فرمائی تھی۔ ☆ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کو آسمان کی طرف اٹھایا تھا۔ ☆ اسی دن حضرت یعقوب علیہ اسلام کی بینائی لوٹائی گئی اور بنی اسرائیل کے لیے دریا میں راستے اسی دن بنایا گیا تھا۔ ☆ آسمان سے زمین پر سب سے پہلی بارش یومِ عاشورہ کو ہی نازل ہوئی تھی حتیٰ کہ حدیث پاک کے مطابق قیامت بھی اسی دن آئے گی۔ ☆ اسی دن کا روزہ بھی پہلے فرض تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے اسی دن کا روزہ رکھا اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اس دن کا روزہ رکھا تو وہ چالیس سال کا کفارہ ہوگا اور جس نے عاشورہ کی رات عبادت کی گویا اس نے ساتوں آسمان والوں کے برابر عبادت کی۔ ☆ اسی یوم عاشورہ کے دن قریش خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے تھے اور اسی یوم عاشورہ کے دن کوفی فریب کاروں نے نواسہ رسول ﷺ وجگر گوشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کربلا میں شہید کیا۔

اپنے وقت کے نابغہ روزگار و مایہ ناز فقیہ حضرت ابراہیم ابن محمد کوفی نے فرمایا کہ جس

نے یوم عاشورہ کو اپنے عزیز و اقارب و اہل و عیال کو خوش رکھا اور ان پر خوش دلی اور دریا دلی کے ساتھ خرچ کیا تو اللہ پاک پورے سال کو اس کے لیے خیر و برکت و فراخی رزق مقرر فرما دیتا ہے۔ مفسرین فقہا و علما فرماتے ہیں کہ عاشورہ کے دن اگر کسی شخص نے یتیم و مسکین کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے بالوں کی مقدار کے مطابق ثواب عطا فرمائے گا۔

(نزہۃ المجالس: جلد اول، ص ۳۴۷۔ غنیۃ الطالبین: جلد دوم، صفحہ ۵۵)

یومِ عاشورہ کے اعمال

یومِ عاشورہ کا روزہ بہت فضیلت رکھتا ہے۔ یوم عاشورہ کا روزہ اسلام سے قبل اہل مکہ اور یہودی لوگ بھی رکھا کرتے تھے۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُمُ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

> ''قریش زمانہ جاہلیت میں یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی زمانہ جاہلیت میں اس دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے، تب یومِ عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا، جس کا جی چاہے وہ یوم عاشورہ کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے چھوڑ دے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔
> عاشورہ کے دن انبیاے کرام روزہ رکھا کرتے تھے۔ حضور محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اور فرمایا: نو، دس کا رکھو یا دس، گیارہ کا رکھو۔ صُوْمُو یَوْمَ عَاشُوْرَآ یَوْمَ کَانَتِ الْاَنْبِیَآءِ تَصُوْمُه (ترجمہ): عاشورہ کے دن کا روزہ رکھو کیوں کہ یہ وہ دن ہے کہ اس کا روزہ انبیاے کرام رکھتے تھے۔ (الجامع الصغیر: ج ۴، ص ۲۱۵)

یومِ عاشورہ کا روزہ رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عام معمول میں شامل تھا اور آپ اس دن کا روزہ خاص اہتمام کے ساتھ رکھتے تھے۔ایک حدیث پاک میں حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چار معمولات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ انہیں کبھی ترک نہ فرماتے تھے۔ان چار معمولات میں ایک یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا بھی ہے۔روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

''چار چیزیں ایسی تھیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ترک نہیں کیا۔یومِ عاشورہ کا روزہ اور ذوالحجہ کا عشرہ یعنی پہلے نو دن کا روزہ اور ہر ماہ کے تین روزے (یعنی ایام بیض) کے روزے اور فرض نماز فجر سے پہلے دو رکعت (یعنی سنّتیں)۔(نسائی،مشکوۃ شریف:ص ۱۸۰)

جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اسے ایک ہزار شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور ایک روایت کے مطابق ساتوں آسمانوں میں بسنے والے فرشتوں کا ثواب ملتا ہے۔جس نے عاشورہ کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ۶۰ (ساٹھ) سال کی صوم وصلوۃ کی صورت میں عبادت کا ثواب لکھ دیتا ہے۔(غنیۃ الطالبین: ج ۲،ص ۵۳)

یومِ عاشورہ میں دسترخوان وسیع کرنا

عاشورہ کے دن سخاوت کرنا یعنی غریب پروری کرنا، اپنے گھر کے دسترخوان کو وسیع کرنا، گھر والوں پر خرچ کرنا رزق کے اندر وسعت وفراخی کا باعث بنتا ہے۔حدیث مبارکہ میں ہے۔سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے عاشورہ کے دن اپنے اہل واعیال پر نفقے (خرچ) کو وسیع کیا اللہ پاک سارا سال اس پر رزق کی وسعت فراخی (زیادتی) فرماتا ہے۔حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا تو اسے بالکل ایسے ہی پایا۔

(مشکوۃ شریف: ص ۱۷۰، غنیۃ الطالبین: ج ۲،ص ۵۴)

کشادگیِ رزق والی حدیثیں مختلف روایتوں کے ساتھ ملتی ہیں۔روایات کی کثرت اس

حدیث مبارکہ کی صحت کو ثابت کرتی ہے۔

یومِ عاشورہ اور واقعہ کربلا

یومِ عاشورہ ماہِ محرم الحرام کا دسواں دن مندرجہ بالا فضیلتوں کے برعکس اپنے اندر ایک بالکل مختلف پہلو بھی رکھتا ہے۔ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ اسی دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو میدان کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نہایت شفقت آمیز لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ ''حسن اور حسین میرے لیے دو مہک (خوشبو) دار پھول کی مانند ہیں۔'' اسی حدیث پاک کی ترجمانی حضرت مولانا احمد رضا خان قدس سرہ فرماتے ہیں

کیا بات رِضَا اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین و حسن پھول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے زیادہ محبوب ان دونوں نواسوں میں حضرت حسین رضی اللہ کو حضور ﷺ کے وفات کے کم وبیش ۵۰ رسال کے عرصہ کے بعد ۶۰ رھجری میں ۱۰ ر محرم الحرام کو شہید کر دیا گیا۔ دسویں محرم یعنی عاشورہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی مٹی کی شیشی (بوتل) کے اندر خون ہو گئی۔ ترمذی شریف جلد دوم میں ہے:

''دس تاریخ (یوم عاشورہ) کو ایک عورت حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں مدینہ شریف کے اندر حاضر ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اشک بار ہیں۔ عورت نے رونے کی وجہ پوچھی تو حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے ابھی ابھی خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور ریش مبارک (داڑھی) مبارک گرد و غبار سے الجھے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا بات ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ابھی میں کربلا سے آرہا ہوں۔ آج میرے حسین کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ مجھے وہ مٹی یاد آ گئی جو حضرت حسین رضی اللہ عنہٗ کی پیدائش کے وقت حضرت جبرائیل امین نے میدان کربلا سے لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مٹی مجھے دے کر فرمایا تھا کہ ''اے اُم سلمہ! اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھو کیوں کہ جس دن میرا حسین شہید ہوگا یہ مٹی بھی خون ہوجائے گی۔'' آج جب میں نے دیکھا تو وہ مٹی خون ہوچکی ہے جسے میں نے ایک شیشی کے اندر سنبھال کر رکھا تھا۔''

آخر کیسا تھا وہ برگزیدہ اللہ کا بندہ جس نے باطل حکمرانوں کے آگے سر نہ جھکایا۔ بے یار و مددگار ہوجانے کے باوجود اللہ کے شیدائی نے محض اپنے رب سے لو لگائے ہوئے شہید ہو جانے کو نہایت جواں مردی کے ساتھ قبول کرلیا اور اپنے بعد آنے والی اُمت کے سامنے یہ مثال پیش کردی کہ باطل قوتیں اور طاغوتی طاقتیں اس لیے نہیں ہوا کرتیں کہ امت مسلمہ کا کوئی فرد ان سے خوف کھا کر ان کے سامنے جھکنے کو تیار ہوجائے اور انہیں گوارا کرلے۔ امت مسلمہ کے ہر فرد کا تو یہی عمل ہونا چاہیے کہ وہ ہر باطل سے لڑ کر صرف حق کی سربلندی کی تگ و دو میں لگا رہے اور خالقِ کائنات کے آگے سر بہ سجود ہوجائے۔ واقعہ کربلا کے اس واضح پیغام سے ہمیں اپنے آپ کو مالا مال کرنا چاہیے اور اس تاریخ ساز مبارک دن کو کھیل تماشے میں نہیں گزارنا چاہیے کیوں کہ اس دن کو ایسی ذات سے نسبت ہے جس کی قربانی ملتِ اسلامیہ کو ماتم و نوحہ خوانی کی طرف دعوت دیتی ہے بلکہ وہ درسِ عبرت دیتی ہے کہ اپنے نظام حیات کے اصولوں پر قائم و ثابت قدم رہیں اور اللہ کی بارگاہ میں یقین و ایمان، جذبہ ایثار، اور امید و رضا کے عظیم سرمایہ حیات کو پیش کرتے رہیں کیوں کہ اس میں کامیابی و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو یومِ عاشورہ اور واقعہ کربلا اور شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے سلسلے میں صحیح سوچ اور صحیح فکر عطا فرمائے۔ آمین! اور ہم گناہ گاروں کو راہِ راست و راہِ اعتدال پر قائم و دائم فرمائے۔ آمین! ثم آمین!

●●●

عورتوں کا وقار پردے میں ہے

عورتوں کی پناہ گاہ تاریخ مذہب میں اگر کہیں پائیں گے تو وہ صرف دامنِ اسلام میں ہے۔ اسلام ہی اس بھولی بھالی مخلوق کے حقوق کا از ابتدا تا انتہا حامی ہے۔ جو ہمیشہ سے مشق ستم مرد بنی رہی ہے۔ آپ ابتدا سے اخیر تک مذاہبِ عالم کی تاریخ پڑھ ڈالیں، ہر جگہ آپ کو عورت مردوں کی خواہشِ نفسانی اور تعیش کا آلہ کار ملے گی۔ گویا وہ ایک کھلونا ہے یا مردوں کی تفریح گاہ یا پھر ایک لعنت اور صفحۂ ہستی کے لیے ایک بدنما داغ، زندہ توپ دیے جانے کے لائق۔

اسلام میں عورتوں کا وقار

اسلام نے عورتوں کو نہ محض قیادت بخشی بلکہ اُن کو ہر جائز حق دِلایا اور ان کی پوزیشن اور ان کی شخصیت و منزلت کو اتنا بلند کر دیا جس سے زائد ممکن نہ تھا۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے اور اسلام ہی کے طفیل عورتوں کو اپنے جائز حقوق کی شناخت ہو سکی۔ (کیوں کہ اللہ نے عورتوں کو حقوق دیئے) ورنہ عورتوں کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس وسع دنیا میں قدرت کی طرف سے عورت بھی کچھ حقوق لے کر آئی ہے۔

عورتوں کا وقار پردے میں ہے:

مولائے رحیم کا حکم ہے:

ترجمہ: (اے نبی کی بیویو!) جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جُراءت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا اور یہ اللہ کو اسان ہے۔ (سورۂ احزاب: آیت نمبر ۲۹، کنز الایمان)

جب اُمہاتُ المومنین کو حیا اور پردے کا حکم دیا گیا ہے تو آپ سبھی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پردے کی اہمیت کیا ہے۔قرآن نے پردے کا بار بار حکم دیا مگر زیادہ تر عورتیں بے پردہ رہنا پسند کرتی ہیں۔جب کہ وہ شاید اس حقیقت سے ناواقف نہیں کہ اچھا حُسن وہی ہے جو پردے میں رہے۔تب ہی اس کی اہمیت کا اندازہ اور قدر ومنزلت کا انکشاف ہوتا ہے، لیکن آج کے اس (Modern) زمانے میں میرے خیال سے وہ عورتیں جو موجودہ فیشن ایبل نقاب اوڑھنی پہنتی ہیں اور وہ جو نہیں پہنتی ہیں، شاید دونوں ہی برابر ہیں۔قدیمی اور مذہبی عورتوں کی بات نہیں ہو رہی ہے کیوں کہ نقاب جس ہدف کے تحت پہننے کا حکم ہے، آج کے دور میں بالکل برعکس ہو رہا ہے۔آج کے دور میں اکثر عورتیں ایسا نقاب پہنتی ہیں جو ناقابلِ بیان ہے۔انتہائی دیدہ زیب، کٹائی چھٹائی سے مرصع، عورتوں کے جسم سے بالکل چپکا ہوا۔اس طرح کے نقاب سے عورتوں کے جسم کے نشیب وفراز کا عیاں ہونا جو مردوں کی آنکھوں کے لیے حصول لذّت کا سبب ہوتا ہے اور اس سے زیادہ سے زیادہ بدنظری کی بیماری میں مبتلا ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔یاد رہے کہ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ عورت کی بے پردگی عورت ومرد کی بے حیائی کا ثبوت ہے۔اب جو خود کو جتنا بڑا باحیا سمجھتا ہو وہ اس حد تک اپنے گھر کی عورتوں کے پردے کا خیال رکھے اور اس ذمہ داری کو ہرگز فراموش نہ کرے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجبات میں ہیں۔اچھے کام کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا، اس کی شروعات اپنے ہی گھر سے کرنا ضروری ہے۔

آج کے معاشرے میں یہ بات بہت عام ہے کہ پردہ ترقی میں حائل ہوتا ہے، لیکن میرا تو یہ کہنا کہ اس طرح کی سوچ مذہب بے زاری، مذہب سے دوری، اسلامی احکامات سے ناواقفیت اور خدا کے خوف سے عاری ہونے کی دلیل ہے۔آج جو طبقہ فیشن کے نام پر بے حیائی کا لبادہ اوڑھ کر سرکشی وبغاوت پر اُتر آیا ہے، وہ گناہ کو گناہ سمجھتا ہی نہیں۔حالاں کہ یہ سب سے بڑھ کر گناہ ہے۔اس لیے کہ اگر کوئی گناہ کو گناہ سمجھے تو اس کے راہِ راست پر واپس آ جانے کی توقع کی جاسکتی ہے، لیکن جس کے نزدیک گناہ بھی گناہ نہ رہ جائے، اُس سے صراطِ مستقیم کی طرف واپسی کی توقع کرنا بہت بعید ہے۔

پردۂ نسواں کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى (سورۂ احزاب: آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ: (اے نبی کی بیویو!) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔ (کنزالایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر پردہ فرض ہے اور بلا عذر گھر سے نکلنا حرام۔ یعنی جیسے اسلام سے پہلے عورتیں آراستہ ہوکر اِتراتی ہوئی باہر نکلتی تھیں، کاش اس آیت سے مسلم عورتیں عبرت پکڑیں۔ یہ عورتیں اُمہات المومنین سے بڑھ کر نہیں۔ عزت مآب علمائے کرام و دانشوران عظام اور گھر کے بزرگوں کو اصلاح معاشرت کے لیے کوشش کرتے ہی رہنا چاہیے۔ ہمارا معاشرہ حرام کاموں جیسے بے پردگی، ریش تراشی (داڑھی مُنڈوانا) جیسے گناہ کو گناہ تو دور معیوب بھی نہیں سمجھتا اور نہ ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی کوشش کرتا ہے۔ یاد رہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دینا واجبات وفرائض سے ہے۔ قرانی احکامات کے ساتھ احادیث پاک میں بھی روایتیں آئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی کتنی تاکید آئی ہے۔ اس تعلق سے حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہیں لازماً امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا ہوگا۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے پھر تم اُسے پُکارتے رہو گے لیکن تمہاری دعا قبول نہ ہوگی۔

(ترمذی شریف۔ بحوالہ کشف القلوب: جلد اول، ص ۳۵)

اخلاقی قدروں کا زوال معاشرے کے لیے ناسور ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص شراب کے نشے میں دھت حالت میں گرفتار کر کے دربار میں لایا گیا۔ حضرت عمر نے اس سے مخاطب ہوکر فرمایا:

''تیرا ناس ہو، ہمارے یہاں بچے بھی روزہ رکھتے ہیں اور تو عاقل، بالغ ہوتے ہوئے بھی شراب پی رہا ہے۔''

اس کے بعد اس پر حد شراب (اسّی کوڑے) لگوا کر ملک شام کی طرف شہر بدر کر دیا۔

عہدِ رسالت اور صحابہ کے زمانے میں بچے بھی پابند شرع اور امر و نواہی کے پابند تھے اور اچھے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے کیوں کہ وہ گناہ کو عذابِ الٰہی کا پیش خیمہ جانتے تھے۔

کیا مروجہ نقاب سے شرعی پردے کے تقاضے پورے ہوتے ہیں؟

عورت کے معنیٰ پردہ کے ہیں۔ اگر عورت ہے تو پردہ اس کے لیے واجب و لازم اور ناگزیر ہے۔ عقلاً (شرعاً) عورتیں بھی اس کا احساس رکھتی ہیں کہ ہم پردے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ پردہ ہمارے لیے بنایا گیا ہے۔ یہی فطری (نیچرل) احساس عورتوں کو پردے میں رہنے کا احساس دِلاتا ہے لیکن آج مغربی تہذیب و سنیما اور ان گنت ٹی وی سیریلوں کی چکا چوندھ کے اثرات نے عورتوں کو بے حجاب اور بے باک بنا دیا ہے۔ موجودہ زمانے کی مسلم خواتین بھی زمانۂ جاہلیت کی خواتین سے بھی زیادہ گئی گذری ہیں۔ وہ آج بھی ۱۴ سو سال قبل کی جاہل عورتوں کی طرح دوپٹہ و نقاب پہن رہی ہیں اور اتنا باریک اور پتلا جو کہ جسم کے پورے حصّے پر بھی نہیں آتا۔ حالاں کہ اوڑھنی موٹی اور چوڑی ہونی چاہیے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس حالت میں آئیں کہ آپ بالکل باریک اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہ نے وہ باریک اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور انہیں ایک موٹی اوڑھنی عطا کی۔ اوڑھنی مسلم خواتین کے لباس کا جُز ہے جس کو اسلامی طریقے سے اوڑھنا لازمی اور ضروری ہے۔ عورتیں اپنی ضرورت سے اگر باہر قدم رکھیں تو اس طرح کہ ان کی زیب و زینت پردے میں رہے۔ معاشرۂ اسلامی میں عورتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ گھروں کے اندر رہتے ہوئے بھی سنگار نہ دکھائیں مگر جتنا ظاہر ہے۔ فرمایا گیا:

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (سورۂ نور: آیت نمبر ۳۱)

اسلامی تعلیم میں عصمت و عفت یہ ہے کہ آبرو جان سے زیادہ قیمتی ہے۔ جن اعضاے

بدن کا دیکھنا جائز نہیں، اُن پر نظر نہ ڈالی جائے۔ زنا کے بڑھتے واقعات کے پیش نظر زنا کی روک تھام کے لیے احتیاطی تدابیر اسلام نے پہلے ہی بتا دی ہیں۔ پردہ اسلام کی نایاب دولت ہے۔ اسی دولت کو حاصل کر کے عورت اپنی قدر و منزلت، شان و شوکت اور عظمت و وقار کی بلندی پر فائز رہ سکتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (سورۂ احزاب: آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ: (اے نبی کی بیویو!) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔ (ترجمہ کنز الایمان)

روح البیان میں ہے کہ آدم اور طوفانِ نوح کے درمیان کا زمانہ جاہلیتِ اُولیٰ کہلاتا ہے جو بارہ سو ستر سال (۱۲۷۰) ہے اور حضرت عیسیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کا زمانہ جاہلیتِ اُخریٰ کہلاتا ہے جس کا وقفہ قریباً چھ سو سال (۶۰۰)۔ (واللہ العلیم ورسولہٗ)

(تفسیر خزائن العرفان: جلد اول، صفحہ ۶۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت پر پردہ فرض ہے۔ اللہ ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو اِس عظمت کی قدر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور خدائی حکم پر عمل پیرا ہونے کی سعادت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

●●●

اولاد اللہ کی نعمت ہے- بیٹا ہو یا بیٹی

نیک اولاد اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کے جدّ امجد حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی:

رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ (سورۂ الصّٰفٰت: آیت نمبر ۱۰۰)

ترجمہ: الٰہی! مجھے نیک اولاد دے۔

اللہ نے فرمایا:

فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍ (سورۂ الصّٰفٰت: آیت نمبر ۱۰۱)

ترجمہ: تو ہم نے اسے خوش خبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔ (کنز الایمان)

متعدد جگہ قرآن میں اللہ نے اولاد جیسی نعمت کا ذکر فرمایا۔ سورۂ مریم میں فرمایا:

ترجمہ: اے زکریا! ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے۔

(آیت نمبر ۶)

اس سے معلوم ہوا نیک وصالح بیٹا اللہ رب العزت کی بڑی رحمت ونعمت ہے کہ رب کریم نے اس سورہ میں فرزند صالح (نیک) کو رحمت ونعمت فرمایا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹے کی دعا کرنا سنت انبیا ہے مگر اس لیے کہ وہ توشۂ آخرت ہو (ہاں بیٹی پیدا ہونے کا غم کرنا کفار کا طریقہ ہے)۔ مفسرین، علما اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یوں تو سبھی نعمتیں اعلیٰ ہیں مگر ایمان کی دولت اور اولاد کی نعمت تمام نعمتوں میں اعلیٰ نعمت ہے۔ نعمتوں کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

وَاٰتٰىكُمۡ مِّنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ ؕ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ

الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّار ۔ (سورۂ ابراہیم: آیت نمبر ۳۴)

ترجمہ: اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کرسکو گے۔ بے شک آدمی بڑا ظالم ناشکرا ہے۔(کنزالایمان)

تمہاری ہر قسم کی منہ مانگی مرادیں، کروڑوں نعمتیں تمہارے بغیر مانگے تمہیں انعام میں عطا کیں اور بہت سی نعمتیں منہ مانگے بخشیں۔ ہم تمہاری ضرورتیں تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ ہماری عطا، ہمارا انعام تمہارے مانگنے پر (موقوف) نہیں کیوں کہ تمہارے ہر رونگٹے پر کروڑوں نعمتیں ہیں اور جب تمہیں اپنے بالوں کا شمار نہیں تو ہماری دی ہوئی نعمتوں کا شمار کیسے ہوسکتا ہے۔تمہاری گنتی سنکھ پر ختم ہوتی ہے اور وہاں سنکھ سے ابتدا ہوتی ہے۔

اولاد اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے

والدین کی خوبیوں کا امین، ان کے خوابوں کی تعبیر، نسلی امتداد (درازیِ نسل) کا محرک، آنکھوں کی ٹھنڈک، قوت بازو اور خانگی نیرنگیوں کی روح اولاد ہی کا عکس جمیل ہے۔اگر اولاد نہ ہو تو گھر میں اندھیرا اور سونا معلوم ہوتا ہے۔اولاد عطا کرنے کا اختیار اللہ رب العزت کے سوا کسی کو نہیں۔وہ جسے چاہتا ہے بیٹا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا اور بیٹی دونوں عطا کرتا ہے۔کسی عورت کو بانجھ کر دیتا ہے اور کسی مرد میں یہ صلاحیت ودیعت نہیں فرماتا ہے۔قرآن کریم میں ہے:

ترجمہ: اللہ ہی کے لیے ہے زمین و آسمان کی سلطنت۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے، جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمادے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں، اور جسے چاہے بانجھ کردے۔ بیشک وہ علم اور قدرت والا ہے۔(سورۂ شوریٰ: آیت نمبر ۴۸۔۴۹)

تفسیر نور العرفان، جلد اول، ص ۷۷۹ پر صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ حقیقی شہنشاہ وہی ہے، وہ جسے چاہے حکومت بخشے جیسے بادشاہوں کو ظاہری بادشاہی بخشی اور اولیاء اللہ کو باطنی سلطنت عطا فرمائی۔

معلوم ہوا کہ اولاد محض عطائے ربانی ہے۔ بڑے قوی طاقتور لوگ، دولت مند لوگ

اولاد سے محروم دیکھے گئے ہیں اور کمزوروں کا گھر بیٹوں سے بھرا ہوا ہے۔ خیال رہے کہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کی دعاؤں سے اولاد ملنا بھی رب کی عطا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر اولاد سے بھر گیا۔ یہ سب صورتیں انبیائے کرام میں بھی پائی جاتیں ہیں۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں صرف لڑکیاں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صرف لڑکے تھے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے لڑکے ولڑکیاں دونوں عطا فرمائے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام وحضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا جن کے نہ باپ ہے نہ ماں۔ حضرت حوّا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، ان کی ماں نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے پیدا کیا، ان کا باپ نہیں اور باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا کیا ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی ہیں۔ جب اولاد کی نعمت اور وسائل رزق کی فراوانی، صحت وعافیت کی نعمتیں مل جاتیں ہیں تو انسان تکبر اور غرور کا اظہار کرنے لگتا ہے حالاں کہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا یا اس کا اظہار کرنا برا نہیں، لیکن وہ تحدیث نعمت کے طور پر ہو نہ کہ بڑائی کے لیے۔

اولاد جیسی نعمت کی قدر یہ ہے کہ حتیٰ الامکان اس کی قدر و قیمت کو سمجھا جائے اور اس پر توجہ دی جائے۔ مذہب اسلام میں پیدائش سے پہلے ہی ہدایت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ لوگ بچوں کے سلسلے میں ہمیشہ تغافل (غفلت) سے کام لیتے ہیں۔ ان کی تربیت سے چشم پوشی نہ صرف یہ کہ ایک معاشرتی اور اخلاقی جرم ہے بلکہ خود ان کے اور ان سے متعلق قوم وملک کے مستقبل کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کی تربیت کو عبادت اور ان کو ایک کلمہ خیر سکھا دینے کو صدقہ دینے سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

قرآن کریم نے بچوں کی آخرت کی ناکامیوں کی ذمہ داری والدین کے سر ڈالی ہے اور خاص کر ایمان والوں کو مخاطب کیا۔ قرآن ارشاد فرمار ہا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ....الخ (سورۂ تحریم: آیت نمبر ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس

کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو (یعنی سخت دل) سخت مزاج ہیں۔ جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے فوراً بجالاتے ہیں۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے حکم دیا ہے۔ (کنز الایمان)

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ذمے داریوں کے احساس سے بہت متاثر اور فکر مند ہوئے۔ آپ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنے آپ کو دوزخ سے بچانے کا مفہوم تو سمجھ میں آ گیا مگر اہل وعیال کو کیسے جہنم سے بچا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن چیزوں سے خدا نے تمہیں روکا ہے، تم اپنے اہل وعیال کو روکو اور جن کاموں کو انجام دینے کا حکم فرمایا ہے تم ان کا اپنے اہل وعیال کو حکم دو۔

سب سے اچھا تحفہ اولاد کے لیے

ترمذی شریف میں حضرت ایوب موسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد اور اپنے دادا کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اچھی تربیت سے زیادہ ایک باپ کا اپنے اولاد کے لیے کوئی عطیہ (انعام نہیں)۔''

ایک دفعہ سرکار ﷺ نے فرمایا:

''کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اسے اچھی تعلیم دے۔'' (ترمذی شریف: کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الادب الوالد)

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''بچوں کو ادب سکھاؤ اور تعلیم دو''۔ حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ اولاد کی عزت کرو اور اسے بہترین ادب سکھاؤ۔

اولاد صالح (نیک) کی تمنا رکھنے والوں کے لیے شریعت نے یہ بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ جس وقت مرد، عورت کے پاس اور انزال (ملنے کا وقت) ہو جائے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے تاکہ اولاد صالح (نیک) ہو، شیطانی اثرات سے پاک ہو۔

بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِيَ الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنِيْ۔

(ترجمہ) اللہ کے نام سے شروع۔ اے اللہ! مجھے شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو میری اولاد سے دور فرما۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو یہ دعا پڑھ لے تو اس کی اولاد کو کبھی شیطان نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف)

جب بیوی امید سے ہو تو زن وشوہر باہم محبت وانس اور یگانگت کا مظاہرہ کریں، آپس میں لڑیں جھگڑیں نہیں اس لیے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا جنین خارجی موثرات کی گرفت میں ہوتا ہے۔ جس طرح کیمرے کی آنکھیں جسم کے اندر مخفی گوشوں تک پہنچ کر ایک ایک چیز کو گواہ بنا دیتی ہیں۔ ایسے ہی جنین (وہ بچہ جو رحم مادر میں ہو) کی پرورش میں والدین کے سلوک کو خاصا دخل ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ کی طرف رجوع کرتے رہنا چاہیے۔ جب حمل کے دوران ڈاکٹروں سے رجوع کرتے رہتے ہیں تا کہ ولادت کا مرحلہ آسان ہو تو جس ذات نے اس جنین کے استقرار اور نشونما کا سامان کیا ہے اس رب العزت کی طرف بدرجہ اولیٰ توجہ کرنا اور اس کو راضی رکھنے کی فکر کرنا قریب عقل قرار دیا جائے گا۔ قرآن پاک میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: (سورۂ اعراف: آیت نمبر ۸۱)

ترجمہ: تو جب حمل ظاہر ہو گیا تو دونوں نے اپنے رب سے دعا کی۔ ضرور اگر ہمیں جیسا چاہیے (نیک) بچہ دے گا تو بے شک ہم شکر گزار ہوں گے، اچھے بچے ملنے پر تیری عبادت اور شکر گزاری کروں گا۔ (کنز الایمان)

حضرت لقمان علیہ السلام کے ارشادات میں ہے: ''باپ کا ادب کی تعلیم کے لیے اولاد کو مارنا کھیتی کے لیے آسمان کی بارش کے مثل ہے'' (باپ کی مار اولاد کے لیے مثل بارش ہے)

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''استاد کی سزا ماں باپ کے پیار سے بہتر ہے''۔

الادبُ منَ الاباءِ والصلاح من اللہ تعالیٰ یعنی ادب بزرگوں سے اور نیکی اللہ سے ہے۔ ادب بزرگ سکھائیں گے، نیک اللہ بنائے گا۔

من ادب ابنہ صغیراً قرت عینہ یعنی جس نے بیٹے کو بچپن میں ادب سکھایا بڑے ہونے پر اس سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی۔

اللہ کی اس نعمت (اولاد) کی قدر یہ ہے کہ حتیٰ الامکان اس کی قدر و قیمت کو سمجھا جائے، اس پر توجہ دی جائے اور اس کے جو تقاضے ہیں انہیں پورا کیا جائے۔ایک عبرت ناک واقعہ ملاحظہ فرماتے چلیں:

میرا ایک شخص کے یہاں جانا ہوا۔وہاں چھوٹا بچہ بہت رو رہا تھا۔رونے کی وجہ معلوم کرنے پر انکشاف ہوا کہ بجلی نہیں ہونے کی وجہ سے رو رہا ہے۔مجھے حیرت ہوئی کہ اتنی سخت سردی کے موسم میں پنکھے کا کیا کام۔معلوم ہوا ٹی۔وی (T.V) نہیں چل رہی ہے، بچہ گانا سن کر سوتا ہے،، بچہ دو ماہ کا ہو چکا تھا مگر اسے اذان و اقامت بھی نہیں سنائی گئی تھی ۔(نعوذ باللہ)۔قارئین اندازہ لگائیں تربیت کا۔ پھر شکایت کی کہ بچہ والدین کا نافرمان ہے۔

ترمذی اور ابوداؤد شریف میں صحابیِ رسول حضرت ابورافع رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا انہیں (اپنے نواسے) حسن ابن علی (رضی اللہ عنھما) کے کان میں اذان پڑھتے ہوئے جب (حضور کی شہزادی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں ان کی ولادت ہوئی۔

اولاد اللہ کی عطا و نعمت ہے

نعمت کے بارے میں ارشاد باری ہے:

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ۔الخ (سورۂ نحل: آیت نمبر ۱۷)

ترجمہ: اور اگر اللہ کی نعمتوں کو گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے ہزارہا داخلی نعمتیں داخلی ہم کو عطا فرمائیں، ان میں اولاد بھی ہے اور کچھ خارجی نعمتیں بھی عطا فرمائیں اور دونوں نعمتیں ہمارے شمار سے باہر ہیں چہ جائیکہ ان کا شکریہ ادا ہو۔اللہ عزوجل باوجود بندوں کے کفر و شرک و سرکشی کے، اپنی نعمتیں بند نہیں فرماتا اور بڑے سے بڑا گناہ توبہ سے معاف فرما دیتا ہے۔یہ اس کا کرم ہے۔

آج کے ماحول میں بچوں سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی ہے۔حصول دولت کی دوڑ

(Race) میں انسان اس قدر لگے رہتے ہیں کہ وہ بچوں کے بارے میں سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے بالخصوص مغربی مما لک میں بچے قانون اور امن کے لیے ہزاروں مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ امریکہ و یوروپ میں آئے دن اسکولوں میں اندھادھند گولیاں چلانا، سیکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا اور ان جیسے واقعات برابر اخبار کی سرخیاں بنتے رہتے ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ ان بچوں کی تربیت اسلامی اقدار (طور طریقے) کے مطابق کی جائے تا کہ وہ بڑے ہو کر ملک وقوم، خاندان و معاشرہ اور خود اپنی ذات کے لیے مفید ثابت ہو سکے۔ اللہ ہم مسلمانوں کو اس مضمون سے عمل کی توفیق رفیق اور فائدہ نصیب فرمائے۔

●●●

بیماری اور اس کا علاج اور عیادت کے فضائل

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت اور آپ کا اسوہ یہ ہے کہ جب آدمی بیمار ہو،صحت خراب ہوتو علاج کرایا جائے۔اس لیے جو شخص علاج کراتا ہے وہ سنت پر عمل کرتا ہے اور جو نہیں کراتا وہ سنت کو ترک کرتا ہے۔علاج نہ کرانا کسی فضیلت کا باعث ہوتا تو یقینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے احتراز فرماتے۔

بیماری گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس مسلمان کو جو کوئی تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر اس کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کے بدلے کوئی نا کوئی گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کا درجہ بلند فرماتا ہے۔حدیث پاک میں ہے:

الحمی من فیح جھنم (بخاری شریف باب صفۃ النار)

ترجمہ: بخار جہنم کی گرمی کا حصہ ہے۔

علماے کرام نے اس حدیث پاک کی مختلف تشریحات کی ہیں۔بعض علما نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ یعنی جہنم میں جو گرمی برداشت کرنی پڑتی ہے اس کے بدلے میں اللہ نے یہ گرمی دے دی تا کہ اس بخار کی وجہ سے وہ گناہ دنیا ہی کے اندر دھل جائے اور معاف ہو جائے۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مریض کی عیادت فرماتے تو فرماتے:

لاباس طھور ان شاء اللہ

یعنی کوئی غم نہ کرو۔یہ بخار تمہارے گناہوں سے پاکی کا سبب اور ذریعہ بن جائے گا۔

بیماری اور اس کا علاج:

قرآن کریم میں ہے:

ترجمہ: اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اگر تجھے بھلائی آرام پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور حکمت والا جاننے والا ہے۔ (سورۂ انعام: آیت نمبر ۱۶، ترجمہ کنز الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

''اللہ نے ہر بیماری کا علاج رکھا ہے اور بیماری سے زیادہ قوت (شفا) دوا میں رکھی ہے۔''

اس سے علاج کی اہمیت اور افادیت سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ نے علاج کروایا اور لوگوں کو بکثرت دوائیں وعلاج بتائے۔ اس کی وجہ سے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبی معلومات اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ لوگ اکثر علاج پوچھنے آتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف امراض کی دوائیں اور ان کے علاج بتائے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو علاج کا مشورہ دیا اور انہوں نے اس پر عمل بھی کیا۔

علاج کو توکل کے منافی سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ توکل یہ نہیں ہے کہ آدمی اسباب و وسائل کو اختیار نہ کرے بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اصل اعتماد اسباب و وسائل پر نہیں بلکہ اللہ کی ذات پر ہو۔ وسائل کو اختیار کیے بغیر جو توکل کیا جائے وہ توکل غلط قسم کا توکل ہوگا۔ بیماری میں توکل یہ ہے کہ آدمی دوا علاج کرنے کے باوجود اللہ پر بھروسہ رکھے اور مرض اور شفا سب کو رب کی جانب سے سمجھے۔

رحمت کاملہ کا سایہ

☆ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس بندے پر میں نے ایک بیماری نازل کی اور اس پر اس نے صبر کیا اور لوگوں سے اس کا شکوہ شکایت نہیں کی۔ اب اگر میں اس کو صحت دوں گا تو اس سے بہتر گوشت و پوشت اس کو دوں گا۔

☆ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت عزیر علیہ السلام پر وحی بھیجی: اگر تجھ پر کوئی بلا نازل ہو تو میری مخلوق کے پاس شکایت سے بچنا اور میرے ساتھ ایسا معاملہ کر جیسا کہ میں تیرے ساتھ کرتا ہوں کیوں کہ جس طرح میں تیری شکایت فرشتوں کے سامنے نہیں کرتا اس وقت جب تیرے برے اعمال میرے سامنے آتے ہیں ایسے ہی تجھے مناسب ہے کہ جب تجھ پر کوئی مصیبت و بلا و بیماری آئے تو میری شکایت سے پرہیز کیا کرو کیوں کہ شکوہ شکایت سے تیرا دشمن خوش ہوگا اور دوست غمگین ہوگا۔

بیماری پر صبر اور اس پر انعام

فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: اللہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

جو شخص عبادت الٰہی پر صبر کرتا ہے اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتا ہے، اسے قیامت کے دن اللہ پاک ۳۰۰/ایسے درجات عطا فرمائے گا جن میں ہر درجے کا فاصلہ زمین و آسمان کے برابر ہوگا (یعنی جتنی دوری زمین و آسمان کے درمیان ہے، اتنا)۔ جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں پر صبر کرے گا اسے ۶۰۰/درجات بلندی عطا فرمائے گا جن میں ہر درجے کا فاصلہ از پہلا آسمان تا ساتویں آسمان کے برابر ہوگا اور جو مصائب و بیماری پر صبر کرتا ہے اسے ۷۰۰// درجات عطا ہوں گے۔ ہر درجے کا فاصلہ تحت الثریٰ سے عرش علیٰ کے برابر ہوگا۔ (مکاشفۃ القلوب: جلد اول، ص ۵۰)

حدیث پاک میں ہے: جو شخص رات بھر بیمار رہا اور صبر کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوا (اور بیماری کا ہو ہلہ نہ کیا) تو وہ شخص گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسے کے اپنی پیدائش کے وقت تھا اس لیے جب تم بیمار ہو جاؤ تو عافیت کی تمنا کرو۔

بیماری اور رنج وغم گناہوں کو مٹا دیتے ہیں

حضرت علامہ ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جو شخص ۴۰؍راتوں میں ایک رات بھی گرفتارِ رنج والم نہ ہوا، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے کوئی خیر اور بھلائی نہیں۔

جھوٹے بیمار کا عذاب

حدیث پاک میں ہے: لا تمارضوا فتمرّضوا فتموتوا فتدخلوا النار

ترجمہ: جھوٹا بیمار مت بنو کہ حقیقت میں بیمار بن جاؤ گے اور مر جاؤ گے تو جہنم میں جاؤ گے۔

خدا سے ہمیشہ ڈرو کہ جھوٹا بیمار بننے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حقیقت میں بیمار کر دے اور عاقبت خراب ہونے کا خوف الگ سے دامن گیر ہو۔

(الملفوظ: حصہ چہارم، ص ۳۵۔ خطبات محرم: ص ۵۳۹)

تعزیت کرنا بھی عبادت ہے

مولائے رحیم نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ جو شخص چاہے اپنے ظرف کے مطابق اس سے فائدے حاصل کر سکتا ہے۔ فرائض و واجبات کی اہمیت سے تو مسلمان ایک حد تک واقف ہیں، لیکن بہت سی باتیں جن کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی جاتی ہیں حالاں کہ وہ اللہ کے نزدیک بہت اہم ہوتی ہیں، انہی میں سے عیادت (بیمار پُرسی) تعزیت (وفات پانے والے کے پسماندگان کی تسلی و دل جوئی) کرنا بھی ہے جن کی بڑی فضیلت اور بڑا ثواب ہے۔ کبھی کسی مصیبت زدہ کی معمولی سی ہمدردی ہمیشہ کے لیے اس کو ہمدردی کرنے والے سے منسلک کر دیتی ہے۔ حدیث میں عیادت و تعزیت کے بہت سے فضائل ہیں۔ مسلمانوں کے مسلمانوں پر جو حقوق ہیں ان میں، عیادت اور جنازہ بھی شامل ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ حق المسلم علی المسلم خمس ردّ السلام و عیادۃ المریض و اتباع الجنائز و اجابۃ الدعوۃ و تشمیت العاطش (بخاری و مشکوٰۃ)

ترجمہ: سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔سلام کا جواب دینااور بیمار کی عیادت کرنا اور جنازے کے پیچھے چلنااور دعوت کا قبول کرنااور چھینکنے والے کا جواب دینا(جب چھینکنے والا الحمد للہ کہےتو اس کو یرحمك اللہ کہنا)

لوگ ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان باتوں کی پُرسش فرمائے گا۔حدیث پاک میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ اے آدمی! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔وہ عرض کرے گا اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا۔تو،تو پروردگار عالم ہے۔اللہ فرمائے گا کہ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو،تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے نزدیک پاتا۔اے آدمی! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو،تو نے مجھ کو نہیں کھلایا۔وہ عرض کرے گا کہ میں تجھ کو کیسے کھلاتا تو، تو پروردگار عالم ہے۔اللہ فرمائے گا کہ کیا تجھ کو علم نہیں کہ میرا فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو،تو نے اس کو نہیں کھلایا،کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کا ثواب مجھ سے پاتا؟ اے آدمی! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو،تو نے مجھ کو پانی نہیں پلایا۔وہ عرض کرے گا کہ میرے پروردگار! میں تجھ کو کیوں کر پانی پلاتا۔تو،تو پروردگار عالم ہے۔اللہ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو،تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کا ثواب میرے پاس پاتا۔

سبحان اللہ سبحان اللہ! قربان ہو جائیں پیارے اسلامی بھائیو مولائے رحیم کی کرم نوازی پر۔

بیمار پُرسی و تعزیت کے فضائل

جو شخص بیمار کی عیادت کرتا ہے،اگر وہ صبح کو عیادت کرے گا تو صبح سے شام تک فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہیں گے اور اگر شام کو عیادت کرے گا تو شام سے صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہیں گے اور اس کو عیادت کا ثواب جنت میں ایک باغ کی

شکل میں ملے گا۔

عیادت کی فضیلت و برکت یہ بھی ہے کہ عیادت کرنے والے کو آسمان سے ایک پکار نے والا پکار کر کہتا ہے کہ تیری زندگی اچھی ہوئی اور تیرا چلنا اچھا ہوا اور تیرا مقام جنت کے ایک مکان میں ہوگا یعنی عیادت کی برکت سے دنیا اور آخرت میں اچھی زندگی حاصل ہوگی۔

ایک مسلمان کی عیادت خود بھی جنت کے باغ کے سیر کے برابر ہے اور اس کا بے انتہا ثواب ہے۔

عیادت کا اسلامی طریقہ

ایک حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ جب مریض کی عیادت کو جائے تو اس سے اس طرح سے باتیں کرے کہ اس کی طبیعت میں فرحت وسرور پیدا ہو اور مرض کی شدت کے سبب اس کو موت کا خطرہ ہو تو اس کو اپنی دل چسپ باتوں سے دور کرنے کی کوشش کرے اور اس کے مرض کو معمولی بتائے اور کہے کہ آپ جلد اچھے ہو جایئے گا۔

دوسری حدیث پاک میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

تم بیمار کے پاس جاؤ، تو اچھی باتیں کر کے اس کے دل سے موت کا خطرہ دور کر دو۔ بلا شبہ اس سے کوئی چیز دور نہیں ہوگی مگر مریض کا دل خوش ہوگا۔

بیماری پر کفریہ لفظ گناہ ہے، کلمات کفر کی چند مثالیں

(۱) اللہ نے مجھ کو بیمار کر کے مجھ پر ظلم کیا ہے (معاذ اللہ)۔ اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ یہ کلمۂ کفر ہے (البحر الرائق: ج۵، ص۲۰۹)

(۲) یہ کہے اے اللہ تو نے مال لے لیا، فلاں چیز لے لی، اب کیا کرے گا یا اب کیا باقی رہ گیا ہے یا اب جان لے لے گا۔

یہ قول کفر ہے۔ (بہار شریعت: ج۹، ص۱۷۲)

(۳) یا اللہ! میں بھی تیرا بندہ ہوں اور میں بیمار ہوں اور تیرا فلاں بندہ عیش وعشرت

میں ہے۔ آخر یہ کیا معاملہ ہے، کیا یہی تیرا انصاف ہے۔

ایسا کہنا کلمۂ کفر ہے۔(بہار شریعت: ج۹،ص ۱۷۰)

(۴) اللہ نے مجھ مجبور کو بیمار کر کے اور پریشان کیا ہے۔(معاذ اللہ)

یہ کلمۂ کفر ہے(فتاویٰ عالمگیری: ج ۲،ص ۲۶۰)

اللہ پاک ہم سبھی کو بیماری، عیادت اور تعزیت کے احکام جاننے اور سمجھنے عمل کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین، ثم آمین۔

●●●

غلطی کرنے والوں کو سزا دینے کا اسلامی طریقہ

غلطی کے ازالے میں مسلمان کی مدد کرنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:
ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہلاک ہو گیا۔ فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں ایک غلام دستیاب ہے جسے تم آزاد کر دو؟ اس نے عرض کیا: جی نہیں۔ فرمایا: کیا تم مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: جی نہیں۔ فرمایا: کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو؟ اس نے کہا: جی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما رہے۔ اسی اثنا میں نبی اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ٹوکرا پیش کیا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا: جی میں ہوں۔ فرمایا: یہ لے کر صدقہ کر دو۔ وہ بولا: اللہ کے رسول! کیا اپنے سے زیادہ غریب آدمی پر صدقہ کروں؟ اللہ کی قسم! سنگریزوں والے دونوں قطعات کے درمیان (یعنی پورے مدینہ میں) مجھ سے غریب گھر موجود نہیں۔ نبی اکرم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھل کر مسکرائے حتی کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک نظر آنے

لگے۔ پھر فرمایا: اپنے گھر والوں کو کھلا دینا۔

(صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے قلعہ کے بلند حصے کے سائے میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی حاضر خدمت ہوا اور بولا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تو جل گیا۔ فرمایا: کیا ہو؟ اس نے کہا: میں نے روزے کی حالت میں بیوی سے مقاربت کی ہے۔ راوی کہتے ہیں: یہ رمضان کا واقعہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ وہ دوسرے لوگوں میں جا بیٹھا۔ تب ایک آدمی گدھے پر کھجوروں کی بوری لے کر حاضر ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میری طرف سے صدقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کہاں ہے جو ابھی جل گیا تھا؟ اس نے کہا: میں حاضر ہوں یارسول اللہ! فرمایا یہ لے لو اور صدقہ کر دو۔ اس نے کہا: صدقہ مجھ پر اور میرے لیے کرنے کے علاوہ اور کہاں جائے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، میرے پاس اور میرے بیوی بچوں کے پاس کچھ بھی نہیں۔ فرمایا تب اسے لے لو۔ چنانچہ اس نے وہ کھجوریں لے لیں۔

(مسند احمد ۶/۲۷۶)

غلطی کرنے والے سے مل کر تبادلہ خیال کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: میرے والد نے ایک معزز خاندان کی ایک خاتون سے میری شادی کر دی۔ وہ اپنی بہو کی خیریت کا پتہ کرنے آتے اور اس سے اس کے خاوند کے بارے میں پوچھتے، وہ کہتی: وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ جب سے ہم ان

کے پاس آئے ہیں وہ ہمارے بستر پر نہیں بیٹھے، نہ ہمارا کپڑا اٹھا کر دیکھا۔ جب کافی عرصے تک یہی کیفیت رہی تو انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ذکر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے میرے پاس لانا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: تم روزے کس طرح رکھتے ہو؟ میں نے کہا: ہر روز۔ فرمایا قرآن کتنی دنوں میں ختم کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہر رات۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مہینے میں تین روزے رکھو اور ایک مہینے میں قرآن پڑھو۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ (عمل کرنے کی) طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: ہفتے میں تین روزے رکھو۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: دو دن چھوڑ کر ایک دن روزے رکھو۔ میں نے عرض کیا: اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: تو سب سے افضل روزہ رکھ لو۔ یعنی داؤد علیہ السلام کا روزہ، ایک دن روزہ رکھو ایک دن چھوڑ و اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو۔ کاش! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت قبول کر لی ہوتی۔ اب میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں (اور اتنی عبادت آسانی سے نہیں کر سکتا۔ (راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ دن کے وقت قرآن کا ساتواں حصہ کسی کو سنا لیتے تھے تاکہ رات کو پڑھنے میں آسانی ہو اور جب یہ چاہتے کہ (انہیں روزے رکھنے کی) طاقت حاصل ہو جائے تو کئی دن (مسلسل) روزہ چھوڑ دیتے، بعد میں گن کر پورے کر لیتے۔ کیوں کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جو کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کرتے رہے ہیں، اسے ترک کر دیں۔

(صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن، باب فی کم یقرء القرآن)

مسند احمد کی روایت میں یہ واقعہ مزید وضاحت سے بیان ہوا ہے اور اس روایت میں مزید کئی نکات بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا:

''میرے والد نے قریش کی ایک عورت سے میرا نکاح کر دیا۔ جب وہ خصت ہوکر میرے گھر آئی تو میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا کیوں کہ میں اپنے اندعبادت یعنی نماز اور روزے کی طاقت محسوس کرتا تھا۔(ایک دن) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی بہو کے پاس آئے اور اس سے پوچھا: تم نے اپنے خاوند کو کیسا پایا؟ اس نے کہا: بہت اچھا آدمی ہے، نہ انہوں نے ہمارا کپڑا اُٹھایا، نہ ہمارے بستر پر آئے۔ انہوں نے میرے پاس آ کر مجھے بہت سرزنش کی اور فرمایا: میں نے تمہارا نکاح قریش کی اونچے حسب نسب والی عورت سے کیا،تو نے اس سے کنارہ کشی کر لی۔اورتو نے یہ کیا اور وہ کیا (یعنی انہوں نے بہت بُرا بھلا کہا)۔ پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو فرمایا: دن کو روزہ رکھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔فرمایا: رات کو قیام کرتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر فرمایا: میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ جو میرے طریقے سے بے رغبتی کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔ پھر فرمایا: ہر مہینے ایک بار قران پڑھا کرو۔ میں نے عرض کیا: میں اپنے آپ میں اس سے زیادہ قوت محسوس کرتا ہوں۔فرمایا: تب دس دن میں قرآن پڑھ لیا کرو۔ میں نے کہا: میں خود کو اس سے زیادہ قوی سمجھتا ہوں۔فرمایا: تو تین دن میں پڑھ لو۔ اس کے بعد فرمایا: ہر مہینے میں تین دن روزے رکھو۔ میں نے کہا: میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہوں۔ آپ اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ فرمایا: ایک دن روزہ رکھو، ایک دن نہ رکھو۔ یہ سب سے افضل روزہ ہے اور یہ میرے بھائی داوٗد (علیہ السلام) کا روزہ ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر عبادت کرنے والے کا ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ جوش کے

ٹھنڈا پڑنے پر وہ شخص یا تو سنت پر قائم رہتا ہے یا بدعت اختیار کر لیتا ہے۔
تو جو شخص ٹھنڈا ہونے پر بھی سنت پر عمل کرتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے اور جو
شخص جوش ٹھنڈا ہونے پو دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔ وہ تباہ ہو جاتا ہے۔''

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب عنداللہ بن عمر و رضی الہ عنہما بوڑھے اور کمزور ہو گئے تو (یہ طریقہ اختیار کیا کہ) مسلسل کئی دن روزے رکھتے رہتے۔ پھر اسی تعداد کے مطابق مسلسل) روزے چھوڑ دیتے تاکہ کچھ قوت حاصل ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا: اسی طرح تلاوت کے حصے میں تھی کمی بیشی کر لیتے تھے۔ (مجموعی طور پر) مقدار پوری کر کے سات دن میں یا تین دن میں قرآن مجید پڑھ لیتے۔ انہوں نے فرمایا: بعد میں وہ کہا کرتے تھے۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت قبول کر لیتا تو وہ موجودہ متبادل صورت سے بہتر ہوتا لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کام کرتے ہوئے جدا ہوا ہوں، اب اسے چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ (مسند احمد: ۲ / ۱۵۸)

واقعے سے مستنبط بعض مسائل

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب کی طرف توجہ فرمائی جس کی وجہ سے مسئلہ پیدا ہوا تھا۔ یعنی عبادت میں اس حد تک انہماک کہ بیوی کے حقوق کی ادائیگی کے لیے وقت نہ بچا جس کے نتیجے میں کوتاہی کا ارتکاب ہوا۔

☆ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔ یہ قاعدہ ہر اس شخص پر منطبق ہوتا ہے جو نیکی کے کاموں میں حد سے زیادہ مشغول ہو۔ مثلاً وہ طالب علم جو بہت زیادہ اسباق پڑھتا ہے اور وہ مبلغ جو تبلیغ میں اس حد تک منہمک ہو جاتا ہے کہ بیوی کو تکلیف ہوتی ہے اور اسے شکایت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نیکی کے مختلف کاموں کی ادائیگی میں توازن قائم نہیں رہتا اور وقت کو مستحقین میں تقسیم کرنے پر عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ طالب علم اپنے اسباق کے اوقات میں سے اور مبلغ اپنی مصروفیت میں سے اتنی تخفیف کرے کہ گھر کے انتظام اور بیوی بچوں کے حقوق مثلاً اصلاح و تربیت وغیرہ کے لیے کافی وقت بچ سکے۔

غلطی کرنے والے کو صاف طور پر اس کی غلطی بتا دینا:

صحیح بخاری میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا:

میرا کسی آدمی سے جھگڑا ہو گیا، اس کی ماں عجمی تھی۔ میں نے اس کو ماں کا طعنہ دیا، اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلاں شخص سے تمہارا گالی گلوج ہوئی؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: تم نے اس کی ماں کو بُرا بھلا کہا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ میں نے کہا: اس بڑھاپے میں بھی؟ فرمایا: ہاں۔ وہ (غلام) تمہارا بھائی ہے جنہیں اللہ نے تمہارے قبضے میں دے دیا ہے۔ تو جس کے قبضے میں اللہ نے اس کے بھائی کو کیا ہو، اسے چاہیے کہ جو خود کھائے اسے کھلائے اور جو خود پہنے وہ اسے پہنائے اور اسے اس کام میں نہ لگائے جو اس پر غالب آ جائے (انتہائی دشوار) اور اگر اسے کسی ایسے کام میں لگائے جو اس پر غالب آئے تو اس کی ادائیگی میں اس کی مدد بھی کرے۔ (صحیح البخاری: کتاب الادب باب ما ینھی عن اسباب اللعن)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میرے بھائیوں میں سے ایک آدمی کے ساتھ میری تلخ کلامی ہو گئی۔ اس کی ماں عجمی تھی۔ میں نے اسے ماں کا طعنہ دیا۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میری شکایت کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے۔ میں نے کہا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جو کوئی لوگوں کو گالی دیتا ہے، لوگ اس کے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوذر! تمہارے اندر جاہلیت پائی جاتی ہے۔ وہ تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے قبضے میں دے دیا ہے لہٰذا انہیں وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور ان کے ذمے وہ کام نہ لگاؤ جو ان

پر غالب آجائے۔ اگر ایسا کام ان کے ذمے لگاؤ تو ان کی مدد کرو۔
(صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب اطعام المملوک مما یاکل)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوری صراحت سے یہ بات فرما دی کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ صحابی رضی اللہ عنہ اس کو قبول کر لیں گے۔ صراحت ایک مفید ذریعہ ہے جس میں وقت بھی کم لگتا ہے اور محنت بھی زیادہ نہیں کرنی پڑتی اور اصل مقصد بھی بڑی سہولت سے واضح ہو جاتا ہے لیکن اس طریقۂ کار کا استعمال مناسب حالات میں اور مناسب افراد کے ساتھ ہی کیا جا سکتا ہے۔

بعض اوقات عالم غلطی پر صراحت سے تنبیہ کرنے سے اجتناب کرتا ہے جب کہ اس طریقے کے استعمال کے نتیجے میں کوئی بڑی خرابی پیدا ہونے کا خطرہ ہو، یا کوئی بڑا فائدہ ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ مثلاً غلطی کرنے والا معاشرے میں ممتاز مقام کا حامل ہے یا کسی بلند عہدے پر فائز ہے جس کی وجہ سے وہ اس اسلوب سے کی ہوئی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ یا خطرہ ہے کہ صراحت کرنے پر غلطی کرنے والا اپنے آپ کو سخت مشکل میں محسوس کرے گا یا وہ اس قدر حساس طبعت کا مالک ہے کہ اس سے منفی ردِ عمل سرزد ہونے کا امکان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غلطی کرنے والا صراحت کے اسلوب کو پسند نہیں کرتا اور اسے برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے کیوں کہ اس میں سامنے ہو کر بات کی جاتی ہے اور تنقید کرنے والا گویا استاد جیسے بلند مقام پر فائز محسوس ہوتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں غلطی کرنے والا ایک نقص کا حامل اور کم تر مقام پر نظر آتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ گھما پھرا کر بات کرنے کے بھی منفی پہلو موجود ہیں جو بعض اوقات صراحت کے اسلوب سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں کیوں کہ غلطی کرنے والا یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اسے کم عقل سمجھ کر تضحیک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ممکن ہے وہ اشاروں کنایوں کی وجہ سے پریشانی محسوس کرے کیوں کہ وہ انہیں طنز اور ذہنی اذیت سمجھتا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے جو بات سمجھانا مقصود ہے وہ اسے سمجھ ہی نہ سکے کیوں کہ کلام کا اصل مقصد پوشیدہ ہے اور غلطی کرنے والے کا ذہن اس تک نہیں پہنچ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غلطی پر قائم رہے گا۔ ویسے بھی ہر شخص میں قبولیت کی طرف میلان ایک

جیسا نہیں ہوتا۔ مزید برآں ایک شخص کے لیے ایک انداز بہتر ہوتا ہے، دوسرے آدمی کے لیے کوئی دوسرا اسلوب بہتر ہوتا ہے۔ البتہ یہ بات ہر حال میں درست ہے کہ تبلیغ کی کامیابی میں رہنمائی کرتے وقت حسن خلق کا اثر سب سے زیادہ ہے۔

غلطی کرنے والے کو قائل کرنا:

غلطی کرنے والے کو قائل کرنے کے لیے اس سے تبادلہ خیال کی کوشش کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس طرح اس کی عقل پر سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے جو حق کی قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے، چنانچہ آدمی سیدھی راہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ سنتِ نبوی میں سے اس کی ایک مثال طبرانی کی وہ حدیث ہے جو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

> ایک نوجوان لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔ لوگوں نے بلند آواز سے منع کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین سے) فرمایا: بس کرو۔ پھر فرمایا: اسے سکون سے بیٹھنے دو۔ اور اسے فرمایا: قریب آجاؤ۔ وہ قریب آ گیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سامنے آ بیٹھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم اپنی والدہ کے لے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: جی نہیں۔ فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے یہ چیز پسند نہیں کرتے۔ کیا تم اپنی بیٹی کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: جی نہیں۔ فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے یہ بات پسند نہیں کرتے۔ کیا تم اپنی بہن کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: جی نہیں۔ فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے یہ چیز پسند نہیں کرتے۔ کیا تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: جی نہیں۔ فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لیے یہ چیز پسند نہیں کرتے۔ کیا تم اپنی خالہ کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ اس نے

کہا: جی نہیں۔فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لیے یہ چیز پسند نہیں کرتے۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ کَفِّرْ ذَنْبَہٗ وَ طَھِّرْ قَلْبَہٗ وَ حَصِّنْ فَرْجَہٗ اے اللہ! اس کا گناہ معاف کردے، اس کے دل کو پاک کردے اور اسے پاک دامنی بھی عطا فرما۔(مسند احمد ۵/ ۲۵۶، ۲۵۷۔والمعجم الکبیر الطبرانی)

غلطی کرنے والے کو احساس دلانا

بعض اوقات غلطی کرنے والا من گھڑت اور نا قابل قبول وجوہات تراش کر کے اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔خصوصاً جب کہ معاملہ اچانک ظاہر ہو جائے اور وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہ ہو۔بعض اوقات جھوٹا بہانہ کرتے ہوئے زبان اٹکتی ہے۔خاص طور پر جب آدمی صاف دل والا ہو اور اسے جھوٹ بولنا نہ آتا ہو۔اگر مربی کے سامنے اس قسم کے آدمی کا کوئی معاملہ آئے تو وہ کون سا طریق کار اختیار کرے؟ مندرجہ ذیل قصہ اگر صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابی کے ساتھ بڑا خوبصورت اور مبنی بر حکمت موقف سامنے آتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مربی کس طرح غلطی کرنے والے کو ایک تسلسل کے ساتھ غلطی کا احساس دلا سکتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی غلطی سے دست بردار ہو کر اصلاح کر لے۔

حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم راہی میں مرالظہر ان (مکّہ کے قریب ایک مقام) پر پڑاو ڈالا۔میں اپنے خیمے سے نکلا، اچانک مجھے کچھ خواتین باتیں کرتی نظر آئیں۔مجھے یہ منظر اچھا لگا۔میں نے واپس اپنے خیمے میں جا کر اپنا بقچہ نکالا۔اس میں سے ایک حلہ (عمدہ جوڑا) نکال کر پہنا اور ان کے پاس آ بیٹھا۔(اچانک) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔(مجھے عورتوں کے پاس بیٹھے دیکھ کر) فرمایا: اے ابوعبداللہ:

جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں خوف زدہ ہو گیا اور مجھ سے کوئی بات نہ بن پائی۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! میرا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ میں اس کے لیے رسّی کی تلاش میں ہوں۔حضور علیہ السلام چل دیے، میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔آپ نے اپنی چادر میرے پاس رکھ دی۔(مطلب یہ تھا کہ یہیں رکے رہو) اور خود (قضائے حاجت کے لیے) درختوں میں تشریف لے آئے۔ مجھے درختوں کے سبز رنگ میں سے آپ کی کمر مبارک کی سفیدی نظر آ رہی تھی۔ فارغ ہو کر آپ نے وضو کیا اور تشریف لائے تو آپ ﷺ کی ریش مبارک سے پانی ٹپک ٹپک کر سینے مبارک پر گر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ابوعبداللہ! تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟ اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ملتے تو فرماتے: السلام علیکم، اے عبداللہ! تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟ یہ کیفیت دیکھ کر میں تیزی سے سفر کر کے مدینہ پہنچ گیا۔ میں نے مسجد میں آنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ جب کافی دن گزر گئے تو میں ایسے وقت مسجد کی طرف چلا جب وہ (نمازیوں سے) خالی ہو۔ میں وہاں کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبھی کسی حجرہ شریف میں سے نکل کر تشریف لے آئے اور ہلکی سی دو رکعتیں پڑھیں۔ میں نے نماز لمبی کر دی کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوڑ کر تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا: ابوعبداللہ! جتنی لمبی چاہے نماز پڑھو، جب تک نماز سے فارغ نہیں ہو گے میں بھی نہیں اٹھوں گا۔ میں نے دل میں کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کر لوں گا اور اپنے بارے میں حضور علیہ السلام کا دل صاف کر دوں گا۔ جب میں نے نماز سے سلام پھیرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابوعبداللہ! السلام علیکم، تمہارے بھاگے ہوئے اونٹ کا کیا بنا؟ میں

نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، وہ اونٹ تو جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، کبھی نہیں بھاگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: اللہ تجھ پر رحمت فرمائے۔ اس کے بعد آپ نے دوبارہ بات نہیں فرمائی۔

(المعجم الکبیر الطبرانی ۴/ ۳۰۳ اس کی سند منقطع ہے کیونکہ زید بن اسلم نے حضرت خوات رضی اللہ عنہ سے حدیث نہیں سنی)

یہ تربیت کا ایک عمدہ درس ہے، اور ایسے پُرحکمت طریق کار کی مثال ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ حاصل ہوگیا۔ اس واقعے سے مندرجہ ذیل مسائل بھی اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

☆ مربی کی ایک ہیبت ہے، چنانچہ جب وہ غلطی کے مرتکب کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ شرم محسوس کرتا ہے۔

☆ مربی کے سوالات باوجود مختصر ہونے کے اور مربی کی نظریں بہت کچھ سمجھا دیتی ہیں اور ان کا دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔

☆ من گھڑت عذر جس میں واضح خلل اس کو غلط ثابت کررہا ہے، اسے سن کر بحث نہ کرنا اور عذر کرنے والے سے اعراض کرلینا، یہ احساس دلانے کے لیے کافی ہے کہ اس کا عذر قبول نہیں ہوا اور یہ چیز اسے توبہ اور معذرت کی طرف مائل کرتی ہے۔ یہ نکتہ اس حدیث کے ان الفاظ سے ظاہر ہے۔

☆ اچھا مربی وہ ہے جو غلطی کرنے والے کے دل میں حیا کا احساس بھی پیدا کردے جس کی وجہ سے وہ اس سے روپوش رہنا چاہتا ہے اور یہ احساس بھی پیدا کرے کہ اسے اس کے پاس حاضر ہونے کی ضرورت ہے اور آخرکار دوسرا احساس پہلے پر غالب آجائے۔

☆ اس قسم کے حالات میں جب غلطی کا مرتکب اپنا موقف تبدیل کرلیتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلطی کا معترف ہے اور اس سے رجوع کررہا ہے۔

●●●

اسلام میں لباس اور شرم وحیا کا تصوّر

مولائے رحیم نے تمام نبی نوعِ انسان کو لباس پہننے کا حکم فرمایا اور لباس پہننے کے لیے کچھ بنیادی اصول بتائے لہٰذا لباس کے تعلق سے اِن اُصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔
ارشاد باری تعالی ہے:
ترجمہ: اے آدم کی اولاد! بیشک ہم نے تمہاری طرف لباس اُتارا تا کہ تم سب شرم گاہوں کو چھپاؤ اور لباس سے آرائش زیبُ زینت حامل کرو اور پرہیز گاروں کا لباس بہتر ہے۔(سورۂ اعراف: آیت نمبر ۲۶)
تاریخ اس بات پر متّفق ہے کی انسانی شعور نے ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے شرم وحیا کے فطری تقاضے کی تکمیل اور عرُیانی (ننگے پنی) کے احساس سے پریشان ہوکر جنگلیوں نے پتّوں سے اپنے شرمگاہوں کو چھپایا اور آج ترقّی یافتہ کہے جانے والے دور میں بھی ستر پوشی کی ضرورت پوری کرنے والی مختلف چیزوں کو شعور انسانی نے ''لباس'' کا نام دیا۔ یہی لباس اِنسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے کیوں کہ لباس کی بنیادی غرضی جسم کی پردہ پوشی زیب و زینت کے ساتھ ساتھ موسمی اثرات (سردی گرمی) وغیرہ سے محفوظ رکھنا اور انسانی کھال و جسم کو ماحول کے تاب و کاری کے اثرات و بیماری کے جراثیم کو دور رکھنا بھی ہے۔
امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ لباس کے علاوہ زیب و زینت کی تمام اشیا کو اس آیت میں داخل فرمایا ہے، خواہ ان کا تعلّق لباس کی نفاست سے ہو یا جسم کی نظافت سے یا گھر کی صفائی و آرائش سے ہو، بس شرط یہ ہے کہ شریعت نے اُنھیں حرام نہ کیا ہو اور فضول خرچی نہ ہو۔ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان کے بہکاوے کا شکار

ہونے پر حضرتِ آدم علیہ السلام اور حضرتِ حوّا کو اپنی عُریانی کا احساس ہوا اور وہ درختوں کے پتّوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے۔ عیسائیوں کی مقدّس کتاب بائبل کے عہد نامہ قدیم کے پہلے عنوان پیدائش کے باب ی ''ب ۳'' آدم اور ان کی خاتون کو ہونے والے احساسِ عُریانی اور درخت کے پتّوں کے لباس کا ذکر ملتا ہے۔

لباس کے بارے میں قرآن میں متعدد جگہ تفصیل کے ساتھ ذکر ملتا ہے۔ لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ستر کے حصّوں کو چھپالے۔ جو لباس اس مقصد کو پورا نہ کرے، سرے سے وہ لباس ہی نہیں کیوں کہ وہ لباس ستر کے بنیادی مقصد پورا نہیں کر رہا ہے جس کے لیے وہ سلایا بنایا گیا ہے۔ بے شک یہی لباس انسانی اور باقی تمام جانوروں میں فرق ظاہر کرنے کا پہلا اور آخر ذریعہ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے غیر مذہبی جنگلی انسان جو غاروں جنگلوں میں رہا کرتے تھے، وہ کپڑا میسر نہ ہونے کے باوجود وا اپنے ستر کو ڈھاپنے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ وہ بھی کپڑا نہ ملنے کے باوجود پتّوں سے اپنے ستر چھپائے رہتے تھے۔

آج کل کے ننگے پہناوے اور فیشن نے لباس کے اصل مقصد کو مجروح کر دیا ہے۔ آج کل مردوں عورتوں میں اپنے لباس رائج ہیں جس میں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ جسم کا کون سا حصہ کھل رہا ہے اور کون سا ڈھکا ہوا ہے۔ حالاں کہ اسلام میں ستر کا حکم یہ ہے کہ مرد کے سامنے مرد کے لیے ستر کھولنا جائز نہیں اور عورت کے سامنے عورت کے لیے ستر کھولنا جائز نہیں مثلاً اگر کسی عورت نے ایسا لباس پہن لیا جس میں سینہ کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں تو اس عورت کو اس حالت میں دوسری عورتوں کے سامنے آنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اس حالت میں مردوں کو سامنے آئے۔ اس لیے کہ یہ اعضا اس کے ستر کے حصے ہیں۔ آج کل شادی وغیرہ کی تقریبات میں دیکھیے، کیا حال ہو رہا ہے۔ بے حیائی کے ساتھ ایسے لباس پہن کر مردوں کے سامنے عورتیں اور بچیاں گھومتی پھرتی ہیں۔ اگر کوئی کہے تو کہا جاتا ہے کہ سوچ بدلیے۔ مذہب اسلام اس کی نفی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کپڑے بدلیے، سوچ بدل جائے گی۔ بقولِ شاعر

مجھی سے سب کہتے ہیں رکھ نیچی نظر اپنی
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلے یوں عیاں ہوکر

آج کل یہ جملے بہت کثرت سے سننے میں آتا ہے کہ صاحب اس ظاہری لباس میں کیا رکھا ہے، دل صاف ہونا چاہیے۔ مذہب سے دور اسلام بیزار ذہنیت لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں اور پھیلا رہے ہیں۔ نام نہاد نئی تہذیب کے دل دادہ لوگوں کا عجیب فلسفہ ہے کہ اگر عورت اپنے گھروں میں اپنے اپنے لیے شوہر کے لیے اپنے بچوں کے لیے کھانا تیّار کرے تو یہ دقیانوسی اولڈ ماڈل ہے اور اگر وہی عورت ہوائی جہاز میں ایر ہوسٹس بن کر انسانوں کی ہوس ناک نگاہوں کا نشانہ بنے اور لوگوں کی (خدمت) غلامی کرے تو اِس کا نام آزادی ہے۔ اگر عورت گھر میں رہ کر اپنے ماں باپ بھائی بہن کے لیے خانہ داری کا نظم کرے تو یہ ''ذلت'' ہے، اور اگر دوکانوں پر سیلز گرل بن کر اپنی ناز و ادا اور مسکراہٹوں سے گاہکوں کی توجہ اپنی طرف کرے یا دفتر میں باس کی ناز برداری کرے تو یہ 'آزادی' اور 'اعزاز' ہے۔ نعوذ باللہ۔

اللہ نے انسانوں کو عریانیت (ننگا پن) کے سر سے محفوظ رکھنے کے لیے تمام بنی نوح انسانی کو لفظ آدم کہہ کر آگاہ فرمایا، اس میں کوئی مذہب کی قید نہیں۔ دیکھیں اللہ کیا ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: اے ادم کی اولاد! خبردار تجھے شیطانی فتنے میں نہ ڈال دے جیسا تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا اور اُتروا دیا اُن سے ان کا لباس تا کہ نظر پڑے انھیں شرم کی چیزیں۔ (سورۂ اعراف)

شیطان آج بھی تمام دیگر خرابیوں کے ساتھ ساتھ عُریانیت پھیلانے میں شب و روز مصروف ہے تا کہ انسان جس لباس کو اپنی بنیادی اور اہم ترین ضرورت سمجھتا ہے اس سے اس کو آزاد کر کے پھر سے جانوروں اور درندوں کا لباس کر دیا جائے۔ اللہ انسانوں پر بے پناہ مہربان ہے۔ بے حیائی سے دور رکھنے کے لیے قرآن مجید میں کئی جگہ بار بار اس قسم کے احکام جاری کیے گئے ہیں جن میں شرم و حیا کا دامن تھامنے کی تعلیم دی گئی۔ سورۂ انعام، سورۂ احزاب، سورۂ شوریٰ، سورہ توبہ، سورۂ عنکبوت، سورۂ طلاق، سورۂ بنی اسرائیل بطور خاص اس حوالے سے قابل ذکر ہیں۔ ہر وہ قول یا عمل جس سے بے حیائی یا بے شرمی کو فروغ ہو، غلط ہے۔ عریانی اور بے شرمی دیکھنے والوں کے حیوانی جذبات (سیکس) کو اُبھار دیتے ہیں اور

انسان مذہبی، تمدّنی، اخلاقی قدروں سے دور ہو جاتا ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت اِمام غزالی فرماتے ہیں کہ شہوت تمام انسانی شہوات پر غالب ہے اور ہیجان کے وقت سب سے زیادہ عقل کی نافرمانی ہے، اس کے نتائج ایسے بھیانک ہیں جن سے شرم آتی ہے اور اظہار سے خوف لگتا ہے۔

عریانی اور بے حیائی سے پیدہ شدہ جنسی اشتعال انسان کو زنا بالجبر، جنسی بے راہ روی، ناجائز تعلق اور ہم جنس پرستی جیسے سنگین اور گھناؤنے جرائم پر مجبور کرتا ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: کہہ دو! میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا پوشیدہ، منع فرمایا ہے۔ (سورۂ اعراف)

اس سلسلے میں سورۂ احزاب کی تلاوت اور مطالعہ بہت ضروری ہے جو مسلمان مرد اور عورت کی عزت و احترام، تحفظ اور پاکیزگی کو مستقل طور پر حفاظت میں رہنے، پردے کی پاکیزگی کو اپنانے اور بے حیائی سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ اور اس کا ابلاغ اور اس پر عمل ان شاء اللہ ہمارے ماحول کو اور معاشرے کو بے حیائی و بعریانی کی لعنت سے پاک رکھے گا اور بے پناہ فائدے کا سبب بنے گا۔

●●●

اسلام میں سزاؤں میں سفارش نہیں

جو مسلمان کسی اچھی، جائز اور نیک کاموں کی سفارش کرے یا کسی کو اچھا مشورہ دے تو اسے نیک سفارش، اچھا مشورہ دینے کی وجہ سے اس کی نیکی میں یا اس کے اجر میں حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے یا کسی کو برا مشورہ دے یا فساد پھیلانے کی کوشش کرے تو اس کو برائی کے حصے کا عذاب ملے گا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے ہر عمل کا ثواب و عذاب دے سکتا ہے اور ہر نیکی و گناہ میں ہر حق دار کو اس کے حق کے بقدر گناہ دے گا۔

آج دنیا میں نت نئے بگاڑ کی وجہ بری سفارش ہی ہے۔ گھر، محلہ، سماج سوسائٹی سے لے کر حکومتوں اور حد تو یہ ہوگئی کہ عدالتی نظام تک یہ وبا سرایت کر گئی ہے۔ اس سے ظلم کو بڑھاوا مل رہا ہے۔ حالاں کہ مذہب اسلام نے جائز سفارش کی جتنی زوردار سفارش کی ہے، اتنی کسی مذہب نے نہیں کی۔

جو اچھی سفارش کرے گا اس کو بھی ثواب میں حصہ ملے گا:

مصطفی جان رحمت ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:

''سفارش کرو، ثواب ملے گا۔''

ارشاد ربی ہے:

مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا ۔ (سورۂ نساء: آیت نمبر ۸۴)

ترجمہ: جو اچھی سفارش کرے، اس کے لیے اس میں حصہ ہے۔ جو بری سفارش

کرے اس کے لیے اس میں حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (کنزالایمان)

بری سفارش گناہ ہے

کسی کو مصیبت سے چھڑانے کے لیے سفارش کرنا ثواب ہے اور کسی ظالم کو چُھڑانے یا ظلم کرانے کے لیے سفارش کرنا حرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کرنا بھی حرام ہے اور گناہ کا مشورہ دینا بھی حرام ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھی سفارش کرنا ثواب ہے اور بری سفارش کرنا گناہ ہے۔ یہی حال نیکی کا ہے۔ نیکی کی سفارش ثواب ہے۔ نیکی کرنا ثواب ہے۔

(تفسیر نورالعرفان: جلداول، ص ۱۴۳)

اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ مشکل میں کسی بھائی کی امداد کرنا، اس کے حقوق کی بازیابی کی سعی کرنا، اس کو نفع پہنچانا اور اس سے کسی تکلیف کو دور کرنے میں کوشاں ہونا بشرطیکہ اس سے کسی غیر کی حق تلفی نہ ہو، تو یہ اچھی سفارش ہے اور اس پر سفارش کرنے والے کو اجر ملے گا۔ اور اگر ایسی سفارش کی جس سے کسی کی حق تلفی ہوئی یا کسی پر ظلم ہوا تو بُری سفارش ہے اور سفارش کرنے والا گنہگار ہوگا۔ سرکار مدینہ ﷺ کا ارشاد عالی ہے: سفارش کرو ثواب ملے گا۔ لیکن یہی اسلام سزاؤں کے معاملے میں سفارش کو بالکل برداشت نہیں کرتا۔

حضور کے زمانے میں قبیلۂ قریش کے بڑے خاندان کی مخزومی عورت نے چوری کی۔ نبی پاک ﷺ کی عدالت میں معاملہ آیا، جرم ثابت ہوگیا۔ حضور ﷺ کی عدالت نے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنادی۔ خاندان کے لوگ حرکت میں آگئے کہ کچھ کرو ورنہ خاندان کی ناک کٹ جائے گی، عزت خاک میں مل جائے گی۔ لوگ متفکر ہوئے اور کہنے لگے کہ کوئی ایسا انسان تلاش کرو جو حضور ﷺ کا لاڈلا ہو، چہیتا ہو کہ حضور ﷺ اس کی بات رکھ لیں اور سزا معاف کردیں۔ چنانچہ سب کی زبان پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا نام آیا۔ مجرم کے رشتے دار خوش ہوگئے، آنکھوں میں چمک آگئی، معاملہ حل ہوتا ہوا نظر آیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور حضور ﷺ کے بڑے چہیتے تھے۔ حضور ایک ران پر ان کو (حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ) بٹھاتے اور دوسری ران پر لاڈلے نواسے حضرت

حسین رضی اللہ عنہ کو بٹھاتے اور فرماتے اے اللہ! مجھے یہ دونوں بہت پیارے ہیں تو ان کو اپنا بنا لے۔حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سب نے اپنا وکیل بنایا کہ اسامہ ابن زید رضی اللہ عنھما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں۔ان کے سوا ایسے کام (سفارش) کی جراءت کون کرسکتا ہے چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: **اتشفع فی حدود اللہ** کیا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ غضبناک ہوئے اور خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا:

انما هلك الذين من قبلكم انهم كاذا شرق فيهم الشريف تركوه و اذ شرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحدود ايم الله لو ان فاطمه بنت محمد سرقت لقطعت يدها۔

ترجمہ:تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا اس پر حد قائم کرتے۔اللہ کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنھا) بھی چوری کرتیں،میں ان کا بھی ہاتھ کاٹتا۔

(سنن ابن ماجہ:باب الشفاعۃ فی الحدود،ج ۱،ص ۱۰۳/ جامع ترمذی:ج ۱،ص ۱۵۷)

دنیا کے نت نئے بگاڑ کو نئے نئے قوانین کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن قانون کے ذریعے بگاڑ کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔قانون،محبت،ہمدردی اور اخلاص نہیں پیدا کر سکتا۔اس سے دل جوڑے نہیں جاسکتے۔بہتر سے بہتر قانون انسان کے حقوق کی ایک حد تک ہی حفاظت کرسکتا ہے۔اس کے آگے وہ بے بس ہوجاتا ہے۔قانون سے عدل وانصاف کے قیام میں مدد مل سکتی ہے لیکن اس سے ظلم وزیادتی کا خاتمہ ممکن نہیں۔صحیح بات تو یہ ہے کہ دنیا کے بگاڑ اور فساد کا حل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انسان کے اندر آخرت کا پختہ یقین موجزن رہے۔وہ اس حقیقت کو مانے کہ وہ خدا کا بندہ ہے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری اس کے لیے لازم ہے۔اگر اس نے اطاعت کی تو اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا اور اس کی نعمتوں سے نوازا جائے گا اور اگر نافرمانی کی تو چاہے وہ دنیا میں گرفت سے بچ جائے مگر آخرت کی جواب دہی اور پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔اس عقیدے کے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں اس سے انسان کے رویئے میں زبردست

انقلاب آتا ہے۔آخرت کی جواب دہی کے خوف سے انسان میں تبدیلی یقینی ہے۔اسلامی تاریخ میں حیرت انگیز واقعات دیکھے، پڑھے جا سکتے ہیں۔عبرت کے لیے ایک واقعہ حدیث پاک کے حوالے سے پڑھتے چلیں۔طہارت نفس دل سے توبہ کرنے کا یہ واقعہ قابل مطالعہ ہے:

عمرو بن سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ حضور کے خدمت میں آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے فلاں شخص کا اونٹ چرایا ہے مجھے پاک کر دیجیے۔حضور ﷺ نے ان لوگوں کے پاس پتہ لگانے اور گواہی کے لیے آدمی بھیجا۔(یہاں صرف ایک بات نمونے کے طور پر عرض کر دوں کہ اسلامی عدالتمیں کوئی گواہی دے کر جاتا ہے تو اسلامی عدالت یہ اطمینان کرتی ہے کہ اس شخص کے اندر گواہ بننے کی صلاحیت (Liability) ہے یا نہیں۔) جب گواہی پوری ہوگئی تو اونٹ کے مالک نے کہا کہ ہمارا اونٹ گم ہو گیا ہے۔تب حضور ﷺ نے عمرو کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ان کا ہاتھ کاٹا گیا۔

راویِ حدیث حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ان کا ہاتھ کٹ کر گرا تو میں انہیں دیکھ رہا تھا وہ کہہ رہے تھے: خدا کا شکر ہے اس نے مجھے تجھ سے پاک کر دیا تو چاہتا تھا کہ تو میرے پورے بدن کو جہنم میں لے جائے۔الحمد للہ الذی طھرنی منك ارادت ان تدخل جسدی النار۔(سنن ابن ماجہ: جلد اول،ص ۱۱۵)

سبحان اللہ،سبحان اللہ! دل سے توبہ کرنے والے اور خود پر اسلامی حد جاری کرا کے آخرت کی سرخروئی حاصل کرنے والوں کے یہ ایمان افروز واقعات اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمان اسلامی سزاؤں کو کفارۂ گناہ سمجھتے تھے۔اس طرح کے بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں اور اسلامی تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ آخرت کے حساب اور وہاں کی جزا و سزا کا تصور ہی انسان کے اندر قانون کے احترام کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور اس کا پابند بناتا ہے۔

گناہ کی مدد کرنا بھی گناہ ہے:

وَتَعَاوَنُوْ عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْ عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان۔(سورۂ مائدہ:

آیت نمبر ۲)

ترجمہ: اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گار کی مدد کرنا بھی گناہ ہے۔ چوری کرنا، چور کی مدد کرنا، چوری کا مال گھر میں رکھنا سب جرم ہے۔ ایسے ہی نیکی کرنا اور کرانا، نیکی پر مدد کرنا سب میں ثواب ہے۔

اسلامی عدالت میں حدود میں سفارش جائز نہیں:

حدود (سزا) جب زحمت نہیں بلکہ باعث رحمت ہیں تو ان کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ فطری طور پر مبغوض ہونی چاہیے۔ اسلامی شریعت میں اسی لیے حدود (سزا) کو رفع کرنے کے معاملے میں سفارش کو بہت بڑا گناہ جرم قرار دیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس شخص کی سفارش حدود الٰہی میں سے کسی حد کی نیت پائی گئی تو اس شخص نے خدا تعالیٰ کی مخالفت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی عزت محفوظ رکھنا اور ان کے ساتھ در گزر کا برتاؤ کرنا ہمیشہ سے امتوں میں چلا آتا ہے اور تمام اولین و آخرین اس کے پیرو ہیں لہٰذا حضور ﷺ نے بہت اہتمام کیا۔ کیوں کہ شرفا کی سفارش اور ان سے در گزر کرنا ان حدود کی مخالفت کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ (حجۃ البالغہ: ص ۶۲۹)

مذہب اسلام سزاؤں پر سفارش کو انتہائی قبیح اور بڑا گناہ قرار دیتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے اللہ ہم سب کو سفارش جیسے معاملے کو سمجھنے اور اسلامی شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

●●●

تکبر وغرور کی گمراہیاں

تکبر وغرور کی گمراہیاں اور تباہ کاریاں انسانی زندگی کے آغاز یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہی موجود رہی ہیں۔ دنیا میں صرف مذہب اسلام ہی واحد مذہب ہے جو اس گناہِ عظیم سے بچنے کا راستہ بتاتا ہے، اور وہ راستہ، اللہ کی فرماں برداری کا راستہ ہے۔ آج کل دنیا میں جو فسادات جاری ہیں، تکبر اور بے جا احساس برتری اس کی خاص وجہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کی طرف واپسی ہی اس کا واحد علاج ہے۔

تکبر میں مبتلا شخص اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت وانعام کو اپنا ذاتی کمال ووصف (خوبی) سمجھنے لگتا ہے۔ قرآن کریم میں ابلیس کا قصہ بار بار ذکر ہوا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا کیا، ظاہر ہے اس میں اس کا کوئی ذاتی کمال نہ تھا لیکن اس نے اسی کو وجہ افتخار (گھمنڈ) بنا لیا جس سے مغلوب ہو کر وہ اللہ کے حکم سے سرتابی (سرکشی، نافرمانی) کر بیٹھا اور بندگی کے حق کو ادا نہ کر سکا۔ گھمنڈی لوگ اپنی خواہشات کو اپنا آلہ بنا لیتے ہیں۔ اللہ کا حکم جہاں اپنی مرضی کا ہوتا ہے، اسے مان لیتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں لیکن جہاں ان کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے، وہاں محض اپنی خواہشات کے بندے بن جاتے ہیں اور اللہ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔ آخرت سے غفلت، تکبر وغرور اور گھمنڈ پیدا ہونے کی ایک خاص وجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔ (سورہ لقمان: آیت نمبر ۱۸)

ترجمہ: بے شک اللہ کو کوئی تکبر کرنے والا پسند نہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا چہرہ کج نہ کر (گال نہ پھلا گردن نہ ٹیڑھی کر) اور زمین مین اتراتا نہ چل بے شک اللہ کو کوئی تکبر کرنے والا پسند نہیں ۔ (کنز الایمان)

تکبر کی چال خراب ہے۔ اندرونی عظمت پر اکڑ نا فخر ہے، غرور ہے جیسے (۱) علم (۲) حسن (۳) خوش آوازی (۴) حسب ونسب (۵) وعظ کہنا۔ بیرونی عظمت پر اکڑ نا اختال ہے (حد غرور)۔ جیسے مال، جائداد، لشکر، نوکر چاکر وغیرہ۔

نہ ذاتی کمال پر اترانا، نہ بیرونی فضائل پر اترانا کیوں کہ یہ چیزیں تیری اپنی نہیں ہیں، رب کی جانب سے ہیں، جب چاہے لے لے اس لیے تکبر نہ کر اور لوگوں کو حقیر نہ سمجھ۔ جب لوگ تجھ سے ہم کلام ہوں تو تو ان سے منھ نہ پھیر لے، یا گال پھلا کر یا گردن گھما کر بات نہ کر۔ صَعِر ایک بیماری ہے جو اونٹ کے گردن میں ہوتی ہے جس سے اس کی گردن مڑ جاتی ہے۔ یہاں بطور تکبر وغرور منھ پھیر لینے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ جو لوگ عظمت و بڑائی منھ بسورنے اور تیوری چڑھائے رکھنے میں سمجھتے ہیں، وہ تکبر وغرور میں بھرے ہوئے رہتے ہیں اور قرآن پاک میں اس کو ایک بیماری بتایا گیا ہے، جیسا اس آیت میں ظاہر ہو رہا ہے

(تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر خزائن العرفان، جلد اول)

تکبر وغروراور گھمنڈ نہ کرنا ایمان کی علامت ہے

قرآن کریم ارشاد فرما رہا ہے کہ جو لوگ تکبر نہیں کرتے انہی کو قرآن کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

ترجمہ: پس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید (تعریف، حمد وثنا) کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔ (سورہ السجدہ: آیت نمبر ۱۵، ترجمہ کنز الایمان)

تکبر کیا ہے، اس کی وضاحت مسلم شریف کی ایک حدیث سے بخوبی ہوتی ہے:

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا
جنت میں نہیں جا سکے گا۔ اس پر ایک شخص نے پوچھا آدمی چاہتا ہے اس کے
کپڑے اور جوتے اچھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تکبر نہیں، اللہ
تعالیٰ صاحبِ جمال وکمال ہے اور جمال وکمال کو پسند فرماتا ہے بلکہ تکبر کے
معنیٰ ہیں: اللہ کے حق کو ادا نہ کرنا اس کے حکم سے سرتابی (خلاف ورزی)
کرنا اور خدا کے بندوں کو حقیر جاننا۔

کائنات کی ہر چیز اللہ رب العزت کی فرماں بردار ہے۔ عظیم کہکشاؤں، ستاروں اور سیاروں سے لے کر ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرے (Atom) اور اس کے ذرات تک سبھی اللہ واحد کے بتائے ہوئے راستے پر اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق چل رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (سورہ السجدہ: آیت نمبر ۵)

ترجمہ: وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔

انسان کے بدن کا ذرہ ذرہ (ہر خلیہ اور Atom) بھی براہ راست اسی رب کریم کی ہدایت کے مطابق کام کر رہا ہے۔

آسمان وزمین کا سب پہلا اور سب سے بڑا گناہ تکبر اور اس کی گمراہی:

ابلیس نسلی برتری میں مبتلا تھا۔ اسی احساس کی وجہ سے وہ قصداً اپنے رب العزت کی نافرمانی کر بیٹھا اور ضلالت کے گڑھے میں گرتا چلا گیا۔ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے جب ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۔ (سورۂ اعراف: آیت نمبر ۱۲۔۱۳)

ترجمہ: تو سجدہ نہیں کرتا تجھے اس سے کس نے روکا کہ میں حکم دے چکا ہوں۔ کہنے لگا میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ حق تعالیٰ نے کہا تو یہاں سے نکل جا تجھ کو

کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو تکبر کرے تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا۔
(ترجمہ کنزالایمان)

اس پھٹکار کے بعد بھی ابلیس نے نسلی تعصب ترک نہیں کیا۔ تکبر کی گمراہیوں میں وہ اور اس کے چیلے پڑے ہوئے ہیں۔ مذہب اسلام اور سرور کائنات ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر عمل پیرا ہو کر ہی تکبر سے بچنے کا واحد راستہ ہے، واحد علاج ہے۔

تکبر کے اسباب:

علما اور مفسرین فرماتے ہیں: تکبر کے بہت اسباب ہیں۔

(۱) تکبر کا پہلا سبب علم ہے:

بہت کم ہی علما ہیں جو تکبر سے خالی ہیں۔ حضور پر نور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ہر چیز کے لیے کوئی نہ کوئی آفت ہے، علم کی آفت تکبر ہے۔ آفة العلم الخیلاء تکبر علم کی آفت ہے۔ صوفیاے کرام فرماتے ہیں: جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے کیوں کہ حقیقی علم وہ ہے کہ جتنا بڑھے گا خوف الٰہی بھی اتنا ہی بڑھے گا کیوں کہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورۂ فاطر: آیت نمبر ۲۷)

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (کنزالایمان)

بندوں سے مراد ساری مخلوق و انسان ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علماے دین بہت مرتبہ والے ہیں کہ رب نے اپنی خشیت و خوف ان میں ڈالا۔ جسے بھی خوفِ خدا نصیب ہوگا وہ سچے عالموں کے ذریعہ ہوگا۔ عالموں سے مراد ایسے علم والے ہیں جو دین کا علم رکھتے ہیں جن کے عقائد و اعمال درست ہوں۔ (تفسیر نور العرفان: جلد اول، ص ۶۹۸)

(۲) تکبر کا دوسرا سبب زہد و تقویٰ عبادت و پرہیز گاری ہے:

قرآن بیان فرماتا ہے:

ترجمہ: جو لوگ میری عبادت پر تکبر کرتے ہیں وہ بہت ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ (سورۂ مومن: آیت نمبر ۶۰، کنزالایمان)

(۳) تکبر کا تیسرا سبب خاندان ونسب پر فخر کرنا:

تکبر کی یہ بیماری بہت عام ہے چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی سے میرا جھگڑا ہوا۔ میں نے ''اے ابن سودا'' (یعنی اے کالی عورت کے بیٹے) کہہ کر پکارا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ اے ابوذر! یہ مت بھولو کسی گوری کے بیٹے کو کالی کے بیٹے پر فضیلت نہیں ہے۔ یہ سننا تھا کہ مجھ پر خوف طاری ہوا۔ اسی وقت میں اس آدمی کے پاس پہنچا اور کہا: اٹھو اور اپنا پیر میرے منھ پر رکھو تا کہ میرے قول کا بدلہ ہو جائے۔

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ یہ تھا صحابی کا عمل۔ ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔

(۴) تکبر کا چوتھا سبب ہے خوبصورتی اور حسن و جمال:

حسن و جمال سے غرور اور گھمنڈ پیدا ہوتا ہے۔ اس مرض میں خوبصورت مرد بھی گرفتار رہتے ہیں مگر عورتیں سب سے زیادہ اس مرض میں گرفتار رہتی ہیں۔ کم صورتی پر طنز کرنا اور جسم کی ناہمواری پر مذاق اڑانا عام بات ہے۔

(۵) تکبر کا پانچواں سبب مال و زر ہے:

دولت مند لوگ غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اپنی بڑائی اور گھمنڈ میں مست رہتے ہیں۔

(۶) غرور کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا:

جو لوگ غرور و تکبر کی روش اپنائے رہتے ہیں، بطور سزا ایسے لوگوں کو اللہ پاک قرآن پاک کے سمجھنے کی توفیق سے محروم کر دیتا ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن: جلد ۲، صفحہ ۸)

ارشاد باری ملاحظہ فرمائیں اور غرور کرنے والے اپنی آخرت کے بارے میں فکر کریں:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ

(سورۂ اعراف: آیت نمبر ۱۴)

ترجمہ: اپنی آیات سے میں انہیں پھیر دوں گا جو زمین پر ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں۔

(ترجمہ کنز الایمان)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ اپنی آیتوں سے ان

لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں فضول، بے جا اور ناحق بات پر تکبر کرتے ہیں اور اتراتے جاتے ہیں۔ (تفسیر کتاب الرعایہ، تفسیر ابن کثیر) تفسیر میں ہے کہ متکبرین کے قلوب (دل) سے فہم قرآن اٹھالیا جائے گا اور عالم ملکوت اور ان کے قلوب کے درمیان حجاب (پردہ) پیدا کر دیا جاتا ہے۔ غرور کی وجہ سے ان کو آیات الٰہی میں غور وفکر سے پھیر دیا جاتا ہے۔

(۷) اللہ پاک تکبر کرنے والوں کے دل پر مہر لگا دیتا ہے:

ارشاد ربانی ہے: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

ترجمہ: کس قدر سخت بے زاری کی بات ہے اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک، اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (کنزالایمان)

گھمنڈ کرنے والے غور کریں کہ اللہ کی جانب سے کتنا سخت عذاب ہے۔ رب العزت کا حکم ہے:

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (سورۂ مومن: آیت نمبر ۳۵)

ترجمہ: اللہ یوں ہی مہر کر دیتا متکبر سرکش کے سارے دل پر۔ (کنزالایمان)

استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ اللہ بچائے تکبر وغرور سے، آمین۔ تکبر ہی نے ابلیس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکائی اور حکم خدا کا انکار کر دیا اور تمام عبادات اس کی برباد کر دی گئیں۔

(تفسیر نور العرفان: جلد اول، ص ۲۶)

اس نادان ابلیس کو یہ سمجھ نہ آئی کہ آدم علیہ السلام کے سر پر نور محمدی ﷺ کی کرنیں ہیں۔ آج بھی بعض لوگ ظاہری شریعت حضور کی دیکھتے ہیں، حقیقت محمدی کے نور کے نہیں دیکھتے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

ابلیس سے نافرمانی غرور کی وجہ سے ہوئی تو وہ اس پر اکڑ گیا اور ابدی شقاوت کا شکار ہو گیا۔ حکم الٰہی ہوا: نکل جا یہاں سے، ہماری بارگاہِ رحمت میں صرف ان کے لیے جگہ ہے جو ہمارے حکم کو مانے، اکڑی اکڑی گردن والوں کے لیے یہاں جگہ نہیں۔ حدیث پاک میں

ہے، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا غرور ہوگا اس پر جنت کے دروازے بند ہوں گے۔ صاغر اس ذلیل اور حقیر کو کہتے ہیں جو اپنی ذلت اور پستی پر خوش ہوتا ہے۔ شیطان کس مقامِ عزت پر فائز تھا اور جب حکم الٰہی کی سرتابی کی تو ذلت ورسوائی کی پستیوں میں پھینک دیا گیا۔ (تفسیر ضیاء القرآن: جلد ۲، ص ۱۴)

تکبر کرنے والوں کو عبرتناک سزا:

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ

(سورۂ نحل: آیت نمبر ۲۹)

ترجمہ: اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ کہ ہمیشہ اس میں رہو تو کیا ہی برا ٹھکانہ ہے مغروروں کا۔ (کنزالایمان)

(۱) انسان کا تکبر جھوٹا ہے اسی لیے جرم ہے۔ (۲) جو غرور نبی ورسول کے مقابلے میں ہو، وہ جرم ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی کبریائی برحق ہے لہٰذا اس کے لیے تکبر صفاتِ کریمہ میں سے ہے۔ (۴) مسلمان بھائیوں سے تکبر وغرور حرام ہے۔ (۵) اللہ ورسول کے سامنے تکبر کفر ہے۔ (۶) بڑائی حق بھی ہوتی ہے اور ناحق بھی۔ جہاد میں کفار کے مقابل اپنی شان بتانا اور دکھانا حق والی بڑائی ہے جو کہ عبادت ہے، ثواب ہے۔ (۷) مسلمانوں کے مقابل شیخی مارنا اور ناحق بڑائی مارنا حرام ہے۔ (۸) اولیاء اللہ اور انبیاے کرام کے مقابل بڑائی کفر ہے اور شیطان کا طریقہ ہے۔ یہاں یہی بڑائی مراد ہے۔ معلوم ہوا کہ غرور وہ آگ ہے جو دل و دماغ کی تمام قابلیتوں کو جلا کر برباد کر دیتی ہے۔ اللہ کی پناہ تکبر نے ہی ابلیس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکائی اور اس کی تمام عبادات برباد کر کے رکھ دیں۔ (تفسیر نور العرفان)

تکبر کی مذمت قرآن میں

ترجمہ: اور زمین میں تکبر اور خودنمائی سے نہ چل، بے شک تو ہرگز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کے برابر نہ ہوگا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۳۷، کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اسی لیے دی ہے کہ وہ شکر گزار اور فرماں بردار بندہ بن کر زندگی گزارے۔ جو انسان ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال نہ کرے اسے محض کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے اشرف (بڑا) نہیں کہا جا سکتا بلکہ تقویٰ انسان کی بڑائی کا واحد معیار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو بڑائی، گھمنڈ، خودنمائی، غرور، تکبر جیسی موذی گناہِ عظیم سے بچنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

●●●

مذہب اسلام میں وعدے کی اہمیت اور وعدہ خلافی پر وعید

یوں تو پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کا کوئی گوشہ نہیں جو کمالِ انسانیت کا آئینہ دار نہ ہو لیکن اس کے دو اہم پہلو ایسے ہیں جو سب سے زیادہ بنیادی اور سب سے اہم ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کے پاس جو حق تھا، اسے آپ نے خلق تک وقت کے وقت جوں کا توں پہنچا دیا اور کبھی اس بات کو روا نہ رکھا کہ اس کا کوئی جز و (حصہ) لوگوں پر واضح ہونے سے رہ جائے۔

(۲) آپ نہایت سچے، وعدہ نبھانے والے اور امین یعنی دیانت دار ہیں۔قرآن کریم ،حدیث پاک اور وعلما کی لکھی ہوئی قدیم و جدید کتب کا جس نے بھی اچھی طرح مطالعہ کیا ہے اور نیر اعظم ﷺ کی سیرت کے بارے میں سیر حاصل تحقیق کی ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ نبی اعظم ﷺ اس دنیا میں آنے والے سب سے بڑے وعدہ نبھانے والے تھے اور کئی صدیوں کے گزر جانے کے باوجود یہ حقیقت دھندلی ہونے کے بجائے زیادہ روشن اور صاف ہوگئی ہے۔

ساری دنیا اور معاشرے کی تعمیر و تکمیل میں جہاں اور بہت سی چیزیں اہمیت رکھتی ہیں ان میں اہم چیز ایفاے عہد (قول وقرار کا پورا کرنا) بھی ہے۔اس کے ذریعے معاشرے میں ایک توازن پیدا ہوتا ہے جس سے ماحول خوشگوار بن جاتا ہے اور وقتی رنجش ہو یا دائمی، سب کا ازالہ ہوجاتا ہے۔کوئی بھی ملک ہو یا کمپنی یا قبیلہ یا انسان، کسی بات پر کوئی عہد (Agreement) کرے یا کسی طرح کا وعدہ کرے لیکن بر وقت اس کی تعمیل و تکمیل نہ کرے تو ایسی صورت

میں ایک قسم کی بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایفائے عہد (وعدہ) کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور قرآن وحدیث میں بہ کثرت یہ حکم ملتا ہے کہ جو معاملہ کرو یا کسی سے وعدہ کرو اسے بروقت پورا کرو۔ بندوں کو بتایا جارہا ہے کہ سارے عہدوں (وعدوں) کو پورا کرو خواہ خالق کائنات سے کرو یا مخلوق سے۔ قرآن کہتا ہے:

ترجمہ کنزالایمان: اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے پورا کریں۔
(سورۃ البقرۃ: آیت نمبر ۱۷۷)

پھر وعدہ مجبوراً پورا نہ کریں بلکہ قرآن فرما رہا ہے کہ عہد کرتے وقت وفا کی نیت ہونی چاہیے۔ عہد اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق متعدد مقامات پر فرمایا ہے:

اِنَّ اللہ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد (سورۂ رعد: آیت نمبر ۳۱)

ترجمہ کنزالایمان): یقیناً اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللہ (سورۂ توبہ: آیت نمبر ۱۱۱)

ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد پورا کرنے والا کون ہے۔

عہد کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں اس صفت کو جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے اس لیے اس نے عہد (وعدہ، Promise) کی بار بار تاکید کی ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلاً ۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۳۷)

ترجمہ کنزالایمان: اور عہد کو پورا کرو عہد کے بارے میں (اللہ کے یہاں) ضرور باز پُرس ہوگی۔

بہت سی آیتیں ہیں۔ (مضمون طویل ہو جائے گا)۔ اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور انبیائے کرام کی صفت بھی وعدہ پورا کرنے والی ہے۔ رب العزت فرماتا ہے:

اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ کَانَ رَسُوْلاً نَّبِیاً

ترجمہ: جتنے بھی رسول آئے سب سچے وعدہ پورا کرنے والے۔

اور آگے رب کریم ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقاً نَّبِیاً ۔ (سورۂ مریم: آیت نمبر ۵۶)

ترجمہ: بے شک وہ صدیق تھا غیب کی خبریں دیتا۔

جو لوگ حج کی سعادت عظمیٰ و روضۂ رسول ﷺ کی حاضری سے سرفراز ہو چکے ہیں انہوں نے روضۂ رسول ﷺ کی جالیوں میں لکھا ہوا دیکھا ہوگا۔ (الحمدللہ ثم الحمدللہ ناچیز نے اسی سال یہ سعادت پائی ہے) **محمد رسول صادق الوعد الامین**۔ حضور سچے وعدہ نبھانے والے اور امین ہیں یعنی امانت دار ہیں۔

وعدہ خلافی شیطانی عیب ہے، ابلیس قیامت میں کہے گا: **وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ** ۔۔الخ۔ (سورۂ ابراہیم: آیت نمبر ۲۱)

ترجمہ: میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا۔

وفائے عہد ایمانی صفت ہے۔ جھوٹا آدمی دین و دنیا میں کہیں کامیاب نہیں ہوتا۔ وعدہ خلافی کرنے والے پر سخت عذاب کی وعید ہے۔ وعدہ نبھانے اور عہد کی پابندی کرنے والے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور دوست رکھتا ہے۔ اللہ عزوجل اسی بابت قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے: (سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۷۵)

ترجمہ: ہاں کیوں نہیں جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیزگار بنا تو بے شک اللہ محبت کرتا ہے وعدہ نبھانے والوں اور پرہیزگاروں سے۔

عہد کی پابندی نہ کرنے والے پر سخت عذاب کی وعید ہے۔ اسلام نے محض ایفائے عہد کی تعلیم و تلقین ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں اللہ کے عذاب کی وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ ایک مقام پر فرماتا ہے:

ترجمہ کنزالایمان: بے شک جو لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت، یہ وہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصہ نہیں ان کے لیے آخرت میں، اور بات نہ کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں اللہ ان کی جانب قیامت کے روز، نہ پاک کرے گا انہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۷۷)

وعدہ نہ نبھانے والے کی طرف اللہ پاک دیکھے گا بھی نہیں اور گناہ بھی معاف نہ فرمائے گا۔ (استغفراللہ)۔ عہد (وعدہ) پورا نہ کرنے اور جھوٹی قسم کھانے پر بہت سی وعیدیں قرآن

پاک وحدیث شریف میں آئی ہیں۔تفسیر ضیاء القرآن جلد اول،ص ۲۴۵۔۲۴۶ میں کبیرہ گناہوں کی طویل فہرست ہے اوراس فہرست میں عہد شکنی وعدہ خلافی کو نمبر ۳ پر رکھا گیا ہے اوراس کی جوسزا مقرر کی گئی ہے،وہ کسی دوسرے گناہ کے لیے تجویز نہیں کی گئی۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عہد شکنی اور وعدہ خلافی کس قدر سنگین اور بڑا گناہ ہے۔عہد شکنی کی پانچ سزاؤں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیں اور اپنا محاسبہ فرمائیں۔(۱)وہ آخرت کی نعمتوں سے یکسر محروم کردیا جائے گا۔(۲)رحمٰن ورحیم خداے پاک اس سے بات تک نہ کرے گا۔(۳)اللہ کی نظر کرم ورحمت سے بھی محروم رہے گا۔(۴) گناہوں کی آلائشوں سے بھی وہ پاک نہیں کیا جائے گا۔(۵)اس کے علاوہ اسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

ہے کوئی ایسے دل گردے والا جو،ان سزاؤں میں ایک کوبھی برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔قرآن پاک کواللہ تعالیٰ کا کلام ماننے والی قوم اگراس ہیبت وجلال والی مذکورہ آیت کے بعدبھی وعدے کی پابندی نہ کرے توکیا اسے حقیقی معنوں میں مسلمان کہا جاسکتا ہے؟ (استغفر اللہ-استغفر اللہ)

عہد شکنی نفاق کی علامت ہے۔نبی اکرم ﷺ نے عہد شکنی کونفاق کی خصلتوں میں شمار کیا ہے اور وعدہ خلاف شخص کومنافق قرار دیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

آیۃ المنافق ثلاث اذا احدث کذب واذا وعد اخلف واذا أُتمئن خان

ترجمہ:منافق تین باتوں سے پہچانا جاتا ہے☆ جب بات کرے توجھوٹ بولے☆ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے☆ جب امانت سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(بخاری شریف: کتاب الایمان، باب/علامت منافق،حدیث نمبر ۲۶۳۳۔۲۶۸۲)

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ چار خصلتیں ہیں جس کے اندر پائی جائیں وہ خالص منافق ہوگا۔(۱)جب بولے تو جھوٹ بولے۔(۲) وعدہ (Promise) تو کرے اس کی خلاف ورزی کرے۔(۳)معاہدہ (Agreement) کرے توتوڑ دے۔(۴)جب جھگڑا کرے تو گالیاں

دے۔

اللہ کے رسول ﷺ جو ظاہری طور پر اعلان نبوت کے پہلے بھی صادق الامین کے لقب سے مشہور تھے، وعدے کی اہمیت پر ارشاد فرماتے ہیں: اَلْعِدَّۃُ دَیْنٌ وعدہ ایک قسم کا قرض ہے۔یعنی جس طرح قرض ادا کرنا واجب ہے اسی طرح وعدہ پورا کرنا واجب ہے۔

ایفائے عہد کے نیت کے باوجود وعدہ پورا نہ کر سکے تو یہ وعدہ خلافی نہیں

حضور پر نور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایفائے عہد (وعدہ پورا کرنے) کی نیت ہو اور آدمی وعدہ وفا نہ کر سکے تو یہ خلف وعدہ نہیں ہے۔ہاں خلف وعدہ (وعدہ خلافی) یہ ہے کہ آدمی وعدہ کرے اور ایفائے عہد (وعدہ پورا نہ کرنے) کی نیت نہ ہو۔(کنز العمال: جلد ۳،ص ۲۰۰)

صادق الوعد الامین محمد رسول اللہ ﷺ کا وعدہ وفا کرنا ملاحظہ فرمائیں۔صلح حدیبیہ میں کفار و مشرکین کی من مانی کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ فرمایا۔صحابہ پر شرائط سن کر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ کفار کے نمائندے سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایمان لا چکے تھے، انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا، وہ زنجیروں کو گھسیٹتے ہوئے میدان میں آ گئے۔مسلمانوں نے بڑے پُر تپاک سے خوش آمدید کہا۔ان کا باپ سہیل بن عمرو ابھی وہیں موجود تھا۔وہ ببول کی ٹہنی توڑ کر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کے منھ میں مارنے لگا، چہرہ لہولہان ہو گیا اور سہیل بن عمرو نے کہا: اے محمد ﷺ! یہ پہلا آدمی ہے اس کی واپسی کا مطالبہ میں آپ سے کرتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی معاہدہ لکھا جا رہا ہے، ابھی دستخط نہیں ہوئے ہیں، معاہدہ اس وقت واجب العمل ہوتا ہے جب فریقین کے دستخط ہو جاتے ہیں۔اس ظالم نے کہا: اگر آپ میرے لڑکے کو واپس نہیں کریں گے تو سارے معاہدے کالعدم قرار دیں گے۔حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سہیل! اسے (ابو جندل) کو میرے لیے چھوڑ دو لیکن اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی پرواہ نہیں کی اور ضد کرنے لگا۔ابو جندل رضی اللہ عنہ جان رہے تھے کہ اگر یہ ہم کو اپنے پاس لے جائیں گے تو یہ اور زیادہ ظلم کریں

گے چنانچہ حضرت ابوجندل رونے لگے۔حضور رحمت عالم ﷺ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ابوجندل! صبر کرو اور اللہ سے اس کے اجر کی امید رکھو، یقیناً اللہ تمہارے لیے اور تمہارے کمزور ساتھیوں کے لیے نجات کا راستہ بنانے ہی والا ہے، ہم نے قوم کے ساتھ صلح کی ہے اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا ہے، اب ہم عہد شکنی نہیں کریں گے۔اس چیز نے صحابہ کے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا لیکن ادب سے کسی نے کچھ بھی نہیں کہا۔

(ضیاء النبی: پیر کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ، ج ۴، ص ۱۵۳۔ سیرت خاتم النبین: ج ۲ ص ۸۵۲)

وعدے کی پاسداری

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ یہ جب ایمان لا چکے تھے تو حضور ﷺ کی محبت میں بے چین تھے، حضور ﷺ کو دیکھنے مکہ سے مدینہ آرہے تھے۔ اسلام و کفر کی سب سے پہلی جنگ بدر کی تیاری کر کے لشکر لے کر ابوجہل مدینے کی جانب آرہا تھا تو راستے میں ابوجہل اور اس کے لشکر سے ملاقات ہوگئی۔ابوجہل نے انہیں پکڑ لیا۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو تو آپ نے کہا: حضور ﷺ کا روئے زیبا دیکھنے۔وہ نہ مانا، کہا: تم جنگ میں جا رہے ہو۔انہوں نے کہا: نہیں، ہم وعدہ کرتے ہیں، جنگ میں حصہ نہیں لیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں گے۔ابوجہل نے وعدہ کروا کر چھوڑ دیا۔آپ مدینہ آئے، جنگ کی تیاریاں شباب پر تھیں۔حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے واقعہ بتا دیا تو حضور ﷺ نے جنگ بدر میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی۔فرمایا: تم وعدہ کر کے آئے ہو اور اسی شرط پر ابوجہل نے رہا کیا ہے لہٰذا اس پہلی جنگ میں میں تمہیں اجازت نہیں دیتا، وعدے کی پاسداری کرو اسلام میں اس کی سخت تاکید ہے۔سبحان اللہ، سبحان اللہ (الاصابۃ: ج ۱ ص ۳۱۶)

اس اعلیٰ وصف (وعدے پر) عامل کے لیے جنت کی اعلی قسم جنت فردوس کی خوش خبری ہے۔عہد کو پورا کرنا مومن کا وصف ہے۔ارشاد باری ہے:

ترجمہ کنز الایمان: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد (وعدہ) کی رعایت کرتے ہیں

اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس (جنت) کی میراث پائیں گے وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (سورۂ مومنون: آیت نمبر ۸۔۱۱)

عام طور پر لوگ عہد کے معنی صرف قول وقرار کو سمجھتے ہیں مگر اسلام میں اس کے معنی بہت وسیع ہیں۔ یہ حقوق اللہ ،حقوق العباد، معاشرت، تجارت، اخلاق ومعاملات کی ان تمام صورتوں کو محیط (گھیرے ہوئے) ہے جس کی پابندی انسان پر عقلاً ،شرعاً، اخلاقاً فرض ہے۔

امام قرطبی الجامع الاحکام القرآن جلد ۱۲، ص ۱۰۷ میں فرماتے ہیں:

امانت وعہد دینی ودنیاوی معاملے پر حاوی ہے چاہے وہ قولی ہو یا فعلی اور جس کا پابند اور متحمل ہو۔

علامہ الوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی: جلد ۱۸، صفحہ ۱۱ میں فرماتے ہیں: یہ آیت مبارکہ اکثر مفسرین کے نزدیک ہر قول وقرار کے لیے عام ہے چاہے وہ اللہ اور بندے کے مابین ہو یا دو انسانوں کے درمیان ہو۔

وعدہ نبھانا اللہ کا محبوب بن جانا ہے

جس شخص سے معاہدہ (Agreement) ہے چاہے وہ کافر مشرک ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ وعدہ خلافی نہ کرے تو اس کے لیے وعدے کی پابندی واستواری اور اس کا پاس ولحاظ رکھنا ناگزیر ہے اور یہی تقوی کا تقاضا ہے۔ مولا ئے رحیم فرماتا ہے:

ترجمہ: ان مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد آخر کیسے ہوسکتا ہے بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔ تو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو کیوں کہ اللہ متقیوں کو پسند فرماتا ہے۔ (سورۂ توبہ: آیت نمبر ۷)

ایک جگہ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: جو بھی اپنے عہد (وعدہ) کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا کیوں کہ پرہیز گار لوگ اللہ کو پسند ہیں۔ (سورۂ آل عمران: آیت نمبر ۷۶)

عہد کے بارے میں پوچھ گچھ ہونا ہے:

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۳۴ میں ہے:

وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ۔

ترجمہ: اور عہد (وعدہ) پورا کرو، بے شک عہد سے سوال ہونا ہے اللہ سے وعدہ پورا کرو اور بندوں سے بھی۔ (کنز الایمان)

پیارے اسلامی بھائیو و بہنو! متذکرہ بالا آیتوں و حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد کا ایفا یعنی وعدہ پورا کرنا اللہ کی خوشی و مسرت اور محبت و رضا مندی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندے کے لیے عظیم انعام و اعزاز ہے، اس سے بڑھ کر کوئی اکرام نہیں۔ اللہ ہم تمام اہل ایمان کو عہد (وعدہ) کی اہمیت سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

●●●

امانت داری ایمان کی علامت اور پہچان ہے

اللہ رب العزت و رسول کریم ﷺ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا شخص مومن ہے اور مومن کسی کی امانت میں خیانت نہیں کرسکتا کیوں کہ امانت داری پر عمل بھی ایمان کا حصہ ہے۔ نبی کریم ﷺ ظاہری اعلان نبوت کے پہلے ہی صادق الامین کے بابرکت لقب سے جانے پہچانے جاتے تھے اور آج بھی وہ لقب مواجہِ رسول اللہ ﷺ حرمِ پاک مدینہ شریف کی جالیوں میں لکھا ہوا ہے۔ ناچیز خود حج کی سعادت سے باور ہو چکا ہے اور جالیوں کو بغور دیکھنے کا شرف حاصل کر چکا ہے جن میں آپ کا لقب مبارک ''صادق الامین'' لکھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔

ترجمہ: جس کے اندر امانت نہیں اس کے اندر ایمان نہیں۔ (مسند احمد: جلد ۳، ص ۱۳۵)

گویا کہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ آدمی امین ہو اور امانت میں خیانت نہ کرتا ہو۔ عربی زبان میں ''امانت'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص پر کسی معاملے میں بھروسہ کرنا۔ امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت بتائی گئی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(صحیح مسلم: ایمان کا بیان، حدیث نمبر ۱۱۸)

اس حدیث پاک سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر وہ چیز جو دوسرے کو اس طرح سپرد کی گئی کہ

سپرد کرنے والے نے اس پر بھروسہ کیا ہو یہ اس کا حق ادا کرے گا۔ یہ ہے امانت کی حقیقت لہٰذا کوئی شخص کوئی کام یا کوئی چیز یا کوئی مال جو دوسرے کے سپرد کرے اور سپرد کرنے والا اس پر بھروسے سے سپرد کرے کہ یہ شخص اس سلسلے میں اپنے فریضے کو صحیح طور پر بجالائے گا اور اس میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ یہ امانت ہے۔ اور امانت کی اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو بے شمار چیزیں اس میں شامل ہوجاتی ہیں۔ آج اس کا مفہوم بہت محدود سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں امانت کا تصور صرف اتنا ہی ہے کہ کوئی پیسے لے کر آئے اور یہ کہے کہ یہ پیسے آپ بطور امانت اپنے پاس رکھ لیجیے۔ جب ضرورت ہوگی اس وقت میں آپ سے واپس لے لوں گا۔ امانت اس حد تک ہی محدود نہیں۔ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور بہت ساری چیزیں امانت میں داخل ہیں، جن کے بارے میں اکثر و بیشتر ہمارے ذہنوں میں خیال بھی نہیں آتا کہ یہ بھی امانت ہے اور ان معاملات میں 'امانت' جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ امانت میں دیئے ہوئے مال کی حفاظت کرنا بلکہ اسی حالت میں واپس کرنا ہر کسی کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا، جس کا حق اس پر ہے ادا کرنا، حق تلفی نہ کرنا، دغا نہ دینا، دھوکا نہ دینا، غبن نہ کرنا، بددیانتی نہ کرنا، کسی کے مال کو دبا لینا جو کسی نے بطور امانت رکھا ہو، کسی کام کو پورا نہ کرنا یعنی ڈیوٹی (Duty) پوری نہ کرنا، کسی کے خفیہ راز جو تم کو معلوم ہیں، دوسرے کو نہ بتانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب امانت ہی میں آتے ہیں۔

خیانت جرم ہے:

امانت میں خیانت کرنا انتہائی گھناؤنا گناہ ہے اور ایسا گناہ ہے جس کے دائرے میں عبادات سے لے کر معاملاتِ زندگی کے تمام شعبے داخل ہیں۔ سچا مومن وہی ہے جو کسی طرح کسی بھی شعبے میں اپنی امانت داری پر آنچ نہ آنے دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور اپنی امانتوں میں دانستہ

خیانت۔(سورۂ انفال: آیت ۲۷، کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ کا شانِ نزول بڑا پیارا ہے اور انتہائی دلچسپ و سبق آموز واقعے سے متعلق ہے۔ پڑھیں اور عبرت حاصل کریں:

صحابیِ رسول حضرت ابولبابہ ابن المنذر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے یہودی بنی قریضہ پر حضور ﷺ کا راز فاش کردیا۔ بنو قریضہ کے لوگ اپنے مکانات میں محصور ہوگئے۔ حضور ﷺ نے یہودیوں سے کہا کہ تم سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دو، ہم مشورہ کریں گے۔ ابولبابہ کے جانے پر ان لوگوں نے پوچھا کہ بن معاذ کیا فیصلہ کریں گے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے گلے پر انگلی پھیر کر کہا: قتل کردیں گے۔ سب کو یہ راز آپ نے بتا دیا۔ ادھر اللہ کے رسول ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے دغا نہ کرو۔ ابولبابہ بہت شرمندہ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے خیانت کی ہے اور اپنے آپ کو مسجد کے ستون (Pillar) پر بندھوالیا اور فرمایا اللہ کی قسم! میں اس وقت تک نہ کھلوں گا جب تک حضور مجھے کھول نہ دیں۔ جب حضور کے سامنے یہ واقعہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر لبابہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے دعائے مغفرت کردیتا اور معاف کردیتا۔

کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہیں سے پناہ
تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروڑوں درود

(حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی)

مگر جب وہ خانہ خدا (مسجد) میں پہنچ گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اب میں اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک رب تعالیٰ ان کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ لہٰذا آپ سات دن تک بندھے رہے۔ آٹھویں دن توبہ قبول ہوئی۔ لوگوں نے بشارت پہنچائی۔ تو آپ نے کہا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کھولیں گے تو کھلوں گا چنانچہ آپ ﷺ نے کھول دیا۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد باری ہے:

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لیے

جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں ،ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔ ان کے لیے ستھری بیبیاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہوگا۔ بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کر دو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو ۔ بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے ۔ بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے ۔(سورۂ نساء: آیت ۵۰ تا ۵۷ ،ترجمہ کنزالایمان)

یہ ہے انعام واکرام کی بارش امانت دار لوگوں کے لیے ۔ ہر جنتی کو کئی کئی جنتیں دی جائیں گی ،خوبصورت باغ ہوں گے ،دودھ کی نہریں ،ٹھنڈے پانی کی نہریں ،کئی کئی بیویاں عطا ہوں گی ،دنیا کی بیوی بھی ہوگی ،خوبصورت حوریں جن کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں گی اور خوشبو سے مہکتی ہوں گی ۔خوبصورت اتنی کہ پنڈلیوں میں آئینہ کی طرح صاف صاف، Transparent کی طرح ہڈیوں کا گودا دکھائی دے گا اور یہ تمام بیویاں وحوریں حیض ونفاس ،تھوک ،رینٹ (گوجی) میل اور یہاں تک کہ کج خلقی سے پاک وصاف ہوں گی ۔ انتہائی شیریں زباں اور با اخلاق ہوں گی ۔

یاد رہے کہ مذکورہ آیت کریمہ حضرت ابولبابہ ابن المنذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوہ بنوقریظہ کے موقع پر اپنے اہل وعیال کے تحفظ کی غرض سے نبی کریم ﷺ کے راز کو ظاہر کر دیا تھا۔ حالاں کہ بعد میں آپ کو سخت ندامت ہوئی جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے ،لیکن اس آیت کا حکم عام ہے اور ہر طرح کی خیانت اور بد دیانتی کو شامل ہے خواہ اس کا تعلق قومی وملکی یا گھریلو معاملات سے ہوں یا ذاتی وانفرادی معاملات سے ہو۔ نبی کریم ﷺ نے منافق کی تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں ۔ ایک حدیث پاک میں چار نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا ہے کہ یہ کام مومن کے نہیں اور جس میں یہ چار باتیں پائی جائیں وہ صحیح معنی میں مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

چار عادتیں جس کسی میں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس کسی میں ان چاروں سے ایک بھی عادت تو وہ (بھی) نفاق ہی ہے ، جب تک اسے چھوڑ نہ دے ۔ (وہ یہ ہیں) جب

امین بنایا جائے تو (امانت میں) خیانت کرے اور بات کرتے وقت جھوٹ بولے اور جب (کسی سے عہد کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب کسی سے لڑے تو گالیوں پر اتر آئے۔ (بخاری: منافق کی نشانیوں کے بیان میں، کتاب الایمان، حدیث ۳۴)

منافق کے بارے میں قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی منافق جہنم کے سب سے نیچے ڈالا جائے گا۔ استغفر اللہ۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی آیاتِ مبارکہ اور احادیث پاک خزانہ احادیث میں موجود ہیں۔ اب یہ حدیث پاک پڑھیں اور درسِ عبرت پکڑیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ آدمی جہاد کرتے ہوئے راہِ خدا میں شہید ہو جائے، اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن اس نے اگر امانت کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہوگی تو یہ شہادت اس گناہ کی معافی کا سبب نہیں بنے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن آدمی کو دربارِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کرو تو وہ کہے گا کہ اے خدا، اے رب العالمین! دنیا تو ختم ہوگئی، امانت کہاں سے لاؤں؟ تو حکم ہوگا اسے ہاویہ (جہنم کی ایک گھاٹی) میں لے جاؤ۔ چنانچہ اسے لے جایا جائے گا اور وہاں اس کی امانت بعینہ اسی طرح سامنے لائی جائے گی جیسے اسے حوالے کرتے وقت تھی تو وہ اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور اس کو لانے کے لیے اس کے پیچھے چلے گا پھر اسے اپنے دونوں کندھوں پر اٹھا لائے گا، یہاں تک کہ اسے گمان ہوگا کہ میں اسے لے کر باہر آ جاؤں گا لیکن وہ اس کے کندھے سے لڑھک کر گہرائی میں جائے گی پھر دوبارہ اٹھا کر لائے گا پھر وہی معاملہ ہوگا اور وہ ایسا ہی ہمیشہ کرتا رہے گا۔ (اعاذ نا اللہ منہ) اس کے بعد امانت کی مزید تشریح کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز بھی امانت ہے، وضو بھی امانت ہے، تولنا بھی امانت ہے، ناپنا بھی امانت ہے۔ اور پھر کئی چیزیں گنائیں اور ان سب میں زیادہ اہم چیز ودیعتیں (یعنی دوسروں کی طرف سے رکھوائی گئی امانتیں) ہیں۔ اس روایت کے راوی حضرت زادان فرماتے ہیں کہ میں نے صحابیِ رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ

روایت نقل کی تو انہوں نے اس کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سچ فرماتے ہیں اور کہا تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا؟ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ کُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا یعنی یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے اہل کی طرف لوٹا دو۔

(البیہقی، شعب الایمان: حدیث نمبر ۵۲۶۶ / الترغیب وترہیب: مکمل صفحہ ۶۲۷)

مذکورہ بالا روایت نہایت چشم کشا ہے اور امانت داری کے مفہوم کو واضح کرنے والی ہے، جس کے دائرے میں عبادات سے لے کر معاملاتِ زندگی کے تمام شعبے داخل ہو جاتے ہیں۔ سچا مومن وہی ہے جو کسی بھی شعبے میں اپنی امانت داری پر آنچ نہ آنے دے۔ قرآن مجید پوری وضاحت سے امانت میں خیانت کرنے والوں کی منافقت کا اعلان فرما رہا ہے۔ اللہ ہم تمام مسلمانوں کو امانت داری کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

●●●

عورت کی آبرو جان سے زیادہ قیمتی

کسی قوم کی تہذیب وتمدن اور ترقّی کا حال معلوم کرنا ہو تو دیکھو کہ اس کے معاشرے میں عورت کا درجہ کیا ہے؟ بہترین معیار یہی ہے۔جس زمانے میں اللہ کے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے تو عورت ساری دنیا میں محکوم تھی۔وہ بہت سے قانونی حقوق سے محروم تھی۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کے ساتھ زنا کاری پر بے حیائی کے ساتھ عمل تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ جو اللہ کی جانب سے آپ نے انسانیت کو پہنچائیں، ان باتوں کا یکسر خاتمہ کر دیا۔خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں عورت اور مرد مساوی سطح پر ہیں، نیکوکاری کے معاملے میں بھی اور اس کی جزا اور انعام کے معاملے میں بھی۔قرآن حکیم میں اسی پر بار بار زور دیا گیا۔جو شخص کوئی نیک کام کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطِ کہ صاحبِ ایمان ہو، اس شخص کو (دنیا) میں اس کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔(سورۂ نحل: آیت نمبر ۹۷)

خدا بے زار ذہنیت کا شاخانہ

محض ظاہری فوائد کو نظر رکھ کر کسی شئی کے اچھے برے ہونے کا فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی معنویت اور پوشیدہ نتیجہ خیزی کو بھی بہر حال ضرور مدنظر رکھنا چاہیے۔اخباری رپوٹوں کے مطابق یوروپ میں بہت سے لوگ بن بیاہے رہتے ہیں تو ان کی نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے کچھ ایسی عورتوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو انہی کی طرح محض نفسانی تکمیل حاجات کی تجارت کرتی ہوں لہٰذا عورتیں جو عصمت فروشی کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں

سوشل ورکرس (Social Workers) کے زمرے میں داخل ہیں۔ **نعوذ باللہ**۔ اب اندازہ لگائیں اس معیار فکر کا جس نے انسانی نظامِ حیات کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ اللہ کے احکامات پر عمل نہ کرنے اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے دوڑنے کا بھیانک نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے ایک بیماری پیدا ہوگئی جسے ایڈس کہا جاتا ہے۔ اس ایڈس نے پوری دنیا میں اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ ذرا سوچیں کہ کیا ایڈس (Aids) خدائی عذاب نہیں ہے۔؟ آج ایڈس (Aids) نے دنیا میں بلکہ اپنے ملک ہندوستان میں بھی بہت تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ محکمہ صحت کے وزیر کا ابھی حال ہی میں بیان اخبار بینوں نے پڑھا ہوگا کہ اس مہلک بیماری نے ہلچل مچا رکھی ہے۔ نہایت تیزی کے ساتھ ہزاروں مریضوں کا دم توڑ دینا کیا اس خدا بیزار سائنسی دنیا کے منھ پر قدرت کا طمانچہ نہیں ہے۔؟ خواہشاتِ نفسانی انسانی وقار کو دیمک کی طرح کھوکھلا کر دیتی ہے۔ خواہشات کی اتباع کرنا شانِ بندگی کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے۔ سماج کے صالح فرد میں خواہشات وشہوات کی زیادتی سماج کے لیے رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ جیسے دہلی میں دامنی نام کی لڑکی (ریپ کیس Rape case) کا واقعہ ہوا اور پھر مسلسل حادثات ہوتے چلے آرہے ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کی عورت کی آزادی کے نام پر بلا روک ٹوک دیر رات تک (Boy Friend) کے ساتھ گھومنے پھرنے کی جب آزادی ہوگی تو اس سے جنسی اختلاط پروان چڑھے گا اور انجام کار افعالِ شنیعہ (برے کام) کا ارتکاب ضرور ہوگا۔

اسی لیے محمد عربی ﷺ نے واضح قانون کا نفاذ فرماتے ہوئے خدائی حکم کا اعلان فرمایا:

ترجمہ: **زنا کے قریب نہ جاؤ یہ بڑی بری راہ ہے اور برا چلن ہے۔**

(سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۱۷)

زنا انتہائی برا فعل ہے۔ صرف اس سے اجتناب اور پرہیز ضروری نہیں بلکہ اس کے داعی اور تقریب وتمہید کے کاموں سے بھی بچنا ضروری ہے کیوں کہ شرافت ونجابت کا یہ تقاضا ہے کی اس فعل سے نہیں بلکہ اس کے جتنے دواعی اور اسباب ہیں ان سے بھی اجتناب واحتراز کیا جائے اسی لیے اسلام نے ان تمام حرکات وسکنات کو جو بے حیائی، بے شرمی، بدکاری میں معمولی رول بھی ادا کرتے ہیں، حرام قرار دیا ہے اور معاشرے کو ان سے پاک وصاف

کر کے صالح معاشرہ (Society) بنانے کی ہر ممکن کوشش فرمائی ہے۔ انسانی جان کی اہمیت ہر مذہب وملّت میں موجود ہے۔ اسلام میں انسانی جان کے قتل میں قصاص کی سزا مقرر ہے مگر ناموس (عزت) انسانی کو داغ دار کرنے کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ اگر کسی کے ہاتھوں کوئی ہلاک ہو جائے اور مقتول کے ورثا اگر رضامند ہو جائیں تو جان کے بدلے مال فدیہ یعنی (دیت جرمانہ) لے کر قاتل کی جان بخشی کر سکتے ہیں، مگر (بلات کاری Rapist) زانی اور زانیہ کے سلسلے میں (both side) طرفین کی مصالحت کی بنیاد پر بھی اس جرم کی تلافی کا کوئی راستہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام ناموس وعصمت کو انسانی زندگی سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اور زنا کے مجرم کو خدائی مجرم قرار دے کر موت کی سزا مقرر کرتا ہے اور حکم دیتا ہے:

ترجمہ: زنا کے قریب نہ جاؤ، یہ بڑی بری راہ ہے اور برا چلن ہے۔

(سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۱۷)

آج بھی وہ تمام برائیاں ہمارے معاشرے میں موجود ہیں جو ایام جاہلیت میں کی جا رہی تھیں لیکن فرق اتنا ہے کہ پہلے تاریکی میں کی جا رہی تھیں، آج علم وفن اور تہذیب و آزادی کے نام پر کی جا رہی ہیں لہٰذا ضرورت ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافذ کردہ اصلاحات کو عام کیا جائے، اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی جائے اور معاشرے کو صالح اور پاکیزہ ماحول عطا کیا جائے۔

●●●

عورتوں سے حسنِ سلوک کامل ایمان کی نشانی

پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کے لیے خاندانی نظام کا زیادہ سے زیادہ مضبوط اور کامیاب ہونا انسانوں کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اس کی شروعات شوہر اور بیوی کے ازدواجی تعلق اور میل ومحبت سے ہوتی ہے۔ رب العالمین نے اور رسول کریم ﷺ نے شوہر کی حد متعین فرمائی ہے اور بیوی کی بھی حد کا تعین کیا ہے۔ اگر دونوں اپنی حدود کے اندر رہ کر زندگی گزاریں تو بڑی خوشگوار زندگی گزر سکتی ہے۔ بے شمار ایسی فیملی (Family) ہیں جو اسلامی قوانین پر عمل کر کے خوشگوار زندگی گزار رہی ہیں۔ میاں بیوی میں اعتماد کی کڑی جتنی مضبوط ہوگی، ایک دوسرے پر جس قدر اعتماد (Trust) قائم رہے گا اسی قدر خوشگوار اور پر سکون زندگی گزرے گی اور اس کے اچھے اثرات بچوں پر پڑیں گے۔ آقائے دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ

ترجمہ: مومنین میں کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں سے زیادہ بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع الترمذی: باب شوہر پر عورت کے حقوق کے بیان میں، جلد دوم، حدیث ۱۱۶۲)

دوسری حدیث یہ دنیا ساری کی ساری پونجی ہے (برتنے کی چیز ہے) لیکن ساری دنیا میں سب سے بہترین قیمتی چیز نیک وصالح عورت ہے۔

(سنن صحیح ونسائی صحیح: باب رنیک اور صالح عورت کا بیان،، جلد دوم، حدیث نمبر ۳۲۴۰)

قربان جائیں آقا کے ارشاد پر کہ بہترین اور قیمتی چیز عورت کو بتا کر اس کی عزت ووقار

میں چار چاند لگا دیئے۔ یہ ہیں عورتوں پر اسلام کے احسانات۔

آقا ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے اس حال میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہوا ور خوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ (ترمذی)

سب سے پہلے انسانوں کو آزاد کرنے والے مذہبِ اسلام نے عورتوں کو ایک مستقل حیثیت عطا کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ نکاح کو آزادانہ معاہدہ قرار دیا جو ہر قسم کی جائز شرائط پر مشتمل ہوسکتا ہے۔ خاص نامساعد حالات پیدا ہو جانے پر مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی کا حق رکھتے ہیں۔ عورت اپنے سرمائے اور جائداد کی بے شرکتِ شوہر مالک ہے۔

احادیث طیبہ میں جہاں عورتوں کے حقوق پر بہت سی بشارتیں موجود ہیں وہیں عورتوں سے حسنِ سلوک و حقوق کی ادائیگی کے لیے اللہ رب العزت نے عورتوں سے اچھے برتاؤ کا حکم بھی فرمایا ہے:

وَعَاشِرُوْ هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْ هُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (سورۂ نساء: آیت ۱۹)

ترجمہ: اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر وہ اگر تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز پسند نہ ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔ (کنزالایمان)

تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اچھی طرح رہا کرو، پیار و محبت اور ملاپ سے بسر کرو۔ اس پر احسان کیا کرو۔ اگر تم ان سے محبت اور آپس کی الفت کو برا سمجھو گے تو تم ایسی چیز کو برا سمجھو گے جس میں خدا نے تمہارے لیے خیر کثیر اور ہزاروں طرح کے نفع (فائدے) رکھے ہیں۔ یعنی صالح اولاد۔ وغیرہ وغیرہ۔

نکاح دین دار سے کرو

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عورت سے نکاح اس کی دین داری، اس کے مال اور اس

کی خوبصورتی کی وجہ سے کیا جاتا ہے لیکن تم دین دار (عورت) سے نکاح کو لازم پکڑ لو۔ تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن عمرو، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے احادیث آئی ہیں۔ (سنن ترمذی: باب رعورت سے نکاح کن باتوں کے سبب کیا جاتا ہے، جلد دوم، حدیث ۱۰۸۶۔ ابن ماجہ: حدیث ۱۸۵۸)

بخاری و مسلم کی روایت میں چار چیزوں کا ذکر ہے۔ چوتھی چیز اس کا حسب ونسب اور خاندانی شرافت ہے۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ دین دار عورت ہی صحیح معنوں میں نیک چلن اور شوہر کی اطاعت گزار اور وفادار ہوتی ہے، جس سے معاشرتی زندگی میں خوشگواری آتی ہے اور اس کی گود میں جو نسل پروان چڑھتی ہے وہ بھی صالح اور دین دار ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تین طرح کی عورتیں عموماً انسان کے لیے زحمت اور اولاد کے لیے زحمت و بگاڑ کا باعث ہوتی ہیں۔ حدیث شریف میں ایک جملہ ہے کہ تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ تو یہاں بد دعا مراد نہیں بلکہ شادی کے لیے جدوجہد و کوشش پر ابھارنا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عورتوں سے حسن سلوک کرو کیوں کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا اوپر والا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے۔ پس اگر اسے سیدھا کرنا چاہو تو توڑ دو گے اور اگر (اپنے حال پر چھوڑ دو تو ہمیشہ ٹیرھا رہے گا) پس عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔ (بخاری شریف: حدیث نمبر ۵۱۸۴)

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ عورت پسلی کے مانند ہے۔ اگر اسے سیدھا کرو گے تو توڑ دو گے اور اگر اس سے نفع اٹھانا چاہو گے تو اس کے ٹیڑھا پن کے باوجود نفع پاؤ گے۔ (بخاری شریف: راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث ۳۳۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کوئی مومن کسی ایماندار عورت سے بغض نہ رکھے۔ اسے اس کی کوئی بات ناپسند ہو تو دوسری بات پسند ہوگی۔ (مسلم شریف: باب رعورتوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا)

انسانیت کا منشور جو آقا ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر دنیا کو دیا جس کی کئی اہم

شقیں اقوامِ متحدہ (UNO) نے اپنے منشور میں شامل کی ہیں۔اسی حجۃ الوداع کے خطبے میں آپ نے حمد وثنا کے بعد وعظ ونصیحت کی، پھر آپ نے فرمایا:

سنو! عورتوں سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ، بے شک وہ تمہاری قیدی ہیں تم ان سے جماع کے سوا ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو۔سنو! بے شک تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں ان کے سبھی حقوق ادا کرو۔ان پر تمہارا حق ہے کہ وہ تمہارے نا پسندیدہ لوگوں کو تمہارے بستر روندنے نہ دیں۔(یعنی عزت و ناموس کی حفاظت کریں) اور سنو! تمہارے ذمہ ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لیے اچھا لباس اور اچھا کھانا مہیا کرو۔(بخاری و مسلم: حدیث نمبر ۵۰۲۳)

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ آپ نے ''تبتل''، یعنی عورتوں سے الگ رہنے کی زندگی سے منع فرمایا۔اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں اجازت دیتے تو ہم توخصی ہی ہو جاتے۔(بخاری: باب رمجرد رہنا اپنے کو نامرد بنا دینا منع ہے، راوی: احمد بن یوسف ابراہیم بن سعد، ابن شہاب، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم، حدیث نمبر ۵۰۷۳)

عورتوں پر اسلام کے احسانات بے شمار ہیں۔ چھوٹے سے مقالے میں سمیٹنا ممکن نہیں۔عورتوں کے ہر طرح کے حقوق کی پاسداری اسلام میں ہے۔اسی لیے حکم ہے کہ شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے فطری جذبات و احساسات کا پاس و لحاظ رکھے اور زیادہ دنوں تک بیوی سے جدا نہ رہے اور اگر جدا رہنے کی مجبوری ہے تو اسے چاہیے کہ بیوی کو ساتھ رکھے تاکہ حقِ زوجیت بھی ادا ہو اور دونوں پرسکون زندگی گزاریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اہلِ بیت کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوند کی شکایت لے کر آتی ہیں ایسے لوگ پسندیدہ نہیں ہیں۔(ابوداؤد)

عورتوں کو مار پیٹ کرنے سے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناپسند فرمایا۔آج کل مردوں کے اندر عام مزاج بن گیا ہے کہ جہاں مزاج کے خلاف کچھ ہو، لگے مارنے پیٹنے۔اس حدیث پاک سے ایسے لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے۔عورت پر ظلم وستم کرنے سے گھریلو زندگی جہنم بن جاتی ہے۔فیملی لائف عذاب کی طرح گزرتی ہے۔اس کا مداوا اور اس کا حل

صرف یہی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔عورت کے ٹیڑھے پن کے باوجود ان سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ حسن سلوک سے پیش آنے پر ہی ممکن ہوگا۔ بہت سی احادیث وآیات کریمہ میں اس کی وضاحت ہے۔عورت کے کئی روپ ہیں۔ بیٹی، بہن، بیوی، ماں۔ کچھ دوسرے پہلو پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

بیٹی: نعمت الٰہی:

اللہ رب العزت کی تخلیق میں انسان کو بہت عزت و وقار حاصل ہے۔ یقیناً اللہ نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا فرمایا۔(قرآنی مفہوم) اور اس میں عورت کی پیدائش کا ذکر پہلے فرمایا۔(سورۂ شوریٰ: آیت ۴۹۔۵۰)

ترجمہ: اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملادے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کردے۔ بے شک وہ علم وقدرت والا ہے۔(کنزالایمان)

اللہ نے پیدائش کے ذکر میں بیٹی کا ذکر پہلے فرمایا۔اس سے بڑی عزت وعظمت اور کیا ہوگی۔احادیث میں بھی فضیلتیں موجود ہیں۔ بیٹی جو آگے چل کر بہن اور ماں کا روپ دھارن (اختیار) کرتی ہے اور پھر ماں کی اہمیت اللہ کے نزدیک بہت ہے۔ماں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وہ خوبصورت عطیہ ہے جس میں اللہ نے اپنی رحمت، فضل، کرم، رحیمی، برکت، راحت اور عظمت کی آمیزش شامل فرما کر عرش سے فرش پر اتارا اور اس کی عظمتوں کو چار چاند لگادیا۔قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (سورۂ نساء: آیت ۳۶)

ترجمہ: اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو۔(کنزالایمان)

دوسری جگہ اس طرح حکمِ الٰہی ہے:

ترجمہ: اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ عہد بنی اسرائیل سے (اس بات کا) نہ

عبادت کرنا بجز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۸۲)

والدین کی عظمت کا ثبوت اس سے بڑا اور کیا ہوسکتا ہے کہ رب نے اپنے اسم جلالت کے ذکر کے ساتھ والدین کی خدمت کا حکم دیا اور دوسری آیت میں ماں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ماں کی عظمت کا بھی اعلان فرمایا:

ترجمہ: اور ہم نے آدمی کو حکم دیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے۔ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنا (پیدا کیا) اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے رکھا پھرنا اور اس کا دودھ چھڑایا تیس مہینے میں۔ (سورۂ احقاف: آیت ۱۶، کنزالایمان)

ماں باپ اگر کافر ہوں تب بھی ان کی خدمت اولاد پر لازم ہے کیوں کہ والدین کا حکم مطلق ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق الخذمت ماں کا زیادہ ہے کیوں کہ ماں کی تکلیف کا بیان ہے اور یہ کہ ماں نے بچہ کو خون پلا کر (خون سے ہی دودھ بنتا ہے) پالا اور باپ نے محنت کر کے کمائی کی اور پرورش کی۔ ماں کی تکلیف کو وجہ بتایا گیا نیز ماں اگر خاوند سے اجرت لے کر بھی بچے کو پالے جب بھی ماں کا حق اولاد پر قائم رہے گا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرعون سے اجرت لے کر پالا اور پرورش فرمائی۔ (تفسیر نورالعرفان: صفحہ ۸۰۳)

اللہ جل شانہ اور اس کے پیارے محبوب ﷺ نے بندوں کے حقوق کو واضح طور پر بیان فرمائے بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کی تاکید بھی فرمائی تا کہ خاندانی زندگی اور معاشرتی زندگی پرسکون گزرے۔ اگر مسلمان حقوق العباد کی ادائیگی کا پاس و احترام کریں تو صالح معاشرے کے لیے آج تمام تنظیموں اور جماعتوں کا رونا بند ہو جائے اور مقدمہ بازی اور کورٹ کے چکر سے نجات ملے۔ عورتوں سے حسنِ سلوک اسلامی تعلیم کا حصہ ہے۔ نکاح و طلاق و وراثت سب میں عورتوں کے حقوق واضح طور پر بیان کیا گیا۔ خواہ بیٹی ہو، بہن ہو، ماں ہو یا بیوی۔ آج اسلام دشمن و مسلمان بیزار میڈیا (Media) اور جماعتیں واویلا مچا رہی ہیں کہ عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ یہ اسلام و مسلمانوں کے خلاف شعوری طور پر سازش ہے اور کچھ نہیں۔ قرآن کریم میں رب تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد گرامی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

ترجمہ: عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اچھے سلوک کے ساتھ۔

حقوق انسانی میں تمام مرد وعورت کے مساوی حقوق، اخلاق اور احسان، عبادات میں مرد کے برابر ہیں۔ ہم تمام مسلمانوں کا یہ اسلامی فریضہ ہے کہ اپنی بیویوں کو عزت ووقار سے رکھیں، ان کے حقوق کی ادائیگی میں رب تعالیٰ سے ڈریں اور حقوق پامال نہ کریں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو اسلامی عائلی قوانین کی جاننے اور اس پر عمل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

●●●

بہتان لگانا انتہائی گھناؤنی حرکت

دورِ حاضر میں ہمارے سماج میں انگنت برائیاں موجود ہیں۔ ایک دو ہوں تو گنا یا جائے ، پانچ دس ہوں تو ان کا رونا رویا جائے۔ پھر بھی اہلِ علم و دانش پر مذہبی فریضہ اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ اس کی نشاندہی فرمائیں۔ سدِ باب کی راہیں ۔قرآن و احادیث کی روشنی میں بتائیں انشاء اللہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ خاص کر مسلم معاشرہ میں طرح طرح کی برائیاں جڑ پکڑتی جارہی ہیں۔ افسوس صد افسوس اس میں خواص کا بگاڑ بھی شامل ہے جو کہ انتہائی تشویش ناک اور شرم کی بات ہے۔ اگر آج اس کی نشاندہی نہ کی گئی اور اس کے سدِ باب و تدارک کی کوشش نہ کی گئی تو آنے والے دنوں میں وبائی صورت اختیار کر لے گی۔ واضح ہو کہ خواص کی فہرست لمبی ہے۔ جسے ہم اپنی سیدھی سادی زبان میں پیشواؤں میں مشائخ کرام، علمائے کرام، پیرانِ عظام، VIP، سفید پوش وغیرہ وغیرہ۔

خواص کے اثرات سماج میں یکساں طور پر ہر طرح کے لوگوں امیر غریب ، بڑے بوڑھے، نوجوان، مرد و عورت سب پر ہیں۔ یہ اللہ کی دین ہے، اللہ کا فضل ہے۔ اسی لئے یہ طبقہ سماج کا رخ متعین کرتا ہے اور جدھر چاہتا ہے سماج کو لے جاتا ہے۔ یہ طبقہ اگر خیر کی راہ پر چلے تو سماج امن و سکون کا گہوارہ بن جاتا۔ اسلامی رہبر و رہنما خواص کو علم کے وقار کے ساتھ رہنا چاہئے۔ وہ لوگوں کو اسلامی احکام و مسائل سے آگاہ کریں۔ ان میں اسلامی طرزِ زندگی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ان کے سوالات کا معقول جواب دیں۔ جو افراد گناہوں میں سر تا پاڈوبے ہوئے ہوں ان سے شفقت و محبت سے ملیں اور مسلسل محنت و غور و فکر کریں کہ کس طرح اس شخص کو صراطِ مستقیم پر لایا جائے۔ اگر دو مسلمانوں میں لڑائی ہو جائے تو حکمت و

دانائی ،خوش اسلوبی ، خلوص و محبت اور اچھی تدبیر سے ان کے درمیان صلح کرائیں۔ کوئی مصیبت زدہ ہوتو اس کی دلجوئی کریں، اس کو تسلی و تشفی دیں۔ ہر شرارت و فتنہ کو پہلے سے ہی دبا دیں نہ کہ خود اس کا حصہ بن جائیں۔ جیسے آجکل ہو رہا ہے۔ ایک گروپ دوسرے پیرانِ عظام کو ان کی خانقاہوں کو نشانہ بنا رہے ہیں تو پھر وہ بھی دوسرے پیروں کی پگڑی اچھالنے میں دیر نہیں لگاتے اور الزام در الزام کے راستے کھل جاتے ہیں جو کہ انتہائی افسوس ناک ہے۔ یاد رہے اگر خواص کا طبقہ شر کے راستے پر چل پڑے تو پھر سماج کو کائی چیز ہلاکت و بربادی سے نہیں بچا پائے گی۔ اس کے وہ بھی جلد یا بدیر شکار ہوں گے۔ عوام تو ان ہی کے طریقے پر چلتی ہے جیسا کہ عربی کی مثل مشہور ہے۔ الناس علی دین ملو کھم (لوگ اپنے حکمرانوں کے طریقے پر ہوتے ہیں)۔

حقیقتاً آج بھی عوام اپنے علماء اور درویشوں کے زیر اثر ہیں۔ ان کا تقویٰ دیکھ کر، شرافت دیکھ کر۔ کیوں نہ ہو رب تبارک و تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے۔ اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ ۔ (القرآن، سورہ فاطر، آیت ۲۸)۔ ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا عزت والا ہے۔ (کنزالایمان) اللہ رب العزت نے علما کی توقیر و خوفِ خدا کا ذکر فرمایا۔ احادیث میں بھی علماء کے فضائل موجود ہیں۔ حضرت بن عفیر نے بیان کیا، ان سے وہب نے کی رسول اللہ ﷺ خطبہ فرما رہے تھے، میں نے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے)۔ (بخاری شریف، باب اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلا کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے۔ حدیث نمبر ۷۱) افسوس آج کچھ ہی علمائے حق کو چھوڑ کر اکثر علمائے کرام آپس میں دست و گریبان ہیں اور ایک دوسرے پر بے جا الزامات، بہتان تراشی کر رہے ہیں اور ان کے چاہنے والے چھٹ بھیئے یا تھوڑا خراب جملہ افسوس کے ساتھ چمچہ

لوگ جن کو نہ علمی صلاحیت ولیاقت اور نہ ہی عقل وشعور کی نعمت حاصل ہے وہ اس قبیح کام میں آگ میں گھی ڈالنے کا زہریلا کام انجام دے رہے ہیں۔آجکل بہتان تراشی نجی اور خفیہ محفلوں سے نکل کر اخبارات، کھلے میں، تقریروں میں اور حد تو یہ ہوگئی ہے کہ اب اسے جدید ذرائع ابلاغ، Whatsapp اور Facebook کے ذریعہ استعمال کیا جارہا ہے جو کہ بہت ہی خطرناک اور شرمناک ہے۔ پہلے یہ کام انتہائی رازداری کے ساتھ ہوتا تھا۔ایک شخص انتہائی رازداری کے ساتھ دوسرے کے کان میں پھونک دیا (کہہ دیا) دوسرا انتہائی احتیاط اور رازداری کے ساتھ تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو وہ بات کہتا اور پورے معاشرے میں پھیل جاتی تھی۔اس میں وقت لگتا تھا اب کسی پر جھوٹی بات یا اس کی بات میں کچھ ملا کر جملہ بدل کر کہہ دیا بلکہ جدید ذرائع سے اس کو پھیلا دیا اس کے خلاف پوری فضا میں زہر گھل جاتا ہے۔اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ نہ تو اسے خبر ہوتی ہے اور نہ صفائی کا موقع ملنے پاتا ہے۔ جب معلوم ہوتا ہے تو وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

بہتان اور تہمت لگانے کی سخت مذمت قرآن میں:

مسلمانوں کو الزام و بہتان کے وبال سے ڈرایا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَاناً وَّاِثْماً مُّبِيْناً۔ (القرآن سورہ احزاب، آیت ۵۸) اور جو ایمان والے مرد اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔ واقعہ افک کا ذکر قرآن میں صراحت کے ساتھ آیا۔ منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا کر مدینہ منورہ کی فضا کو زہر آلود کر دیا۔اس وقت لوگ تین حصوں میں بٹ گئے تھے۔ پہلا گروہ الزام لگانے والے منافقین کا تھا۔ چند اہلِ ایمان بھی اپنی سادگی میں منافقین کے جال میں پھنس گئے تھے۔ دوسرے گروہ نے سنتے ہی کہہ دیا کہ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔تیسرے گروہ نے خاموشی اختیار کر لی کہ جب تحقیق نہ ہوجائے زبان نہ کھولنی چاہئے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی بیبیوں پر تہمت لگانے والوں کو بھی نا پسند فرمایا بلکہ ان پر سخت عذاب کا اعلان فرمایا اور

خاموش رہنے والے مصلحت پسند لوگوں کو بھی ناپسند فرمایا بلکہ سخت سرزنش کی اور جس انداز میں اس گروہ کو خطاب فرمایا اس کا اندازہ اور تاثیر کو لفظوں میں بیان کرنا دشوار ہے۔ رب کریم قرآن میں فرما رہا ہے۔ لَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ (القرآن سورہ نور، آیت ۱۲) ترجمہ: ایسا کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے (افواہ) سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے۔ پورا رکوع پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (القرآن سورہ نور، آیت ۱۴ تا ۱۷) ترجمہ: جب تم ایسی بات اپنی زبانوں پر ایک دوسرے سے سن کر لاتے تھے اور اپنے منہ سے وہ نکالتے تھے جس کا تمہیں علم نہیں اور اسے سہل (آسان) سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔ اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں۔ پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا نہ کرنا اگر ایمان والے ہو (کنز الایمان)۔ حضرت علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ ھٰذا عتاب من اللہ و تعالی للمؤمنین۔ یعنی اللہ مومنوں کو عتاب اور سرزنش فرما رہا ہے کہ تم نے سنتے ہی اس بہتان کی تردید کیوں نہ کر دی۔ اس میں تردد کی غلطی کیوں کی۔ تمہیں تو فوراً کہہ دینا چاہئے تھا ھذا افك مبین۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے، بہتان (Blame) ہے۔ کسی پر لگائے گئے الزام کی بلا تحقیق تشہیر کرنا، اس کے لئے جدید ذرائع کا استعمال کرنا برائیوں کی جڑ ہے اور سب سے بڑا گناہ ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن جلد ۳، صفحہ ۲۹۹) حدیث پاک میں ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کسی بات کو دوسروں تک بلا تحقیق پہنچانا انسان کے جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔ افسوس آج کم علم لوگ اپنے کو عالم اور علامہ سے کم نہیں سمجھتے اور علم و حقیقت سے دوری کی وجہ سے حالات مزید ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔ حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے۔ ان سے سوالات کئے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے

جواب دیں گے۔اس لئے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔(صحیح بخاری ،اس بیان میں کہ علم کس طرح اٹھالیا جائے گا،حدیث نمبر ۱۰۰) قرآن مجید میں بہت جگہ ان بری باتوں کی طرف توجہ دلائی اور تربیت دی گئی ہے اور احادیث میں بھی اس کی برائیاں اور مذمت وارد ہیں۔عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے (بارہ) نقیبوں میں تھے،فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت جب آپ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی فرمایا: مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور عمداً کسی پر ناحق بہتان نہ باندھو گے اور کسی بھی اچھی بات میں (اللہ کی) نافرمانی نہ کرو گے۔جو کوئی تم میں ان (بری باتوں) میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اسے دنیا میں (اسلامی قانون کے تحت) سزا دی گئی تو یہ سزا اس کے (گناہوں کے) لئے بدلا ہو جائے گی اور جو ان میں کسی بات میں مبتلا ہو گیا اور اللہ نے اس کے گناہ کو چھپا لیا تو پھر اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔اگر چاہے معاف کرے اور اگر چاہے سزا دے۔(عبادہ کہتے ہیں کہ) پھر ہم سب نے ان (سب باتوں) پر آپ ﷺ سے بیعت کر لی۔(صحیح بخاری شریف،حدیث نمبر ۱۸)

دوسری حدیث پاک: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک جماعت کے ساتھ بیعت کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم نے اللہ کے ساتھ بیعت کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، اسراف نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے اور من گھڑت (بہتان) کسی پر نہیں لگاؤ گے اور نیک کاموں میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔پس تم میں سے جو کوئی اس عہد کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جس نے لغزش کی اور اسے دنیا میں ہی پکڑ لیا گیا تو یہ حد اس کے لئے کفارہ بن جائے گی۔اللہ نے پردہ پوشی کی تو پھر اللہ پر ہے جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے اس کا گناہ بخش دے۔(صحیح بخاری، باب مشیت اور ارادہ خداوندی کا بیان، حدیث نمبر ۷۴۶۸)

غیبت اور بہتان کیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کے اس عیب کا ذکر کرے کہ جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ کا کیا خیال ہے کہ اگر واقعی وہ عیب میرے بھائی میں ہو جو میں کہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ عیب اس میں ہے جو تم کہتے ہو تبھی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں عیب نہ ہو پھر تو تم نے اس پر بہتان (Blame) لگایا ہے۔ (صحیح مسلم، باب غیبت کی حرمت کے بیان میں، حدیث نمبر ۶۴۸۸) حقیقت تو یہ ہے جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو بدنام و رسوا کرتا ہے وہ در حقیقت اپنے آپ ہی کو رسوا کرتا ہے۔ ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان پر بہتان، الزام تراشی کرتا ہے، ایذا پہنچاتا ہے۔ سچائی کے اعتبار سے وہ خود کو عیب دار کرتا ہے اور خود نقصان اٹھاتا ہے کیونکہ اس کے قدم سے پوری قوم کی رسوائی ہوتی ہے۔

افسوس آج علما میں بہت گروہ بندی ہو گئی ہے۔ ذرا سی بات پر اختلاف عادت بن گئی ہے اور اختلاف سے آگے بڑھ کر انا کا مسئلہ بنانا اہلِ علم کا شیوہ نہیں۔ حالانکہ اختلافِ رائے بری چیز نہیں۔ ائمہ کرام میں بھی علمی اختلافات موجود رہے ہیں۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد گرامی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کئی مسائل میں اختلاف فرماتے ہیں اور وہ صرف علمی بنیاد پر۔ آج بھی اختلاف علمی بنیاد پر رہے گا۔ لیکن اختلافات کو نجی زندگی تک لے آنا بہت بری اور معیوب بات ہے۔ خانقاہیں پہلے بھی تھیں آج بھی ہیں۔ اب دیکھئے اپنے مریدوں کو کیسے صرف اور صرف ہم ہی صحیح اور قابلِ عزت و احترام ہیں، تربیت دی جا رہی ہے۔ دوسرے بزرگانِ دین، دوسرے پیرانِ کرام، دوسرے علما حضرات کے عزت و احترام کو بالائے طاق رکھا جا رہا ہے۔ عوام میں اس کا بہت خراب پیغام (Message) جا رہا ہے، خراب اثر ہو رہا ہے۔ بہت سے واقعات درج کئے جا سکتے ہیں لیکن اس مقالہ میں اس کی گنجائش نہیں۔

خواص کا بگاڑ ہلاکت کا باعث ہے

مثل مشہور ہے ''مچھلی ہمیشہ سر کی جانب سے سڑتی ہے'' یہی معاملہ قومی اور اجتماعی زندگی میں بگاڑ اور فساد کا سبب بھی ہے۔ پہلے فساد اور بگاڑ سر کی جانب سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی برائی اور خرابی سب سے پہلے قوم کے خواص میں پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ دھیرے دھیرے پوری قوم میں سرایت کر جاتی ہے اور سب کو ہلاک کر دیتی ہے۔ ایک انتہائی عبرتناک واقعہ۔ ایک متقی پرہیزگار عالمِ دین نے بتایا۔ کولکاتا کے ایک مالدار شخص نے ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی اور مسجد میں امامت کے فرائض کے لئے ایک متقی و پرہیزگار عالم کو منتخب کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ان کے پاس امامت کے لئے علما کا تانتا لگ گیا اور بجائے اپنی اپنی خوبیاں و علمی صلاحیت بتانے کے، لگے اس منتخب امام کی برائی کرنے اور انتہائی غلیظ الزامات تک لگانے لگے۔ انہیں بہت افسوس ہوا اور کہنے لگے مجھے اگر معلوم ہوتا کہ علما اس طرح الزام تراشی کریں گے تو میں مسجد تعمیر نہ کراتا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ دوسرے مسلک کے لوگ بھی میرے پاس کئی کئی بار آئے۔ ان کی چاہت صرف یہ تھی کہ میرے عقیدے کا آدمی امام رکھ لیا جائے لیکن انہوں نے اپنے ملتے جلتے عقیدہ والوں کی برائی نہیں کی۔ جو بھی عالمِ دین کو انہوں نے امامت کے لئے منتخب کیا، ان سے بھی انہوں نے اپنی ذہنی کوفت کا اظہار کیا۔ یہ ہے معاملہ آج علما کے حسد و جلن کا۔

حسد حرام و گناہ ہے

حسد انتہائی قبیح بیماری اور گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (ترجمہ القرآن سورہ نساء، آیت ۳۰، ۳۱) اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔ اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لئے اس میں حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے اس

کا فضل مانگا کرو۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (کنزالایمان)

ایک دلچسپ وعبرتناک حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ امام قرطبی علیہ الرحمہ عالمِ اسلام کے مشہور صوفی بزرگ عالمِ دین گزرے ہیں۔ اپنی تفسیر احکام القرآن میں کوڈ کیا ہے۔ اس کو علامہ آلوسی بغدادی علیہ الرحمہ نے بھی تفسیر روح المعانی میں درج فرمایا ہے۔ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ شیطان لعین چار گدھوں پر سامانِ تجارت لادے ہوئے چلا جا رہا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا: او مردود، کیا ساز وسامان لادے چلا جارہا ہے۔ شیطان نے کہا، اے نبی اللہ! یہ میرا مالِ تجارت ہے۔ آپ نے پوچھا کس طرح کا مال تجارت ہے۔ شیطان نے جواب دیا ایک گدھے پر ظلم ہے دوسرے گدھے پر خیانت ہے تیسرے پر مکر وفریب ہے اور چوتھے پر حسد وجلن ہے۔ پیغمبرِ خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ اس مال کا خریدار کون ہے؟ شیطان نے جواب دیا۔ ظلم حکمرانوں اور بادشاہوں کے کام کی چیز ہے وہ اس کو خریدتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ خیانت (بے ایمانی) تاجروں کی چیز ہے وہ اس کو خریدتے ہیں۔ مکر وفریب عورتوں کا پسندیدہ مال ہے۔ حسد وجلن کی بڑی مانگ ہے علما وفضلا کے یہاں۔ اس کی بہت مانگ ہے اور اسی مال کو ہم زیادہ فروخت کرتے ہیں۔ اے نبی اللہ میرے تمام مال کے گاہک موجود ہیں۔

(سہ ماہی تزکیہ نفوس، اعظم گڑھ، اپریل تا جون ۲۰۰۸)

احادیث کے ذخائر میں سے چند احادیث اور پڑھیں اور عبرت حاصل کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: بدگمانی سے بچتے رہو، بدگمانی اکثر تحقیق کے بعد جھوٹی ثابت ہوتی ہے اور کسی کے عیوب ڈھونڈنے کے پیچھے نہ پڑو، کسی کا عیب خواہ مخواہ مت ٹٹولو اور کسی کے بھاؤ نہ بڑھاؤ اور حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر ۶۰۶۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا آقائے دو عالم ﷺ نے۔ آپس میں بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو بلکہ اللہ کے بندوں سے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ ایک بھائی کسی بھائی سے تین

دن سے زیادہ سلام وکلام چھوڑ کر رہے۔(صحیح بخاری، باب حسد اور پیٹھ پیچھے برائی کے بیان میں۔حدیث نمبر ٦٠٦٥)۔علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا ایک باغ ہے جسے پانچ چیزوں سے سجایا گیا ہے۔عالموں کے علم سے، حاکموں کے انصاف سے، عبادت گزار کی عبادت سے، تاجروں کی امانت سے اور اہلِ پیشہ کی نصیحت سے۔تو ابلیس نے پانچ قسم کا جھنڈا لاکر ان چیزوں کے بغل میں گاڑ دیا۔علم کے پہلو میں حسد کا جھنڈا، انصاف کے بازو میں ظلم کا جھنڈا، عبادت کے بغل میں ریا کاری کا جھنڈا، امانت کے پہلو میں خیانت کا جھنڈا اور اہلِ پیشہ کے بازو میں کھوٹ کا جھنڈا۔(تفسیر کبیر، جلد اول، صفحہ ٢٧٦)۔علم کے بغل میں حسد کا جھنڈا ابلیس کے گاڑنے کا ہی اثر ہے کہ عالموں میں حسد بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ استاد شاگرد سے اور شاگرد استاد سے حسد کرنے لگتا ہے۔ بلکہ بعض عالم جو اپنے قول وفعل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہم تقویٰ کی سب سے بلند چوٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی ابلیس کے حسدی جھنڈا کے نیچے آکر بری طرح حسد کرنے لگتے ہیں اور دین متین کی صحیح خدمت کرنے والے عالموں کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتے ہیں۔

معاشرے میں کسی برائی کے عام ہونے اور پھیل جانے سے اس کی سنگینی کم نہیں ہوجاتی ہے بلکہ اس کے بارے میں لوگوں کو فکر مندی، خاص کر علماء کی فکر مندی بڑھنی چاہئے اور اصلاح حال کے لئے دوڑ دھوپ کرنی چاہئے۔موجودہ حالات افسوس ناک ہیں۔ بہتان اور الزام تراشی کے روگ میں پھنس گئے ہیں۔کوئی بےچینی نظر نہیں آتی بلکہ اسے ایک طرح قبول کرلیا گیا ہے۔ یہ تو انتہائی فکر مندی کی بات ہے کہ مرض سے زیادہ خطرناک یہ ہے کہ مریض اپنے کو تندرست سمجھنے لگے اور علاج کی فکر ہی چھوڑ دے۔علمائے کرام، پیران عظام، امت کی رہبری وامامت کا فریضہ انجام دینے کے لیے آئے ہیں اس کو انجام دیں اور حضور نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پاک کو پیش نظر رکھیں: كُلُّكُم رَاعٍ وكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَ الْإِمَامِ رَاعٍ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (مشکوٰۃ شریف)(ترجمہ) تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہوگا اور امام بھی ذمہ دار ہے اس سے مواخذہ ہوگا۔اس لیے امام، علمائے کرام، پیران عظام کو اپنی ذمہ داری کے سلسلے میں

ہمیشہ فکر مند رہنا چاہیے ورنہ اللہ کے حضور ان کی سخت گرفت ہوگی۔آج امت مسلمہ تاریخ کی انتہائی نازک موڑ سے گزر رہی ہے، چاروں طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر یلغار ہے اور ہم ہیں کہ آپس ہی میں دست و گریباں ہیں، دینی اختلاف کو انا (Ego) کا مسئلہ بنا کر طرح طرح کی الزام تراشی ، بہتان بازی کو محبوب مشغلہ بنائے ہوئے ہیں۔استغفر اللہ! اللہ رحم فرمائے۔جس کے دل میں اللہ کا خوف اور آخرت میں باز پرس کا ڈر ہو، الزام تراشی، بہتان بازی جو اللہ و رسول کے نزدیک سخت ناپسندیدہ اور سنگین گناہ ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرے۔

قدرتیں پھر ساتھ ہوں، فطرتیں پھر آزاد ہوں☆بات بس اتنی سی ہے، مسلم تو بن جائے کوئی

اللہ سے دعا ہے اللہ ہم سب کو شیطان کے حسدی جھنڈے سے بچنے کی توفیقِ رفیق بخشے۔آمین، ثم آمین!

●●●

حسن نیت کے ساتھ عمل کریں، فائدہ ہی فائدہ

مولائے رحیم وکریم علیم بذات الصدور ہے۔ اللہ رب العزت دلوں کی بات ہی نہیں بلکہ وہ دل کی ہر دھڑکن کو جانتا ہے۔ وہ جاننے کے ساتھ ساتھ حساب بھی لے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ۔ (سورۃ البقرۃ: آیت ۲۸۴)

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ (کنز الایمان)

نیت کہتے ہیں دل کے پکے ارادے کو۔ جو بھی کام ہم کریں گے اس میں نیت کی اچھائی و برائی دیکھی جائے گی اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں نیت کے اعتبار سے ہی سزا و جزا کا فیصلہ ہوگا۔ ہمارا کوئی بھی عمل نیت کے بغیر قابل اعتبار نہیں۔ ہمارے سارے اعمال کا دارو مدار ہماری نیت ہے۔ خالص اللہ ورسول کی رضا جوئی کی نیت سے کام کرنا ہی فلاح کا ضامن ہے۔ بخاری شریف کی پہلی حدیث پاک ہمیں اخلاصِ نیت کی تعلیم دیتی ہے۔ اللہ رب العزت نے بخاری شریف کو وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ آج بارہ سو سال گزرنے کے باوجود یہ کتاب سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ حضرت امام بخاری کا اخلاص و نیک نیتی ہے۔ امام بخاری فقہ و حدیث میں مجتہدانہ شان کے حامل ہیں۔ انہوں نے ایک ایک حدیث کو درج کرنے سے پہلے طہارت، نظافت اور پاکیزگی کے انتہائی اہتمام کے ساتھ نماز و دعا کا اہتمام فرمایا اور سولہ سال کی گراں قدر محنت و مشقت کے بعد امت کو یہ عظیم ذخیرۂ حدیث

عطا فرمایا، جس میں حضور سید عالم ﷺ کی پوری حیات طیبہ کو دین اسلام اور اسلام کے ہر ہر جز کو امت کے سامنے پیش کر دیا تا کہ آپ کی مکمل حیات ہمارے سامنے آجائے۔ بخاری شریف کی پہلی حدیث نیت کے بارے میں ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ۔۔۔۔۔الخ

ترجمہ: بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور بے شک ہر انسان کے لیے وہی ہے جو وہ نیت کرے تو جس کی ہجرت اللہ و رسول کے لیے ہے تو اللہ و رسول کے لیے ہجرت کا ثواب اسے ملے گا اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہے تو اس کی ہجرت کا اجر و ثواب اسے وہی ملے گا جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔

(صحیح بخاری: باب الایمان، حدیث نمبر ۱)

اگر ہم غور و فکر سے کام لیں تو صرف یہی ایک حدیث ہماری نیتوں کی درستگی اور اعمال کی پاکیزگی کے لیے کافی ہے۔ بڑے واضح اور جامع انداز میں نبی رحمت ﷺ نے ہمارے عمل و کردار کا رخ متعین فرما دیا ہے کہ ہمارے سارے اعمال و افعال نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتے۔ جیسی نیت ویسی برکت۔ آقائے دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ بہت سے نیک اعمال کو انجام دیتا ہے، فرشتے اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اعمال کو اس کے نامۂ اعمال سے نکال دو کیوں کہ اس نے یہ کام میری خوشنودی کے لیے نہیں کیے ہیں اور ہاں، فلاں فلاں اعمال اس کے نامۂ اعمال میں درج کر دو۔ فرشتے عرض کریں گے: الٰہ العالمین! اس بندے نے تو یہ کام کیے نہیں ہیں تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اس نے دل میں ان کاموں کی نیت کی تھی۔

حدیث پاک میں ہے: نیۃ المؤمن خیر من عملہ۔

(المعجم الکبیر لطبرانی: جلد ۷، ص ۱۸۵، حدیث نمبر ۵۹۴۲)

ترجمہ: مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

عمل و کردار میں دکھاوا، اہلِ دنیا کی خوشنودی شامل ہو سکتی ہے مگر نیت میں ریا (دکھاوا)

کا دخل نہ ہوگا۔ ہمارے کام کو اہل دنیا دیکھ سکتے ہیں مگر ہماری نیت کو مولائے علیم وخبیر دیکھتا ہے لہٰذا ہمارے کام اور ہماری نیت کی جزا وسزا بھی رب تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔ حدیث پاک کی روشنی میں ایک دلچسپ وسبق آموز واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یوم قیامت بارگاہِ الٰہی میں ایک بندہ پیش ہوگا جس کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا، جس میں حج، عمرہ، جہاد، زکوٰۃ، صدقہ لکھا دیکھے گا۔ بندہ دل میں کہے گا کہ میں نے اس میں کچھ بھی نہیں کیا، یہ میرا نامہ اعمال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا یہ تمہارا ہی نامہ اعمال ہے۔ تم اپنی زندگی میں یہ کہتے تھے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو حج وعمرہ کرتا، صدقہ وخیرات کرتا، جہاد کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم اپنی اس نیت میں سچے ہو تو میں نے تم کو ان سب چیزوں کا ثواب عطا فرما دیا۔ اور ایک ایسا بندہ بھی پیش کیا جائے گا جس کے ساتھ پہاڑوں جیسی نیکیاں ہوں گی۔ منادی آواز دے گا جس کسی کا اس پر حق ہو وہ بدلے میں اس کی نیکیاں لے لے۔ سن کر سارے لوگ آئیں گے اور اس کی نیکیاں لے جائیں گے۔ یہاں تک کہ نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ وہ حیران وششدر رہ جائے گا۔ اس وقت رب کریم ارشاد فرمائے گا: تیرا ایک خزانہ میرے پاس ہے، جس کی خبر نہ میرے فرشتوں کو نہ کسی مخلوق کو ہے۔ بندہ عرض کرے گا بارِالٰہ وہ کیا ہے؟ رب تعالیٰ فرمائے گا وہ تیری نیک نیتی ہے جسے تو نے دنیا میں کیا تھا۔ میں نے اسے ستر گنا کر کے لکھ دیا ہے جو تیری نجات کے لیے کافی ہے۔''

دیکھا آپ نے، مومن کی نیت نے مومن کو کیسے بچایا۔؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ مومن کے عمل سے بہتر مومن کی نیت ہے۔ اعمال صالحہ رکھتے ہوئے بھی حقوق العباد کی عدم ادائیگی کی وجہ سے سارے اعمال تقسیم کر دیے گئے۔ اگر بچایا تو نیت خالص نے بچایا۔ پہلے واقعے میں تو عمل کا کوٹہ بھی نہیں ہے، نہ حج وعمرہ، نہ جہاد وزکوٰۃ مگر صرف نیت کی برکت نے سارے اعمال دفتر میں درج کرا دیے۔

چار قسم کے لوگ:

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو مال رکھتا ہے

اور علم کے مطابق مال کو خرچ کرتا ہے۔ دوسرا نیت و تمنا رکھتا ہے کہ اگر یہ مال میرے پاس ہوتا تو میں اس کو راہِ خدا میں خرچ کرتا۔ تو ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔ تیسرا وہ کہ مال کو بے جا و ناروا خرچ کرتا ہے اور چوتھا وہ جو یہ کہے یا آرزو رکھے کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا۔ تو ان دونوں کا گناہ یکساں و برابر ہے۔ معلوم ہوا کہ نیت اس عمل کا حکم رکھتی ہے جو نیت کے مطابق ہو۔

کیمیائے سعادت میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصہ درج فرمایا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کا ایک آدمی ریت کے ڈھیر کے قریب سے گزرا۔ قحط کا زمانہ تھا۔ اس نے کہا کہ اگر اس ٹیلے (ڈھیر) کے برابر میرے پاس گیہوں ہوتے تو میں فقیروں اور مساکین میں بانٹ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی پر وحی نازل فرمائی اور حکمِ الٰہی ہوا۔ اے میرے نبی! اس شخص سے کہہ دو، وہ صدقہ خدائے پاک نے قبول کرلیا ہے اور جس ڈھیر کے برابر گیہوں ہوتے اتنا ثواب تجھے عطا کیا گیا ہے۔ اور اگر تو نے صدقہ دینے کا عمل کیا ہوتا تو اتنا ہی ثواب تجھے ملتا۔

غزوۂ تبوک میں عدم شرکت مگر ثواب شرکت کا:

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ سید عالم ﷺ غزوہ تبوک کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لائے تو ارشاد فرمایا کہ مدینے میں بہت سے لوگ رہ گئے ہیں مگر وہ ہمارے رنج و دکھ جو بھوک اور سفر سے ہم اٹھا رہے ہیں، اس میں وہ بھی شریک ہیں۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ایسا کیوں ہے حالانکہ وہ ہم سے دور ہیں۔؟ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ عذر کی وجہ سے ہمارے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہو سکے ہیں لیکن ان کی نیت ہماری نیت کی طرح ہے۔

ایمان کو مضبوط اور نیت کو اچھی بنانے کے لیے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

عمل نیت سے ہی صحیح ہوتے ہیں (یا نیت ہی کے مطابق ان کا بدلہ ملتا ہے) اور ہر آدمی

کو وہی ملے گا جو نیت کرے گا۔ پس جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے ہجرت کرے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی۔ اور جو کوئی دنیا کمانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت ان ہی کاموں کے لیے ہوگی۔

(بخاری: کتاب الایمان کے بیان میں، حدیث نمبر ۵۴)

نیکی کمانے کا آسان نسخہ۔ نیت اچھی رکھیں:

صالحین کرام وعلما فرماتے ہیں کہ پہلے عمل کی نیت سیکھو، اس کے بعد عمل کرو۔ ایک شخص لوگوں سے سوال کرتا پھرتا تھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل سکھاؤ کہ رات دن اسی میں مصروف عمل رہوں اور کبھی نیکی وثواب سے محروم نہ رہوں تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ ہمیشہ نیکی کی نیت رکھا کرو اور اسی نیک نیتی کے ساتھ عمل میں مصروف رہو، رات ودن نیکی وثواب کی دولت ملتی رہے گی۔

حضرت سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو چند روز کی محنت سے جنت نہیں ملے گی بلکہ اچھی نیت سے جنت حاصل ہوگی جس کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔

مخدوم جہاں شیخ احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''میرے بھائی شمس الدین! لکھنے والے کی طرف سے سلام ودعا کے بعد مطالعہ کرو کہ ہر شخص کو اس کی نیت کے ترازو میں تولا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے جان لو کہ نیت کا سرچشمہ اخلاص کے دریا سے ہے اور اسی سرزمین (اخلاص) میں اس کی پیدائش ہے۔ اسی لیے اس حدیث کی جبروتیت ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَایَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّاتِکُمْ (مسلم) ترجمہ: اللہ تمہاری صورتوں اور کاموں کو نہیں دیکھتا مگر تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ اور اس حدیث کی ہیبت وسیاست نے جگر کو کباب کر دیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: وَیُحْشَرُ والنَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی نِیَّاتِہِمْ۔ ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں کا حشر ان کی نیتوں پر ہوگا۔ صدیقوں کے خون کو پانی کر دیا ہے، ہم کو تم کو خبر نہیں۔ کل قیامت کے

دن جہان والے اس قدر چیخ ماریں گے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی۔ فرادت کند خمار کا شب مستی۔ (یعنی آج رات میں تو شراب کی مستی ہے۔ کل خمار ٹوٹے گا تو معلوم ہو جائے گا) جب سامنے سے پردہ ہٹ جائے گا تو ظاہر ہو جائے گا، کسی نے کیا رکھا ہے۔ شرک یا توحید، کفر یا اسلام۔ جب یہ بات مسلم ہوگئی کہ افعال و اعمال کی قدر نیت کے اعتبار سے ہوتی ہے اور نیت علم نہایت پاکیزہ و پر لطف ہے تو بقدر وسعت ہوشیار اور بیدار ہونا چاہیے اور تصحیح نیت میں پوری کوشش کرنی چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ بات حاصل ہو جائے گی۔"

(مکتوبات صدی: مکتوب نمبر ۱۳، بیان نیت، جلد ۲، صفحہ ۲۳۰۔۲۳۱، مطبوعہ جسیم بکڈ پو، دہلی)

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں نیت کا بیان صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اس مقالے میں سب لکھنا ممکن نہیں۔ بزرگانِ دین کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں اور پڑھ کر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اقوالِ بزرگانِ دین:

(۱) حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ نے کہا: اے بیٹے! علم حاصل نہ کر جب تک تو اس پر عمل کرنے کی نیت نہ کر لے ورنہ قیامت کے دن وہ علم تیرے لیے وبال ہوگا۔

(۲) حضرت ابو عبداللہ انطاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یومِ قیامت اللہ تعالیٰ ریا کار کو کہے گا کہ جا اپنے عمل کا ثواب ان لوگوں سے لے جن کو تو دکھانے کے لیے عمل کرتا تھا۔

(۳) حضرت سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر نیک نیت کیا کرو کیوں کہ ریا، نیت میں داخل نہیں ہوتی۔

(۴) حضرت سیدنا داؤد طالسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم جب کوئی کتاب لکھے تو اسے مناسب ہے کہ اس سے نصرت دین کا قصد کرے نہ کہ حسن تالیف کے سبب اپنے ہم

عصروں میں تعریف کا طالب ہو۔

(۵) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیت کے معاملے میں دل پر اس لیے نظر فرماتا ہے کیوں کہ دل ہی نیت کا مقام ہے اس لیے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاموں کا ثواب اور عمل کا دارومدار نیت سے ہے، فرمایا۔ ہر شخص کو عمل وعبادت کا ثواب اتنا ہی ملے گا جیسی اس کی نیت ہوگی۔ (کیمیائے سعادت۔کشف القلوب: جلد ۴، صفحہ ۱۴)

اب اگر کسی کام میں ہماری نیت اہلِ دنیا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تو پھر اسے ریاکاری میں شمار کیا جائے گا۔ بندوں کو اگر چہ اس قبیح نیت کی خبر نہیں مگر جو علیم بذات الصدور ہے (اللہ دلوں کی بات جانتا ہے) وہ دل کی ہر دھڑکن کو جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۲۵)

ترجمہ: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے تمہارا رب خوب جانتا ہے اگر تم نیک ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

توریت شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جس عمل کو میں منظور کرلوں وہ اگر تھوڑا ہو، بہت ہے اور جسے میں رد کردوں وہ اگر چہ کثیر ہو مگر وہ بہت ہی کم یعنی اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ (تنبیہ المفترین، کشف القلوب: جلد ۴، صفحہ ۲۰)

اللہ پاک ہمارے اندر کے حال اور ہمارے کاموں کے پیچھے چھپے مقصد کو جانتا ہے چاہے کسی بھی ظاہر بھی نہ کریں، فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۔

ترجمہ: اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۸۳)

اللہ سے دعا ہے کہ عبادت و معاملات میں ہمیں نیک نیتی کی دولت سے نوازے۔ آمین، ثم آمین۔

●●●

لڑنے والوں میں صلح کرانا ثواب کا کام ہے

آج کل ذرا ذرا سی بات پر لڑائی جھگڑا عام ہو گیا ہے۔نفسا نفسی کا عالم ہے۔اب تو حال یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ معمولی معمولی سی بات پر قتل کر دینا بھی عام ہو گیا ہے۔چھوٹی سی بات پر باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو، بھائی بھائی کو اور بھائی بہن کو،شوہر بیوی کو،قریبی رشتے دار اپنے کسی قریبی رشتے دار کو اور دوست، دوست کو مار ڈالنے کو تیار ہو جاتا ہے۔انسان کی جان مچھر اور مکھی سے بھی کمتر ہو گئی ہے۔آئے دن قتل کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔بوریوں اور سوٹ کیسوں میں بھری لاشیں مل رہی ہیں۔روزانہ درجنوں جھگڑے اور قتل کے واقعات معمول کی بات ہو گئی ہے۔کسی کو احساس زیاں (نقصان،خسارہ) تک نہیں ہو رہا ہے۔قاتل ناحق کے دل میں انسانیت کے درد کی رمق تک باقی نہیں رہی ہے۔اس کا دل محبت،ہم دردی، انکساری اور انسان دوستی سے خالی ہو چکا ہے۔انسان انسان کے خون کا پیاسا بن چکا ہے۔آج کا انسان شاید اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وہ احکامات نہیں پڑھا ہے جو بے وجہ لڑائی جھگڑے اور قتل ناحق کی وعید میں نازل ہوئے ہیں۔اللہ رب العزت نے قتل ناحق کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید میں سخت وعید نازل فرمائی ہے:

ترجمہ:اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔(سورۂ نساء: آیت ۹۳، کنز الایمان)

تشدد کا بڑھتا رجحان صلح سے دوری لمحہ فکریہ

ہمارے معاشرے میں ہی کیا پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں تشدد کا بڑھتا رجحان

انتہائی تشویش کا باعث ہے۔اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو صلح کرانے کا حکم دیا اور صلح کرنے کرانے والوں کو پسند فرمانے کی خوش خبری بھی سنائی:

ترجمہ: اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ رجوع کر لے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔(سورۃ الحجرات: آیت ۹، کنزالایمان)

صلح کرانا اللہ کو پسند ہے۔حدیثوں میں بھی اس کی فضیلت آئی ہے۔مذکورہ آیت کا شان نزول حدیث پاک میں اس طرح سے ہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا: اگر آپ ابن ابیٔ (منافق) کے یہاں چلتے تو بہتر تھا۔آپ ﷺ اس کے یہاں ایک سواری پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پیدل آپ کے ہمراہ تھے۔جدھر سے آپ ﷺ گزر رہے تھے وہ شور (ریگستان) زمین تھی۔جب نبی کریم ﷺ اس کے یہاں پہنچے تو وہ کہنے لگا: ذرا آپ دور ہی رہیے، آپ کے گدھے کی بو نے میرا دماغ پریشان کر دیا ہے۔اس پر ایک صحابی بولے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی سواری تجھ سے زیادہ خوشبودار ہے۔عبداللہ (منافق) کی طرف سے اس کی قوم کا ایک شخص اس صحابی کی اس بات پر غصہ ہو گیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔پھر دونوں کے حمایتی مشتعل ہو گئے اور ہاتھا پائی، چھڑی اور جوتے تک نوبت پہنچ گئی۔ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَہُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىہُمَا..الخ (سورۃ الحجرات: آیت نمبر ۹) ''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو''۔اسی موقع پر نازل ہوئی۔(بخاری: باب رلوگوں میں صلح کرانے کا ثواب، حدیث ۲۶۹۱)

صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا گناہ نہیں

صلح کرانے میں جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ام کلثوم بنت عقبہ سے روایت ہے نبی کریم

ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا:

جھوٹا وہ نہیں ہے جو لوگوں میں باہم صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے کسی اچھی بات کی چغلی کھائے یا اسی سلسلے کی اور کوئی اچھی بات کہہ دے۔ (بخاری: حدیث ۲۶۹۲)

سہل بن اسعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

قبا کے لوگوں نے آپس میں جھگڑا کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دوسرے پر پتھر پھینکے۔ آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''چلو ہم ان میں صلح کرائیں گے'' (بخاری: باب رحاکم لوگوں سے کہے ہم کو لے چلو ہم صلح کرادیں، حدیث ۲۶)

صلح حدیبیہ جس کو قرآن نے فتح مبین فرمایا:

ماہ ذیقعدہ ۶ ہجری میں حضور ﷺ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مدینہ سے مکہ تشریف لے جانے کے لیے سفر میں نکلے۔ مشرکین مکہ نے مسجد الحرام کی زیارت سے روک دیا۔ آپ ﷺ نے مشرکین مکہ اور قریش سے حدیبیہ کے مقام پر صلح فرمائی۔ اس کی دستاویز (AGREEMENT) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھی تھی۔ لکھتے وقت آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو مشرکین مکہ وقریش کے نمائندہ نے اسے قبول نہیں کیا اور کہا کہ زمانہ جاہلیت کے طریقے کے مطابق باسمك اللھم لکھنا پڑے گا۔ آپ ﷺ نے اسے قبول کرلیا۔ جب آپ کا اسم گرامی محمد الرسول اللہ لکھا گیا تو مشرکین مکہ نے اس پر اعتراض کیا کہ لفظ محمد کے ساتھ رسول اللہ۔ نہ لکھو کیوں کہ آپ رسول ہوتے تو ہم آپ سے لڑتے ہی کیوں؟ قریش ضد پر اڑ گئے۔ آپ ﷺ صلح کرنے کے لیے اس پر بھی راضی ہو گئے چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ۔ کا لفظ مٹادو۔ حضرت علی نے کہا میں تو اسے نہیں مٹا سکتا تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹادیا اور مشرکین کے ساتھ اس شرط پر صلح کی کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ (آئندہ سال) تین دن کے لیے مکہ آئیں گے اور ہتھیار میان میں رکھ کر داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہو سکا اور انھوں نے جوش جذبات میں کچھ ایسے الفاظ فرمائے کہ ہمیشہ (اس پر) شرمندہ رہتے۔ تمام صحابہ انتہائی

جذبات میں احرام کھول کر ایک دوسرے کے سر مونڈ ھنے لگے اور ایسا کر رہے تھے کہ جیسے ایک دوسرے کی گردن کاٹ دیں گے لیکن اللہ رب العزت نے اس صلح کو جو بظاہر ذلت آمیز تھی، فتح مبین قرار دیا، فرمایا:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۔ الخ

ترجمہ: بے شک (اے نبی) ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی۔ (بخاری و مسلم: حدیث نمبر ۲۶۹۸، ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۲۷۰۱، ۲۶۹۳۔ راوی محمد بن بشار، شعبد، ابواسحاق، برا بن عاذب رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین وغیرہ وغیرہ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم بیت الرضوان کے واقعہ کو فتح مانتے ہیں۔ ہم چودہ ۱۴۰۰ سو آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس موقع پر تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایک درخت کے نیچے صحابہ کرام نے آقا ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اسی مقام پر صلح حدیبیہ ہوئی۔ (بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے واپسی سفر میں آپ ﷺ نے فرمایا: گزشتہ شب میں مجھ پر ایک سورت اتری جو مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ پھر آپ نے (اِنَّا فَتَحۡنَا) کی تلاوت کی۔ (بخاری، ترمذی، نسائی، مسند احمد)

صلح حدیبیہ سے بہت برکت حاصل ہوئی، لوگوں میں امن و امان قائم ہوا، مسلمان کافروں میں بول چال شروع ہوگئی۔ علم وایمان کی روشنی تیزی سے پھیلنی شروع ہوگئی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ درگذر کرنے سے عزت بڑھتی ہے اور عاجزی وانکساری کرنے سے بلندی اور عالی رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ (حدیث)

صلح کی اہمیت وفوائد

خانگی زندگی ہو یا معاشرتی، کبھی ایسے حالات آجاتے ہیں کہ لوگوں میں جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے۔ خدنخواستہ گھریلو زندگی میں اگر ایسی نوبت آجائے تو اللہ رب العزت فرمارہا ہے کہ ثالث مقرر کر کے صلح کرلو۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَماً مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَماً مِّنْ اَهْلِهَا۔۔
۔الخ (سورۂ نساء: آیت ۳۵)

ترجمہ: اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان مخالفت (ان بن) کا اندیشہ ہو تو تم ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کرلو۔ اگر وہ دونوں (منصف) صلح کرانے کا ارادہ رکھیں تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا اور خبردار ہے۔(کنزالایمان)

میاں بیوی کے درمیان اگر رنجش اور بگاڑ ہو تو علمائے کرام شارع علیہ السلام کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ایمان دار اور سمجھ دار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم وزیادتی کس طرف سے ہے۔ تو ظالم کو ظلم سے روکے، سمجھائے۔ اس سے بات نہ بنے تو مرد والوں وعورت والوں کی طرف سے ایک بہتر دین دار شخص کو منصف مقرر کردیں۔ شارع علیہ السلام نے اس بات کی طرف شوق دلایا ہے کہ جہاں تک ہوسکے، کوشش کریں کہ کوئی شکل نبھاہ کی نکل آئے۔ اگر شوہر کی غلطی ہے تو عورت کو اس سے روک لے اور اس کا خرچ دلائے اور سمجھائے اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہو تو عورت کو الگ کریں (مرد اس کا خرچ بند کردے) لوگ اس کو سمجھائیں، اس کو مجبور کریں کہ اپنی عادت ٹھیک کرے اور شوہر کو بھی سمجھائیں کہ ہنسی خوشی رہے۔

صلح کرنے کرانے کی فضیلت قرآن پاک میں متعدد جگہ آئی ہے۔ رسول پاک ﷺ کی سنت بھی ہے۔ خود آپ ﷺ کی زندگی میں ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے درمیان کوئی بات ہوگئی تو آپ نے پوچھا: کیا تم عمر کو حکم بناؤ گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے عرض کیا: نہیں، کیوں کہ وہ سخت مزاج ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تمھارے والد میرے اور تمھارے بیچ فیصلہ کریں؟ حضرت عائشہ نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم بات کروگی یا میں بات کروں؟ اُم المومنین نے عرض کیا: آپ ہی بات کریں لیکن صحیح صحیح بولیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر سخت غصہ ہوگئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کو ایک طمانچہ مار دیا۔ حضرت عائشہ بھاگیں اور آپ

ﷺ کی پیٹھ کے پیچھے چھپنے لگیں۔حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے آپ کو اس لیے نہیں بلایا تھا۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت عائشہ کو قریب بلایا مگر انھوں نے آنے سے انکار کر دیا۔آپ مسکرائے اور فرمایا: ابھی کچھ دیر پہلے تو تم میری پیٹھ سے چمٹے جا رہی تھیں۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور دونوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا: آپ دونوں نے اپنے اختلاف میں ہمیں شریک کیا تھا تو اپنی صلح میں بھی ہمیں شریک کر لیں۔(ابوداؤد: حدیث نمبر ۴۹۹۹)

مسلمان آپس میں بھائی ہیں

اللہ رب العزت ارشاد فرما رہا ہے:

ترجمہ: (یاد رکھو) سب اہل ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔سو تم اپنے دونوں بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔(سورۃ الحجرات: آیت ۱۰)

آج احکام اِلٰہی کی پابندی سے دوری ہی ہماری لڑائی اور جھگڑے کی وجہ ہے اور ہمارے اندر برداشت کی قوت ختم ہوتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے بے چینی، بدامنی، تشدد، ذرہ سی بات پر قتل تک کر بیٹھتے ہیں اور پوری زندگی برباد کر لیتے ہیں۔نہ خود چین سے رہتے ہیں اور نہ دوسرے کو چین سے رہنے دیتے ہیں۔قتل ناحق کے بارے میں قرآن مجید میں بہت سی وعیدیں آئی ہیں۔ایک جگہ اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ۔۔الخ (سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۳۳)

قاتل کے دل میں انسانیت کا درد ختم ہو جاتا ہے۔اس کا دل محبت، ہم دردی، انکساری اور انسان دوستی سے خالی ہو جاتا ہے۔سماج کے ذمے دار لوگوں کو حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور جو بن پڑے اپنی طاقت بھر کوشش کرنا چاہیے۔ جہاں لڑائی جھگڑا نظر آئے وہاں میل ملاپ صلح کرائیں اور اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ بندہ ہونے کا شرف حاصل کریں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو صلح کرنے کرانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

●●

مسجد، امام و مؤذن کی اہمیت اور ہماری ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔
(قرآنی مفہوم، سورہ الذاریات)

اللہ نے عبادت کے طریقے بھی بتائے اور عبادت خانہ کی جگہ بتائی۔ اگر چہ امت محمدی میں ہر پاک و صاف جگہ میں نماز ادا کی جا سکتی ہے پھر بھی اللہ نے عبادت کے لیے مسجد کو بہتر فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو سب جگہ سے زیادہ محبوب مسجد یں ہیں اور سب سے مبغوض (قابل نفرت) بازار ہیں۔ (صحیح مسلم: کتاب المساجد، ج/اول، ص ۳۳۹، حدیث ۳۱۴، بحوالہ بہار شریعت: ج ۳، ص ۶۴۲)

اس محبوب جگہ کو کون آباد کرے گا، اس کی بھی نشاندہی فرمائی:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ۔

ترجمہ: مسجد یں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور رنماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے، بے شک وہ راہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ (سورہ توبہ: آیت ۱۸)

قرآن و احادیث میں مسجد کی فضیلت و اہمیت اور احکام بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ مشہور مفسر قرآن حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۸ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تعمیر کے خواہاں و ذمہ دار (مراد، خدمت گار COMMEITTEE) والوں کے لیے کم از کم ان خوبیوں کا ہونا ضروری ہے:

(۱) اللہ اور آخرت ایمان (۲) نماز کا اہتمام کرنا یعنی نماز کی پابندی کرنا (۳) ادائیگی

زکوٰۃ کا اہتمام کرنا (۴) صرف اور صرف اللہ کا خوف رکھنا۔

نماز کے اہتمام سے مسجد کی رونق بڑھتی ہے مگر افسوس صد افسوس! آج بہت کم ہی ذمہ دارانِ مسجد نمازی ہوتے ہیں۔ زیادہ تر مسجدوں کے ذمہ داران سیاسی اور دبنگ قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ کے خوف سے دور دور تک واسطہ نہیں ہوتا۔ متولی اور صدر وسکریٹری کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے۔ اگر میسر نہ ہو سکے تو کم از کم صوم وصلاۃ کا پابند ہونا، بااخلاق ہونا، رحم دل ہونا اور اہل علم کی تعظیم کرنے والا ہونا چاہیے۔

اللہ کی عبادت کے لیے مسلمانوں کے لیے جو جگہ بنائی جاتی ہے اس کو مسجد کہتے ہیں۔ مسجد کا لغوی مطلب ہے سجدہ کرنے کی جگہ۔ انگریزی میں اس کے لیے ''موسک'' MOSQUE کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مساجد مسلمانوں کے مذہبی مراکز ہیں۔ مسلمان مسجد کو اللہ کا گھر سمجھتے ہیں چاہے اس کا تعلق مسلمانوں کے کسی بھی فرقے سے ہو۔ اللہ رب العزت کے یہاں مسجد کو دوسرے مقامات کی بنسبت بہت برتری حاصل ہے جو عام جگہوں کو حاصل نہیں۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ مسجد میں جانے، عبادت کرنے اور مسجد سے واپس لوٹنے پر شریعت نے آداب معین کیے ہیں جن کا ہمیں خاص خیال رکھنا چاہیے۔ تفصیل کے لیے اسلامی کتب قانون شریعت، بہار شریعت وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

آدابِ مسجد:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ مسجدوں میں دنیوی گفتگو کریں گے۔ ان کے پاس مت بیٹھنا کہ اللہ کو ان کی کوئی حاجت نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی: ج ۴، ص ۳۸۷، حدیث ۲۹۶۲، بحوالہ بہار شریعت: ج ۳، ص ۶۴۹ اور ۶۴۸)

مخبر صادق ﷺ کا فرمان 100% سو فیصد سچ ثابت ہو رہا ہے۔ آج لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرتے ہیں، ہنسی مذاق میں لگے رہتے ہیں۔ افسوس! اس میں اہل علم بھی شامل رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ نے بیٹھنے سے منع فرمایا۔ ہم کو چاہیے

نہ ایسی محفلوں میں بیٹھیں اور نہ ہی مسجدوں میں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کریں۔آداب مسجد میں سے ہے کی مسجد میں پاک وصاف ہوکر داخل ہوں۔ یادرہے یہ شرط اول ہے۔ ناپاک آدمی مسجد میں نہیں داخل ہوسکتا۔مسجد میں دوڑ کر چلنا یا قدم زور سے رکھنااوراونچی آواز میں بات کر ناتہذیب وشائستگی کے خلاف ہےاورعذاب الٰہی کا بھی موجب ہے۔صاف ستھرالباس پہن کرمسجد میں آنا چاہیے۔حکم الٰہی ہے:

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۔الخ

ترجمہ:اے اولاد آدم!ہرنماز کے وقت اپنالباسِ زینت پہن لیا کرو۔

(سورہ ۷،آیت ۳۱)

یہاں زینت سے مراد مکمل اورصاف ستھرالباس ہے۔مسجد کے بہت احکام ہیں۔مسلمانوں کو چاہیے کہ اسلامی کتب کا مطالعہ فرمائیں اورمسجد کے آداب وضروریات کا پوراپوراخیال رکھیں۔

امام کی فضیلت:

قرآن کریم واحادیث طیبہ میں امامت کے فضائل موجود ہیں۔اس کے لیے سورۂ نساء: آیت ۹،سورۂ سجدہ: آیت ۲۴،وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد الٰہی ہے:وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًاؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۔

ترجمہ:اور(وہ وقت یادکرو)جب ابراھیم (علیہ السلام) کوان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا توانہوں نے وہ پوری کردیں،(اس پر) اللہ نے فرمایا: میں تمھیں لوگوں کا پیشوا (امام) بناؤں گا، انھوں نے عرض کیا:(کیا) میری اولاد میں سے بھی؟ارشادہوا:ہاں!مگر میراوعدہ ظالموں کونہیں۔

یعنی یہ وعدہ تمھاری اولاد کے ان لوگوں سے ہے جوصالح ہوں،ان میں سے جوظالم ہوں گےان کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیااوررسول آئے وہ سب آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ہمارے نبی کریم ﷺ بھی آپ ہی کی اولاد

میں سے ہیں۔امامت کا عہدہ اللہ کے نزدیک بھی بہت باعزت وعظمت والا ہے اسی لیے فرمایا کہ جو میری اطاعت وفرماں برداری کرے گا اسے امامت سے نوازیں گے، ظالموں اور بدعملوں کو یہ نعمت نہیں ملے گی۔امامت کے ساتھ ساتھ اذان دینے والا بھی اچھا اور نیک ہونا چاہیے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں کے اچھے لوگ اذان کہیں''اور قرّاء''امامت کریں''۔

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جو زیادہ قرآن پڑھا ہوتا وہی علم میں زیادہ ہوتا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امامت کا زیادہ مستحق قراء (یعنی زیادہ قرآن پڑھا ہوا) ہیں۔(سنن ابوداؤد: حدیث ۵۹۔صحیح مسلم: کتاب المساجد، حدیث ۷۸۲)

ایک اور حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سلامہ بنت الحر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا:'' قیامت کی علامت میں سے ہے کہ باہم اہل مسجد امامت ایک دوسرے پر ڈالیں گے، کسی کو امام نہیں پائیں گے کہ ان کو نماز پڑھاوے۔(یعنی کسی میں امامت کی صلاحیت نہ ہوگی)

(مسلم: باب المساجد، حدیث ۵۸۱)

نیک ومتقی اور اہل علم وافضل شخص کو ہی امام بنایا جائے، کم از کم وہ قراءتِ قرآن اور مسائل نماز کے جانکاری رکھتا ہو۔شریعت مطہرہ میں امام کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے لیے اسلامی کتب کا مطالعہ کریں۔امام کی عزت واکرام کریں جیسا کی اس کی شان کے لائق ہو۔اس کو اپنا مذہبی پیشوا اور سردار سمجھیں۔امام ومؤذن کو دیگر ملازمین اور نوکروں کی طرح سمجھنا منصب امامت کی سخت توہین ہے۔یہ بہت گناہ اور معصیت کا سبب ہے۔ بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

اذان کی اہمیت

اذان اللہ کے بندوں کو فلاح (بھلائی، نیکی، نجات، سلامتی،) کی طرف بلانے کا پیغام ہے۔پورے دن میں پانچ بار میں مشکل سے ۱۰ منٹ ہی لگتے ہیں مگر افسوس اذان کی یہ

آوازیں ان لوگوں پر بڑی گراں گزرتی ہیں جو اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتے ہیں اسی لیے مسجدوں سے لاؤڈ سپیکر اتارنے کی بات کرتے ہیں۔ بیمار ذہن کے لوگوں نے اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے عدالتوں میں کیس درج کیے ہیں۔ NATIONAL GREEN TRIBUNAL میں حال ہی میں ایک عرضی داخل کی گئی ہے۔ این جی ٹی کے چیئر مین جسٹس سوتنتر کمار نے دہلی سرکار اور دہلی پالوشن کنٹرول کمیٹی کو حکم دیا ہے کہ ضابطوں کے خلاف ورزی کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جائے۔ اس عرضی کا نپٹارہ کرتے ہوئے ٹریبونل نے مسجدوں کی جانچ کا حکم دیا ہے کہ وہاں سے تیز آواز تو نہیں آرہی ہے۔ غیر سرکاری تنظیم ''اکھنڈ بھارت مورچہ'' نے کئی جگہ کیس دائر کیے ہیں۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو پریشان کرنا ہے۔ مسلمان تو پریشان ہیں لیکن یاد رکھیں کہ یہ اللہ اکبر کی صدا تا قیامت بند نہیں ہوگی۔ یہ قدرتی نظام صبح قیامت تک چلتا رہے گا۔ بہت پیاری بات ڈاکٹر علامہ اقبال نے کہی ہے۔

یہ نغمہ فصلِ گل ولالہ کا نہیں پابند — بہار ہو کہ خزاں، لا الہٰ الا اللہ
خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ — خودی ہے تیغ، فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے — صنم کدہ ہے جہاں، لا الہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا — فریب سود وزیاں، لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند — بتاں وہم و گماں، لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان ومکاں کی زناری — نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الہ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں، لا الہ الا اللہ

اعلانِ توحید ہمیشہ بلند ہوتے رہے گی

اذان پکارنے والے مؤذن وامام کی بہت فضیلتیں ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کے گھر ''مسجد'' کا احترام کریں اور ''امام'' و''موذن'' کا خیال کریں۔ وہ بھی ہمارے معاشرے

کا حصہ ہیں اور ہم پر ان کی خبر گیری رکھنا اسلامی واخلاقی فریضہ ہے۔ امام ومؤذن کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے بچوں کی پیدائش کے بعدان کے کانوں میں اذان اقامت سے لے کر نکاح تک، گھر میں بیماری سے لے کر جنازہ تک، دفن سے لے کر ایصال ثواب تک ہر ہر قدم پر ہمارا ساتھ دیتے ہیں چنانچہ ہمارا بھی دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ ہم بھی ان کے سکھ دکھ میں قدم قدم پر ساتھ دیں۔ ذرا نظریں اٹھا کر دیکھیں کہ دنیا کے ہر شعبے میں لوگوں کی کیا تنخواہیں ہیں۔ یہاں تک کہ مزدوروں کی مزدوری کتنی ہے، ماہانہ آمدنی کتنی آمدنی ہے لیکن افسوس صد افسوس! آج امام ومؤذن اور مسجد کے خدمت گزاروں کی تنخواہیں انتہائی کم ہیں۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے (الا ماشاء اللہ)۔ ہر جگہ برا حال ہے۔ قوم یہ سمجھتی ہے کہ امام ومؤذن کو قومِ موسیٰ کی طرح من وسلویٰ اترتا ہے۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ انگریزوں نے جان بوجھ کر امام مسجد کی تنخواہ خاکروب کے برابر مقرر کر کے اسلام سے بیزاری کا ثبوت دیا تھا۔ انگریز تو چلے گئے لیکن اب ہم مسلمان ہو کر بھی اپنے امام ومؤذن کو ان کا حقیقی مقام دینے کو تیار نہیں۔ مسلمانوں کو اماموں اور مؤذنوں کو سرکاری TEACHERS کے برابر تنخواہ دینا چاہیے اور ریٹائر ہونے یا معذور ہونے پر معقول پینشن دینا چاہیے تاکہ امام اور مؤذن جو مسلم معاشرے کا باوقار (عہدہ) حصہ ہے، اسے بھی معاشرے میں عزت اور وقار سے زندہ رہنے کا حق ہے، اسے حاصل ہونا چاہیے۔ مسجد کے ذمہ داران واہل محلہ اس طرف سنجیدگی سے سوچیں اور عمل کریں ورنہ اللہ کے یہاں پکڑ ہوگی۔ تیار رہیں۔ اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

●●●

فضائل اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم وحادثہ کرب وبلا

بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اللہ رب العزت نے ہر زمانے میں انبیاے کرام کو مبعوث فرمایا۔ مصطفی جان رحمت ﷺ نے اللہ کی وحدانیت، عقیدۂ توحید اور اپنے رسول ہونے کا اعلان فرمایا۔ آپ ﷺ کی جانب سے دی جانے والی دعوت اسلام پر جن لوگوں نے لبیک کہا اور وہ آپ ﷺ کا دیدار اور پھر ایمان پر ہی اس دنیا سے پردہ فرما گئے وہ حضرات صحابی یعنی حضور ﷺ کے صحبت یافتہ کہلائے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنی رضامندی کی خوش خبری سنائی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ۔ (سورۃ البینۃ: آیت ۸)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔ (کنز الایمان)

بڑی رحمت ونعمت ہے کہ رضاے رب تبارک تعالیٰ مرضیِ مولا، اہلِ بیت وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوگئی ہے اور انہیں اس قدر اجر عظیم اللہ سے ڈرتے رہنے کی وجہ سے ملا۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار نعمتیں ملیں۔ صحابہ کرام واہلِ بیت اطہار کو ہدایت یافتہ ہونے کی بشارت بھی ملی۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔ (سورۃ الحجرات: آیت ۶۷)

ترجمہ: اللہ نے تمہیں ایمانی پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوارا کر دی، ایسے ہی لوگ راہ پر ہیں۔

یہ سب آسمانی ہدایت کے چمکتے ستارے ہیں۔ اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خصوصیت یہ ہے کہ نبیِ رحمت ﷺ کی صحبتِ پاک نے ان کو محفوظ عن الخطا کر دیا۔ ان صحبت یافتہ نفوس کے سردار بہ اجماعِ امت چار یار باصفا ابوبکر و عمر و عثمان وحیدر رضی اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس بابرکت جماعت میں ایک جماعت ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے جن کا تعلق براہ راست شافع یوم النشور ﷺ سے ہے۔ اس جماعت صحابہ کو اہلِ بیت کہتے ہیں۔ ان اہلِ بیت میں آپ ﷺ کی ازواج واولاد وغیرہ سب شامل ہیں۔ ان کے فضائل ومحاسن بے شمار ہیں۔ خصوصی طور پر حضور نبی رحمت ﷺ نے ان حضرات اہل بیت میں بھی چار ہی کو تخصص بخشا۔ جن میں اول لخت جگر مصطفی ﷺ، فاطمۃ الزہرا، شوہر فاطمہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ اور ان کے دو پھول ہیں جیسا کہ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہیں کلی جس میں حسین اور حسن پھول

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ان میں شامل ہیں۔ قرآن کریم واحادیث کریمہ میں ان چار نفوس اہلِ بیت صحابہ کرام کے بے شمار فضائل و مناقب موجود ہیں۔ تمام اہلِ بیت مصطفی سے محبت فرض ہے۔ خصوصاً ان چار نفوس کے ساتھ فرض عین ہے بلکہ سرمایۂ ایمان ہے۔ رضائے خداوندی و رضائے مصطفوی ہے۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ۔ (سورۃ شوریٰ: آیت ۲۳)

ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت اور جو نیک کام کرے ہم اس کے لیے اس میں اور خوبی بڑھائیں، بے شک اللہ بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے۔ (کنز الایمان)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اس ہدایت وتبلیغ پر اور تمہاری خیر خواہی پر میں تم سے کچھ طلب نہیں کر رہا۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنی بڑائی سے دور ہو جاؤ اور

ہمارے قرابت (رشتے) داروں کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مراد قرابت دار آلِ محمد ﷺ ہیں۔ صاحب درمنشور علامہ جلاالدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد آپ ﷺ سے پوچھا: **یا رسول الله ! من قرابتك هؤلاء الذين وجهت علينا مؤدتهم** (اے اللہ کے رسول وہ آپ سے قریبی کون ہیں جن کے ساتھ محبت کرنا ہم پر اللہ کی طرف سے واجب کیا گیا) تو اس کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا: **قال علی و فاطمه وولدهما** ۔علی، فاطمہ اوران کے دو بیٹے یعنی حسن اور حسین۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث مبارکہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وحبونی لحب الله واجسو اهل بیتی لحبی

ترجمہ: مجھے محبوب رکھو اللہ کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہلِ بیت کو محبوب رکھو میری محبت کی وجہ سے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

احب الله من احب حسینا

ترجمہ: جس نے حسین نے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔

(مشکوٰۃ شریف: ص ۵۷۱، بحوالہ خطبات محرم: ص ۳۳۱)

حضرت علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں حدیث مبارکہ بروایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

حضور نبی رحمت ﷺ نے سیدنا علی، حسن وحسین اور فاطمہ کی طرف نظر اٹھائی اور کہا کہ میرا اعلان جنگ اس کے ساتھ ہے جو تمہارے ساتھ لڑے۔ سلامتی ہے اس کے لیے جو تمہارے ساتھ سلامتی سے پیش آئے۔ اہلِ بیت بالخصوص حسنین کریمین کے فضائل میں محدثین کرام نے بے شمار احادیث روایت کی ہیں جو کتابوں میں درج ہیں۔ اہلِ بیت سے محبت وعقیدت رکھنے والے مطالعہ فرمائیں اوران کے کردار کو اپنائیں۔

حادثۂ کرب و بلا معرکۂ حق و باطل یا اقتدار کی جنگ؟

اوپر ذکر کی گئی آیاتِ قرآنی واحادیث طیبہ اور واضح دلیلوں کے باوجود لوگ امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کی جنگ کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ دراصل وہ صحابہ کرام واہلِ بیت کرام سے بغض رکھتے ہیں۔ اللہ ہدایت عطا فرمائے۔ بغض وحسد کی وجہ سے ہی شیطان راندۂ بارگاہ رب العالمین ہوا۔ اس پر آپ توجہ فرمائیں۔ اصل مسئلہ کیا ہے، جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے درمیان تنازعہ اور لڑائی اقتدار کے لیے تھی، یزید خلیفہ راشد تھا اور مسلمانوں کی اکثریت نے برضا ورغبت بلا جبر وکراہ وتحریص (لالچ) وترغیب اس کی بیعت کی تھی اور حضرت امام حسین نے اس کے خلاف بغاوت اس لیے کی تھی وہ خود خلیفہ بننا چاہتے تھے۔ اس طرح کے گمراہ کن خیالات کی ترویج واشاعت بھی کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ! اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ رب العزت نے ان کی پاکی و صفائی کا اعلان فرمایا:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡرًا۔

(سورۂ احزاب: آیت ۳۳)

ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول اللہ کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک ونقص کی گرد تک) دور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک وصاف کر دے۔

اہلِ بیت کی طہارت اور پاکیزگی کا اعلان اللہ رب العزت نے فرمایا اور حضور کریم ﷺ نے ان کے جنتی بلکہ جنتی نوجوانوں کا سردار ہونے کی بشارت دی۔ اللہ جل شانہٗ اور اس کے محبوب نبی کریم ﷺ سے زیادہ اپنے قول میں اور وعدے میں کوئی سچا نہیں۔ قرآن میں ہے:

وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّا وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیۡلًا۔ (سورۃ النساء: آیت ۱۲۲)

ترجمہ: اللہ کا وعدہ سچا اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔ (کنز الایمان)

وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیۡثًا۔ (سورۃ النساء: آیت ۸۷)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی (کنزالایمان)

ان گمراہ کن خیالات کرنے سے معاذ اللہ معاذ اللہ اللہ جل شانہ کے وعدے اور سچ ہونے پر شک ہوتا ہے جو کہ انتہائی خطرناک بات ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے ایمان پر غور کرنا چاہیے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اٹل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے: ''سب سے زیادہ سچی بات کلام اللہ ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد (ﷺ) کی ہدایت ہے۔'' اللہ اور رسول اللہ ﷺ جھوٹ، وعدہ خلافی اور اس طرح کے نقائص وعیوب سے پاک ومنزہ ہیں اور اللہ نے جن لوگوں کو کامل طور پر معصیت، گناہ اور ہر طرح کی بری باتوں سے پاک وصاف فرمایا ہے، ان سے بھی اس طرح کے گناہ او ر جرائم کا صدور شرعاً ناممکن ہے۔ دور جدید کے خارجیوں اور گستاخانِ رسول و اہلِ بیت اور یزیدیوں کو غور کرنا چاہیے کہ جگر گوشۂ رسول ﷺ کو خطا کار ثابت کرنے سے کہیں وہ اپنے ایمان سے ہی تو ہاتھ نہیں دھو بیٹھے ہیں۔ یزید کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھنے والے غور کریں۔
(شرح عقائد نسفی: بحوالہ سوانح کربلا: صفحہ ۱۱۷)

صحابیِ رسول حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے:

اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔

ترجمہ: میری سنت کا پہلا بدلنے والا ایک شخص بنی امیہ کا ہوگا جس کا نام یزید ہوگا۔

(تاریخ الخلفاء، صفحہ ۱۴۲)

یزیدیوں کے ظلم وستم اور جور و جفا کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔ اس طرح کا المناک حادثہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر کسی نبی کی اولاد کے ساتھ پیش نہیں آیا جو ظلم جانِ کونین ﷺ کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا پر ہوا۔ تاریخ گواہ ہے ان پاک نفوس کے فضائل تو قرآن واحادیث میں بے شمار موجود ہیں۔ پھر بھی دلوں میں کجی ہے تو اللہ سے ہدایت کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔ یزید کے فسق وفجور کی دنیا قائل ہے۔ علامہ سعید الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور اہلِ

بیت کی توہین و تذلیل پر یزید کے برا کہنے پر توقف نہیں کریں گے(اسے ہر حال میں برا کہیں گے)۔البتہ اس کے ایمان کے بارے میں توقف کریں گے(نہ اسے کافر کہیں گے اور نہ مومن)۔محدث ابن جوزی بھی یہی موقف رکھتے ہیں۔(سوانح کربلا)

اللہ تعالیٰ ہمیں اہلِ بیت اطہار کی محبت سے سرشار فرمائے اور یزیدیوں سے دور نفور عطا فرمائے۔آمین، ثم آمین۔

●●●

مومن کی صفات: غصہ کو پی جانا اور لوگوں کو معاف کر دینا

اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف ملا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (سورۂ التین: آیت ۴) ترجمہ: بیشک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا۔ (کنز الایمان) مولائے رحیم نے موت وزندگی اس لیے عطا فرمائی کہ وہ انسانوں کو آزمائے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں۔ جن انسانوں کو اللہ نے ایمان کی دولت سے نوازا ان کی قسمت، عزت اور وقار کے کیا کہنے۔ رب العزت خود فرما رہا ہے:

ترجمہ: اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔ (کنز الایمان، سورۃ المنافقون: آیت ۸)

ایمان والوں کو عزت سے سرفراز کیا اور انسانوں کو بھی عزت بخشی۔ فرمایا:

ترجمہ: اور بیشک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دی اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔

(سورۂ بنی اسرائیل: آیت ۷۰)

اللہ رب العزت نے جہاں انسانوں کی خوبیاں بیان فرمائیں وہیں انسانوں میں جو متقین مومنین ہیں ان کی پہچان بھی بتائی اور ان کی خوبیاں بیان فرمائیں اور ان پر جو انعامات کی بارشیں فرمائے گا، اس کا بھی اعلان فرمایا۔ اللہ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور زندگی کے ہر قدم پر ہر حال میں خدائی قانون کی پابندی کا حکم بھی دیا تا کہ انسان کا ہر فعل اس طریقے کے مطابق ہو جو خدائے تعالیٰ نے بتایا ہے۔ اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں گے تو پوری کی پوری زندگی عبادت ہوگی۔ کھانا، پینا، سونا، جاگنا اور ہر معا

ملے میں خدا کے حکم کی پابندی کرنا سب کا سب عبادت میں شمار ہوگا۔ خاص طور پر معاشرتی زندگی میں جو بھی معاملہ درپیش آئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے پر اللہ کی فرماں برداری کا انعام بھی ملے گا۔ اللہ نے انعام کا اعلان بھی فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ یہ انعام کن لوگوں کو عطا کیا جائے گا۔ فرماتا ہے:

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ الَّذِیۡنَ۔۔۔۔۔ اَلٰخ

ترجمہ: اور اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی فرماں برداری کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت (چوڑائی، Sapce) میں آسمان اور زمین آجاتے ہیں جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔

(سورۂ آل عمران: آیت ۱۳۴۔۱۳۲، کنزالایمان)

اللہ رب العزت یہاں متقین مومنین کی صفات وکردار (character) بیان فرمارہا ہے جن کے لیے جنت کی بہاریں چشم براہ (انتظار میں بے قرار) ہیں۔ ان کی پہلی صفت (quality) یہ ہے کہ وہ خوش حالی میں اور تنگ دستی، مالی محتاجی میں اپنا عزیز مال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ایسا کرنا کمال تقویٰ کی واضح علامت ہے۔ اس صفت کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا کیوں نکہ اس میں صدقہ ہے، اپنا مال دوسرے کو دینا ہے۔ کظم غیظ مومن کی دوسری صفت ہے۔ غیظ (شدید غصہ) شدت غضب کو اور کظم بھری ہوئی مشک کے باندھنے کو کہتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسے ناپسندیدہ کام یا بات ہو جاتی ہے جس سے انسان بہت زیادہ غصہ ہو جاتا ہے۔ ایسے حال میں اپنے غصہ کو پی جانا بے شک بڑی ہمت کا کام ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

''اے ابن آدم! اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصے کے وقت تجھے یاد رکھوں گا یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچا

لوں گا۔(ابن ابی حاتم)

دوسری حدیث میں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنا غصہ روک لے اللہ تعالیٰ اس پر سے اپنا عذاب ہٹا لیتا ہے اور جو شخص اپنی زبان (خلاف شرع باتوں سے) روک لے اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف معذرت لے جائے گا اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرے گا۔(مسند ابو یعلی)

مومن کی تیسری صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی: عفو (معاف کرنا، درگزر کرنا) عفو کہتے ہیں: باوجود طاقت (power) کے کسی انسان کی خطا اور نقصان پہنچانے پر خاموش ہی نہ رہے بلکہ دل سے اسے معاف کردے۔ هُوَ التجا فی عن ذنب مع القدرة علیه۔ یہ چیز کظم غیظ سے اعلیٰ ہے۔اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

ترجمہ: اور بیشک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

(سورۂ شوریٰ: آیت ۴۳، کنزالایمان)

چوتھی صفت احسان ہے۔یہ مرتبہ پہلے تمام مراتب سے بلند تر ہے کہ انسان دشمن سے بدلہ بھی نہ لے، اسے معاف بھی کردے، صرف معاف ہی نہ کرے بلکہ اس پر احسان (مہربانی کا برتاؤ، اچھا سلوک،) بھی کرے۔ مومن کی پانچویں صفت طلب مغفرت ہے۔ انسان خطا و نسیان کا مجموعہ ہے۔اس سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً احساسِ ندامت سے جھک جائے، یہ جانتے ہوئے کہ غلطیوں کو معاف فرمانے والا اور گناہوں کو بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: مگر وہ جو توبہ کریں اور ظاہر کریں تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول فرمانے والا مہربان۔(سورۃ البقرۃ: آیت ۱۶۰، کنزالایمان)

جو اللہ کے حضور میں نہایت عاجزی سے گناہوں کی معافی کی درخواست کرتے ہیں، ان کی یہ حقیقی (اصل، Real) توبہ ہوتی ہے۔ایسا نہیں ہوتا کہ ان کی زبان تو استغفر اللہ کے وِرد میں مصروف ہو اور وہ اپنے عمل سے استغفار کا مذاق اڑا رہے ہوں۔آج ہمارے معاشرے میں درگذر کرنے اور معاف کرنے کی عادت تقریباً ختم ہوتی جارہی ہے۔ذرا ذرا

سی بات پر غصہ ہونا اور یہ کہنا کہ ہم اسے زندگی بھر معاف نہیں کریں گے بات نہیں کریں گے، عام سی بات ہو گئی ہے۔ افسوس اور تشویش اس پر ہے کہ اس میں خواص بھی شامل ہیں (چند کو چھوڑ کر)۔ علماے کرام اور پیران عظام کے چہروں پر تیوریاں چڑھی رہتی ہیں اور اپنے مخالفین پر برسر عام اسٹیجوں پر بھی لعن طعن کرتے رہتے ہیں۔ عوام پر اس کا غلط اثر ہو رہا ہے۔ معافی اور درگزر سے کام نہیں لیتے جب کہ اپنے معاملے میں چاہتے ہیں کہ اللہ انہیں معاف فرما دے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

ترجمہ: اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے ہیں اور گنجائش والے ہیں قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی، اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمھاری بخشش کرے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ النور: آیت ۲۲)

اللہ تعالیٰ سے سبھی چاہتے ہیں کی وہ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے، اور وہ رحیم وکریم معاف فرماتا ہے لیکن جو مومنین بندوں کی صفات اللہ نے بیان فرمائیں کہ وہ غصے کو پی جانے والے ہیں، تو یہ خوبی وہ اپنے اندر نہیں پیدا کرتے۔ ذرا سینے میں ہاتھ رکھ کر سوچیں۔ ہم کہاں ہیں۔ اپنے مجرم کو معاف کرنا، ظالم کو معاف کرنا، کسی نے گالی دی اسے معاف کر دینا، کسی نے مارا اسے بخش دینا حالانکہ نفس بدلہ لینے کا تقاضا کرتا ہے مگر پھر بھی اس کے ساتھ نیکی کا عمل کرنا، اچھا سلوک کرنا، مہربانی کا برتاؤ کرنا۔ یہ بہت دل وجگر کا کام ہے۔ اسے مارنا بہادری ہے لیکن اسے معاف کر دینا نفس کو مغلوب کر دینا ہے اور یہ سب سے بڑی بہادری ہے۔ ہزاروں دین کے دشمنوں کو مارنا آسان ہے مگر نفس امارہ کو مارنا بہت مشکل ہے۔ نفس گناہوں پر آمادہ کرنے والا اور بہت حکم کرنے والا ہے لیکن اس کے برعکس دشمن کے ساتھ نیکی کا عمل کرنا، اچھا سلوک کرنا، مہربانی کا برتاؤ کرنا، یہ بہت ہمت کے کام ہیں۔ اللہ تمام مسلمانوں کو اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

●●●